سرپرست:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

مدیر:

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

Rs 3/

FEB. 1987

ہماری چار نئی مطبوعات

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی کے کچھ اہم مضامین کتابی شکل میں

جلد ۵۵ — شمارہ ۲

فروری ۱۹۸۶ء
مطابق
جمادی الثانی ۱۴۰۶ھ

یہ شمارہ ۲/-

سالانہ چندہ
برائے ہندوستان ۲۰/- پاکستان ۶۰/-
برائے بیرونی ممالک
بحری ڈاک ۵۵/- (5/- پونڈ)
ہوائی ڈاک ۱۴۰/- (15/- پونڈ)

اگر اس دائرہ میں سرخ نشان

ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا اطلاع مہینے کے آخر تک موصول نہ ہونے کی صورت میں اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا

خط و کتابت یا ترسیل کا پتہ

دفتر: ماہنامہ "الفرقان"
۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:
ادارہ اصلاح و تبلیغ، آسٹریلین بلڈنگ لاہور

محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اولیں

مُدیر

ہندوستان کی قدیم تاریخ (ANCIENT INDIAN HISTORY) سے جو لوگ واقف ہیں ان پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ یہاں کے باشندوں میں برہمنوں کے اندر ایک عجیب و غریب قسم کی نسلی برتری کا احساس ہمیشہ ہی سے پایا جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے ہمیشہ سے ہی انکی یہ خواہش رہی ہے کہ انھیں اس خطۂ زمین کا بلا شرکت غیرے اور دائمی مالک و مختار تسلیم کر لیا جائے اور یہاں کا ہر باشندہ ان کا محکوم و غلام بن کر زندگی گذارتے ہی کو اپنے مقدر کی حیثیت سے قبول کر لے۔ اسلام سے پہلے طویل عرصہ تک اس سرزمین میں انھیں یہی حیثیت حاصل رہی، جس دن سے اسلام کے پیغام مساوات کو یہاں استحکام حاصل ہوا اسی دن سے ان کی وہ حیثیت جاتی رہی اور اسی لئے ان کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت اور انتقام کا جذبہ جاگزیں ہو گیا۔ اور مسلمانوں کے پورے دور اقتدار میں ان کی طرف سے مسلمانوں کے استحکام کو ختم کرنے کے لئے اور اسلام کو یہاں سے بے دخل کر کے اس ملک کو ہندو استھان بنانے کی کوششوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

دسویں صدی ہجری میں اکبری عہد کے دوران یہ کوششیں بہت تیز ہو گئی تھیں، اور قریب تھا کہ سو فیصد کامیابی کی منزل سے ہمکنار ہو جائیں۔ ہم ایک خاص مقصد کے تحت آج کی صحبت میں اس سنگین خطرہ کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں جو اس زمانہ میں اسلام کو یہاں درپیش ہوا تھا۔

عہد اکبری اور ہندوستان کے تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ اکبر اپنے ابتدائی عہد میں ایک سیدھا سادہ مسلمان تھا، صحیح دینی تعلیم و تربیت بلکہ مطلق تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے اور اپنے احول کے اثر سے اس کے دینی جذبات کی تکمیل کوسوں پیادہ پا چل کر مزارات پر

حاضری دینے، وہاں کے سجادہ نشینوں کے ساتھ اپنی نیازمندی کے اظہار، خانقاہوں کی جاروب کشی مجالس ذکر وسماع میں شرکت اور درباری سرکاری علماء ومشائخ کی توقیر وتعظیم ہی کے ذریعہ ہو پاتی تھی

اکبر کی اس کمزوری کو کہ وہ بالکل ہی ناخواندہ ہے، اسلام کے مقامی وبیرونی دشمنوں نے بہت جلد بھانپ لیا، اور سب نے مل کر اکبر کو گمراہ کر کے اپنے پوشیدہ اسلام دشمن ارادوں اور منصوبوں کی تکمیل کے لئے اسے آلہ کار کے طور پر استعمال کرنے کی زبردست کوشش شروع کر دی

اس دور کی تاریخ کا گہرا اور تفصیلی مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ اکبر کے ارتداد اور اس کی گمراہی کے پیچھے ہندو احیائیت کی اس سازش کا ہاتھ تھا جو اس وقت کی ہندو برہمن قیادت اپنے واحد مقصد کی برآوری کے لئے خفیہ طور پر کر رہی تھی اور اس کے لئے وہ مختلف ذرائع اختیار کر رہی تھی۔ اس کا اندازہ اس بات سے بآسانی کیا جاسکتا ہے کہ اکبر کے ذریعہ جس نئے دین کا آغاز کرایا گیا اس کی بنیاد شرک صریح، اور کواکب پرستی پر تھی ایمان بالبعث کے بجائے عقیدہ تناسخ تھا.... اس دین میں سود، جوئے اور شراب اور لحم خنزیر کو حلال قرار دیا گیا تھا، ذبیحہ گاؤ کی ممانعت کر دی گئی تھی، قانون نکاح میں ترمیمات کر دی گئی تھیں، پردہ اور رسم ختنہ کو بھی ممنوع قرار دے دیا گیا تھا جسم فروشی کے کاروبار کو منظم کر دیا گیا تھا، اور تدفین کے طریقہ میں بھی ترمیم کر دی گئی تھی۔

ابو الفضل نے جسے اکبر کا محرم اسرار، اس کی عقل کل اور نفس ناطقہ کہا گیا ہے اپنی مشہور کتاب آئین اکبری میں اکبر کے عقائد کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر نے خود روشنی کی تعظیم وتکریم اور آگ اور سورج کی عبادت شروع کر دی تھی، گنگا جل کا جو احترام اکبر کے یہاں کیا جارہا تھا اس کا بیان آپ ابو الفضل ہی کی زبانی سنئے:۔

"بادشاہ سفر وحضر ہر وقت گنگا جل نوش فرماتے ہیں، معتمد ملازمین کا ایک گروہ دریا کے کنارے مامور ہے جو سربمہر کوزوں میں پانی بھر کر لاتا ہے۔ جب جہاں پناہ آگرہ اور فتحپور میں قیام فرماتے ہیں تو قصبہ "سوروں" سے پانی لایا جاتا ہے، آجکل جب کہ شاہی خیمہ لاہور میں نصب ہے ہردوار سے لایا جارہا ہے۔ باورچی خانہ میں جمنا اور چناب کا پانی یا آب باراں صرف ہوتا ہے ان میں تھوڑا "گنگا جل" ملایا جاتا ہے۔"[1]

---

[1] آئین اکبری ج ۱ ص ۳۲

ابو الفضل کے آئین اکبری ہی سے اکبر کے جن خیالات کا علم ہوتا ہے "جن میں ہندوؤں کو موحد قرار دینے کا فرمان شاہی بھی ہے" ان سے یہ بات قطعی طور پر صاف ہوجاتی ہے کہ اس فتنۂ اکبری کے پیچھے اس برہمنی سازش کا ہاتھ تھا جو اس ملک میں دوبارہ برہمن ہندو راج لانے کی جان توڑ کوشش کر رہی تھی،

تاریخ کے موجودہ ذخیرہ میں اس بات کے کئی اور مضبوط شواہد موجود ہیں۔ لیکن ہمارا خیال ہے اکبر کے ان عقائد میں اس حقیقت کی ایسی مضبوط اور واضح شہادت موجود ہے جن کے ہوتے ہوئے کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں ہے۔

دسویں صدی ہجری کے ان حالات کا تذکرہ ہم نے پندرہویں صدی ہجری کے ہندوستانی مسلمانوں کو یہ یاد دلانے کے لئے کیا ہے کہ آج سے پانچ سو سال پہلے اس خطۂ زمین میں ہندو احیائیت کی طرف سے اسلام پر ایک زبردست حملہ ہوا تھا، اور اس حملہ میں یہاں تک کامیابی ہوچکی تھی کہ ایک مسلمان فرمانروا کو ہندو مذہب کی طرف مائل کرکے، اور اسے سخت ذہنی انتشار اور عقلی پراگندگی میں مبتلا کرکے اسی کے ذریعہ ہندوستان کے مسلمانوں کے گلے میں زنار ڈالا جارہا تھا حکومت کی پوری طاقت مسلمانوں کو "ہندوانے" اور ان کا "بھارتیہ کرن" کرنے کے لئے استعمال کی جارہی تھی، ہندوستان کو پراچین کے دور کی طرف واپس لایا جارہا تھا، صرف نکاح و طلاق اور وراثت وغیرہ کے مسائل ہی میں نہیں، عقائد، عبادات اور معاشرت و تمدن کے تمام شعبوں میں اجباری "سول کوڈ" نافذ کردیا گیا تھا، اور ایک نئے دین کو جو ہندوستان کی قدیم برہمنیت اور ایران کی مجوسیت کا عجیب و غریب مرکب تھا پورے سرکاری نظام کے ذریعہ قائم کیا جارہا تھا۔ اکبر خود اس دین پر باقاعدہ بیعت لیتا تھا اس میں داخل ہونے والوں سے یہ اقرار بھی کروایا جاتا تھا کہ:

> "میں اپنی خواہش اور رغبت اور دلی شوق کے ساتھ مجازی و تقلیدی دین اسلام سے جو باپ داداؤں سے سنا اور دیکھا تھا، علیحدگی اور جدائی اختیار کرتا ہوں۔ اور اکبر شاہی دین الٰہی میں داخل ہوتا ہوں اور اس دین کے اخلاص کے چاروں مرتبوں یعنی ترک مال، ترک جان، ترک ناموس و عزت، ترک دین کو قبول کرتا ہوں"[1]

اکبر کے ذریعہ ہندو برہمنی تہذیب کو ہندوستان کے مسلمانوں پر ٹھونسنے کی جو مہم یہاں کی برہمن

[1] منتخب التواریخ ص ۲۷۳

قیادت نہایت چالاکی و ہوشیاری کے ساتھ کر رہی تھی اور جس قسم کا یکساں سول کوڈ یہاں کے مسلمانوں پر اسوقت نافذ کیا جا رہا تھا اس کی جھلک "A SHORT HISTORY OF INDIA" کے مصنفین کے اس اعتراف میں بھی ملتی ہے :

"اکبری قوانین دین اسلام سے زیادہ ہندو مذہب کی موافقت اور حمایت میں ہوتے تھے"۔[1]

اکبری دور میں ہندوستان میں اسلام کو جس قسم کا خطرہ درپیش ہوا تھا اس کی واقعی سنگینی اور خطرناکی پر جن لوگوں کی نگاہ ہے۔ اور جو لوگ اس دور کی صحیح صورتحال سے واقف ہیں انھیں یہ باور کرنے میں تردد نہیں ہوگا کہ "اسلام کی اس وقت تک کی تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ تھا کہ ایک عظیم ملک جس میں دین فطرت کے شجرۂ طیبہ کے نصب اور بار آور کرنے کے لئے چار سو برس تک مسلسل بہترین انسانی توانائیاں دماغی صلاحیتیں اور اہل قلوب اور اصحاب صفا کی روحانیتیں صرف ہوئی تھیں، ایک ہمہ جہتی دینی و ذہنی اور تہذیبی ارتداد کے راستے پر پڑ رہا تھا"۔[2]

اور خاص بات یہ تھی کہ اس شجرۂ طیبہ کی جڑوں پر تیشے اس شخص کے ہاتھوں سے چلوائے جا رہے تھے جو نہ صرف یہ کہ مسلمان کہلاتا تھا بلکہ امیر المومنین، ظل اللہ علی العالمین اور خلیفۃ اللہ کے القاب سے بھی نوازا جاتا تھا۔ گویا گھر کو گھر کے چراغ ہی سے جلایا جا رہا تھا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ہندوستان کی اسلامی تاریخ کے اس نہایت سنگین اور خطرناک موڑ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"اس وقت اگر حالات کی رفتار یہی رہتی اور اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو جانے والی کوئی طاقتور شخصیت یا کوئی انقلاب انگیز واقعہ پیش نہ آتا تو اس ملک کا انجام گیارہویں صدی ہجری میں بظاہر وہی ہوتا جو نویں صدی ہجری میں اندلس کا (جس کو دنیا اب صرف اسپین کے نام سے جانتی ہے) یا چودھویں صدی ہجری میں (انقلاب روس کے بعد) ترکستان کا ہوا"۔[3]

ہم نے شروع ہی میں عرض کیا تھا کہ دسویں صدی میں ہندوستان کے غربت کدہ میں مسافر اسلام کو جن حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا، ہم اس مضمون میں ان کا تذکرہ ایک خاص مقصد کے تحت کرنا چاہتے ہیں

---

[1] A SHORT HISTORY OF INDIA کا اردو ترجمہ از مولانا محمد یوسف کوکن ص ۲۵۱

[2] قوسین کے درمیان کی یہ عبارت تاریخ دعوت و عزیمت از مولانا ندوی ص ۵، ج ۴ سے ماخوذ ہے [3] ایضاً

اب ہم اپنے اس مقصد کی وضاحت کرتے ہیں۔

یہ بات اب بالکل ہی ثابت اور ہر خاص و عام کو معلوم ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جس بندہ کو ان حالات کے مقابلہ کے لئے منتخب فرمایا تھا، اور تدبیر الٰہی نے جس مرد غیب کے سپرد یہ دشوار کام کیا تھا وہ امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ تھے۔

ہم اس وقت نہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا تذکرہ لکھنے بیٹھے ہیں۔ اور نہ انکی عظیم تجدیدی کوششوں پر کوئی تبصرہ کرنے، یہ کام ہمارے بڑے الحمد للہ کہ بھرپور انداز میں کر چکے ہیں۔

ہم اسوقت صرف یہ یاد دلانا چاہتے ہیں کہ حضرت مجدد صاحب نے ہندو احیائیت اور بھارتیہ کرن کے اس زبردست حملہ کے کامیاب مقابلہ میں جس بیداری و خبرداری جس توازن اور گہرائی اور جس حق گوئی و بیباکی سے کام لیا، وہ اہل نظر کے نزدیک اس بات کی علامت ہے کہ وہ خود رو انسان نہیں تھے، تدبیر الٰہی کا ایک کرشمہ اور توفیق و انتخاب خداوندی کا ایک نمونہ تھے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت مجددؒ نے ان حالات میں بھی جبکہ بہت سے سطحی انداز سے سوچنے والوں کے نزدیک اس کے متقاضی تھے کہ تمام تر توانائیاں صرف ایک محاذ پر صرف کی جائیں اور دوسرے محاذوں کو بالکل کھلا چھوڑ دیا جائے، اور اندرونی دشمنوں اور آستینوں میں چھپے ہوئے سانپوں کو بالکل نہ چھیڑا جائے، بالکل دوسرا طرز عمل اختیار کیا، انھوں نے جتنی قوت اس بیرونی محاذ پر صرف کی، اتنی ہی قوت سے انھوں نے اندرونی دشمنوں پر بھی ضرب لگائی۔ ان کے اس طرز عمل کی بہت واضح مثال یہ ہے کہ انھوں نے (ان حالات میں بھی) شیعیت کے بارے میں واضح اور فیصلہ کن موقف اختیار کیا، اور اختیار ہی نہیں کیا ڈنکے کی چوٹ پر اس کا اعلان بھی کیا، جس کا جی چاہے ان کے پچاسوں مکتوبات میں شیعیت کے بارہیں ان کے خیالات کو پڑھے اور ان کا وہ تاریخی رسالہ بھی دیکھے جو انھوں نے شیعیت کے بارہیں خاص طور پر لکھا ہے اور جس میں انھوں نے علماء ماوراء النہر کے اس فتوے کی کھل کر تائید کی ہے جس کے بموجب شیعہ مذہب کے پیرووں کو کافر اور واجب القتل قرار دیا گیا ہے۔

ہندستان کے موجودہ حالات میں یہ طلسم مکتب حضرت مجدد صاحبؒ کا یہ طرز عمل کیوں یاد دلا رہا ہے۔ اور اس سلسلہ میں اس کی گذارش کے مخاطب کون لوگ ہیں خدا کرے کہ یہ بات صاف صاف کہے بغیر سمجھ لی جائے۔

بس آج کی گفتگو یہیں پر ختم! انشاء اللہ آئندہ صحبت میں بارہویں صدی ہجری کے حالات اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے طرز عمل کی بابت گفتگو ہوگی۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

کتاب المناقب و الفضائل (۵)

وفات اور مرض وفات (۱)

صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور ولادت باسعادت اور بعثت و آغاز وحی اور آپ کے اخلاق حسنہ کے ابواب کے سلسلہ کو باب وفات پر ختم کیا ہے جس میں حضورؐ کی وفات اور مرض وفات سے متعلق احادیث ذکر کی ہیں، اسی کی پیروی کرتے ہوئے یہاں بھی آپؐ کی وفات اور مرض وفات سے متعلق چند حدیثوں کے ذکر پر اس سلسلہ کو ختم کیا جاتا ہے۔

پہلے یہ ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی وفات کے بارے میں اس پر تو محدثین اور اہل سیر و تاریخ کا اتفاق ہے کہ ۱۱ھ ہجری ربیع اول کا مہینہ اور دوشنبہ کا دن تھا، لیکن تاریخ کے بارے میں، تاریخ ولادت ہی کی طرح روایات اور اقوال مختلف ہیں۔ جہاں تک اپنا مطالعہ ہے حدیث کی کسی کتاب میں کوئی روایت نہیں ہے جس میں حضورؐ کی تاریخ وفات کا ذکر کیا گیا ہو۔ تاریخ اور سیر کی کتابوں میں تین تاریخوں کی روایات ذکر کی گئی ہیں۔ ربیع الاول کی پہلی۔ دوسری اور بارہویں اور تاریخ ولادت کی طرح وفات کی تاریخ بھی بارہویں ہی زیادہ مشہور ہے۔ لیکن بعض محققین نے لکھا ہے کہ تاریخ وفات ۱۲ ربیع الاول کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ بات مسلّم اور صحیح ترین روایات سے ثابت ہے کہ وفات سے قریباً پونے تین مہینے پہلے آپؐ نے جو حج کیا (حجۃ الوداع) تو ۹ ذی الحجہ کو جمعہ کا دن تھا ——— اور یہ بھی مسلم اور صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضورؐ کی وفات دوشنبہ کے دن ہوئی تو ۹ ذی الحجہ

کو جمعہ ہونے کی صورت میں ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ کا دن کسی طرح نہیں ہو سکتا ذی الحجہ، محرم، صفر تینوں مہینوں کو خواہ ۳۰۔۳۰ دن کا فرض کیا جائے یا ۲۹۔۲۹ دن کا یا بعض کو ۲۹ اور بعض کو ۳۰ دن کا کسی صورت میں بھی ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ کا دن نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر تینوں مہینوں کو ۲۹ دن کا مانا جائے (جو بہت مستبعد ہے اور جسکا امکان بہت کم ہے) تو ربیع الاول کے پہلے دوشنبہ کو ۲ تاریخ ہوگی اور اگر ایک مہینہ کو ۲۹ دن کا اور دو مہینوں کو ۳۰۔۳۰ دن کا مانا جائے (جو بکثرت ہوتا ہے) تو ربیع الاول کے پہلے دوشنبہ کو یکم تاریخ ہوگی۔ ان سب حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے زیادہ قرین قیاس یکم ربیع الاول والی روایت ہے ——— واللہ اعلم

اب پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض وہ ارشادات ذکر کیے جائیں گے جن میں آپ نے اشارۃً یا صراحۃً صحابہ کرام کو اپنی وفات کے قریب ہونے کی اطلاع دی تھی نیز بعض وہ حدیثیں جن میں مرض وفات کے بعض اہم واقعات بیان فرمائے گئے ہیں، آخر میں وہ حدیثیں جن میں سانحۂ وفات کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان احادیث مبارکہ کو اس عاجز راقم سطور کیلئے اور ناظرین کرام کے لئے ہدایت وسعادت کا وسیلہ بنائے اور ان کی برکت سے حسن خاتمہ نصیب فرمائے اللهم توفنا مسلمين والحقنا بالصالحين!

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَتْلٰى اُحُدٍ بَعْدَ ثَمَانِ سِنِيْنَ كَالْمُوَدِّعِ لِلْاَحْيَاءِ وَالْاَمْوَاتِ، ثُمَّ طَلَعَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ اِنِّيْ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ فَرَطٌ وَاَنَا عَلَيْكُمْ شَهِيْدٌ، وَاِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْحَوْضُ، وَاِنِّيْ لَاَنْظُرُ اِلَيْهِ وَاَنَا فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا، وَاِنِّيْ قَدْ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ، وَاِنِّيْ لَسْتُ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِيْ، وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا اَنْ تَنَافَسُوْا فِيْهَا،

——— رواه البخاري ومسلم

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے اُحد پر آٹھ سال کے بعد نماز پڑھی، اس شخص کی طرح جو الوداع کہنے والا ہو زندوں کو اور مُردوں کو، پھر آپ (مسجد شریف آکر) منبر پر رونق افروز ہوئے اور آپ نے صحابہ کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہارے آگے فرط (میر منزل) کی طرح جانے والا ہوں، اور

لئے باعث خیر ہوگا، میں آگے جاکر تمہارے لئے وہی کروں گا جو فرط کرتا ہے، اور جس طرح قافلہ روانہ ہونے کے بعد منزل پر پہنچکر پھر فرط سے مل جاتا ہے اسی طرح تم بھی مجھ سے آملوگے ـــ آگے آپ نے فرمایا اور میں تمہارے بارے میں شہادت دوں گا کہ تم ایمان لائے تھے اور تم نے میرا اتباع کیا اور راہ حق میں ساتھ دیا تھا ـــ آگے حضور نے فرمایا کہ وہاں ملاقات حوض کوثر پر ہوگی ــ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس حوض کوثر کو میں اس وقت اپنی اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں (یعنی اللہ تعالیٰ نے سارے پردے اٹھا کر آخرت کے حوض کوثر کو میرے سامنے کر دیا ہے) اس کے ساتھ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس زمین اور اس دنیا کے خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا فرمادی گئی ہیں (یہ بشارت تھی کہ دنیا کے خزانوں کی کنجیاں میری امت کو عطا فرمائے جانے کا خداوندی فیصلہ ہو چکا (واقعہ یہ ہے کہ اس کا ظہور عہد صحابہ ہی میں ہو گیا)

اس خطاب کے آخر میں آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کا تو اندیشہ نہیں ہے کہ تم پھر مشرک ہو جاؤ گے اس طرف سے مجھے اطمینان ہے، ہاں یہ خطرہ ضرور ہے کہ تمہاری رغبت اور طلب کا رخ دنیا کی زینتوں لذتوں کی طرف ہو جائے ـ حالانکہ مومن کے لئے رغبت اور چاہت کی چیز صرف جنت اور نعمائے آخرت ہیں ـ اللہ تعالیٰ نے انہی کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ؀

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ إِنَّ عَبْدًا خَيَّرَهُ اللّٰهُ بَيْنَ أَنْ يُؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا مَاشَاءَ وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهُ، قَالَ فَبَكَى أَبُوبَكْرٍ قَالَ فَدَيْنَاكَ بِآبَائِنَا وَأُمَّهَاتِنَا، فَعَجِبْنَا لَهُ فَقَالَ النَّاسُ انْظُرُوا إِلَى هٰذَا الشَّيْخِ يُخْبِرُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَبْدٍ خَيَّرَهُ اللّٰهُ بَيْنَ أَنْ يُؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ وَهُوَ يَقُولُ فَدَيْنَاكَ بِآبَائِنَا وَأُمَّهَاتِنَا، فَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الْمُخَيَّرَ وَكَانَ أَبُوبَكْرٍ أَعْلَمَنَا ـ

ـــــــ رواہ البخاری و مسلم

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دن) منبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے (صحابہ کرام کو خطاب کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ یا تو دنیا کی بہاروں اور نعمتوں میں سے جس قدر چاہے لے لے یا (آخرت کی) جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں، ان کو لے لے۔ تو اس بندے نے (آخرت کی وہ نعمتیں) پسند کرلیں جو اللہ کے پاس ہیں ـــــ یہ سن کر ابو بکرؓ رونے لگے اور انھوں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ ہم اور ہمارے ماں باپ آپ پر سے قربان ہوں۔ (حدیث کے راوی ابو سعید خدری کہتے ہیں) کہ ہم کو ابو بکر کے اس حال اور اس بات پر تعجب ہوا، اور لوگوں نے آپس میں کہا کہ ان بزرگوار کو دیکھو! حضورؐ تو اس بات کی خبر دے رہے ہیں کہ اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا تھا کہ یا تو وہ دنیا کی بہاروں نعمتوں میں سے جسقدر چاہے پسند کرے یا آخرت کی وہ نعمتیں جو اللہ کے پاس ہیں پسند کرے ـــ اور یہ بزرگوار ابو بکر کہہ رہے ہیں کہ "ہم اور ہمارے ماں باپ آپ پر سے قربان ہوں" ـــ (آگے ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ جب جلدی ہی حضورؐ وفات پا گئے تو معلوم ہو گیا کہ) آپؐ ہی وہ بندے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے وہ اختیار دیا تھا (اور معلوم ہو گیا کہ) ابو بکر علم و دانش اور فراست میں ہم سب سے فائق تھے (انھوں نے وہ حقیقت سمجھی جو ہم میں سے کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکا) ـــــ

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر رونق افروز ہو کر یہ خطاب کب فرمایا تھا۔ صاحب مشکوٰۃ نے الفاظ کی کچھ کمی بیشی کے ساتھ سنن دارمی کے حوالہ سے، اس خطبہ کے متعلق حضرت ابو سعید خدری ہی کی روایت نقل کی ہے اس میں صراحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطاب مرض وفات ہی میں فرمایا تھا اور یہ حضرت کا آخری خطاب تھا۔ اس کے بعد حضورؐ نے مسجد شریف میں کوئی خطاب نہیں فرمایا یہاں تک کہ وصال فرما گئے ـــ اور صحیح مسلم کی ایک روایت سے (جسکے راوی حضرت جندب ہیں) معلوم ہوتا ہے کہ وفات سے پانچ دن پہلے (یعنی جمعرات کے دن) آپ نے یہ خطاب فرمایا تھا۔

صاحب مشکوٰۃ نے "باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث صرف اتنی ہی نقل کی ہے جو یہاں درج کی گئی، لیکن صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں یہ حدیث حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فضائل کے باب میں بھی نقل کی گئی ہے، اور دونوں میں یہ اضافہ ہے کہ حضورؐ نے اسی خطاب میں یہ بھی فرمایا کہ :-

إنَّ أَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي مَالِهِ وَصُحْبَتِهِ أَبُوبَكْرٍ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذاً خَلِيلاً غَيْرَ رَبِّي لَاتَّخَذْتُ أَبَابَكْرٍ خَلِيلاً وَلَكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهُ لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا سُدَّ إِلَّا بَابَ أَبِي بَكْرٍ —

یہ حقیقت ہے کہ لوگوں میں سے جس شخص نے میرے ساتھ سب سے زیادہ حسن سلوک کیا اپنے مال سے اور اپنی صحبت (یعنی خادمانہ رفاقت) سے وہ ابو بکر ہے اور اگر میں اپنے پروردگار کے سوا کسی کو خلیل (یعنی جانی دوست) بناتا تو ابو بکر کو بناتا، لیکن اسلامی اخوت و دوستی کا خاص تعلق ابو بکر سے ہے۔ (اسی کے ساتھ آپ نے ہدایت فرمائی کہ) مسجد میں کھلنے والے سب دروازے بند کر دیئے جائیں سوائے ابو بکر کے دروازے کے (بس اسی کو باقی رکھا جائے[1])

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطاب میں (جو وفات سے صرف پانچ دن پہلے آپ نے فرمایا تھا اور جو مسجد شریف میں آپ کی زندگی کا آخری خطاب تھا) اپنے سفر آخرت کے قریب ہونے کی طرف اشارہ فرمانے کے ساتھ یہ بھی واضح فرما دیا تھا کہ امت میں جو مقام و مرتبہ ابو بکر کا ہے وہ کسی دوسرے کا نہیں ہے۔ اور ساتھ ہی یہ فرما کر کہ مسجد میں سب دروازے بند کر دیئے جائیں صرف ایک دروازہ ابو بکر کا باقی رہے۔ یہ اشارہ بھی فرما دیا تھا کہ میرے بعد ابو بکر ہی کا وہ تعلق مسجد سے رہے گا جو میرا تھا (ملحوظ رہے کہ عہد نبوت کی مسجد نبوی ہماری مسجدوں کی طرح صرف نماز کی مسجد نہیں تھی بلکہ وہ تمام کار ہائے نبوت کا مرکز تھا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے اس خطاب میں اور بھی چند اہم ہدایات فرمائی تھیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي لَمْ يَقُمْ مِنْهُ "لَعَنَ اللهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ" — قَالَتْ عَائِشَةُ وَلَوْلَا ذَالِكَ لَأُبْرِزَ قَبْرُهُ خُشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِداً — رواه البخاری ومسلم

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بعض صحابہ کرام کے بھی دروازے مسجد شریف میں کھلتے تھے جن سے وہ براہ راست مسجد شریف میں آجاتے تھے۔ آنحضرتؐ نے اس خطاب میں ہدایت فرمائی کہ ابو بکر کے سوا سب کے دروازے بند کر دیئے جائیں، اسی حدیث کی ایک روایت میں "باب" کے بجائے "خوخہ" کا لفظ ہے جس کے معنی کھڑکی کے بھی ہیں اور روشندان کے بھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مرض میں جس سے آپ صحتیاب نہیں ہوئے (یعنی مرض وفات میں) ارشاد فرمایا کہ یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ (حضورؐ کا یہ ارشاد بیان کرنے کے بعد) حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کہ اگر آپؐ نے یہ فرمایا نہ ہوتا تو میں آپؐ کی قبر مبارک کو کھول دیتی، آپؐ کو خطرہ تھا کہ آپؐ کی قبر مبارک کو بھی اسی طرح سجدہ گاہ نہ بنالیا جائے جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بھی اسی خطاب میں فرمائی تھی جو آپؐ نے وفات سے پانچ دن پہلے مسجد میں منبر پر رونق افروز ہو کر فرمایا تھا (جس کا ذکر ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں آچکا ہے) اور بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے مرض کی شدت کی حالت میں جبکہ آپ اپنے بستر ہی پر تھے، یہ فرمایا تھا۔ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ بات آپؐ نے مرض کی شدت کی حالت میں بستر پر بھی فرمائی اور مسجد کے خطاب عام میں بھی کیونکہ آپ کو اس کی غیر معمولی فکر تھی کہ میرے بعد میرے امتی میری قبر کے ساتھ وہ معاملہ نہ کریں جو یہود و نصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کے ساتھ کیا ہے اور اس کی وجہ سے وہ خداوندی لعنت کے مستحق ہو گئے ہیں۔ آپؐ کو یہ تو اطمینان تھا کہ میرے امتی بت پرستی جیسے شرک میں کبھی مبتلا نہ ہوں گے (اس اطمینان کا آپؐ نے اظہار بھی فرمایا) لیکن آپؐ کو یہ خطرہ تھا کہ شیطان ان کو میری محبت اور تعظیم کے حیلہ سے اس شرک میں مبتلا کر دے کہ وہ میری قبر کو سجدہ کرنے لگیں، اس لئے اس بارے میں آپؐ نے بار بار اور مختلف موقعوں پر اور مختلف عنوانوں سے تنبیہ فرمائی، اور خاص کر مرض وفات میں آپ نے اس کا زیادہ اہتمام فرمایا۔ خطاب عام میں بھی فرمایا اور گھر میں بستر علالت پر بھی۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ ادْعِي لِي أَبَا بَكْرٍ أَبَاكِ وَأَخَاكِ حَتّٰى أَكْتُبَ كِتَابًا، فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَتَمَنّٰى مُتَمَنٍّ وَيَقُوْلُ قَائِلٌ أَنَا أَوْلٰى وَيَأْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ إِلَّا أَبَا بَكْرٍ

رواہ مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے

(آخری) مرض میں (ایک دن مجھ سے) فرمایا کہ اپنے والد ابوبکر کو اور اپنے بھائی (عبدالرحمٰن) کو میرے پاس بلالو تاکہ میں ایک نوشتہ (وصیت نامہ کے طور پر) لکھادوں، مجھے خطرہ ہے کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے اور کوئی کہنے والا کہے کہ میں زیادہ مستحق ہوں۔ اور اللہ اور مومنین ابوبکر کے سوا کسی کو قبول نہ کریں گے۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کا حاصل اور مفاد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری مرض میں آپؐ کے قلب مبارک میں کسی دن یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جس کام کے لئے مجھے مبعوث فرمایا ہے اور جو کام مجھ سے لیتا رہا ہے، اپنے بعد اس کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے (جسکا عنوان خلافتِ نبوت ہے) ابوبکر کو نامزد کر دیا جائے اور اس بارے میں وصیت لکھا دی جائے۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اپنے والد ابوبکر اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو میرے پاس بلادو مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی دوسرا تمنا کرنے والا اس کی تمنا کرنے لگے، اور کوئی تیسرا کہنے والا کہنے لگے کہ میں اس کا زیادہ مستحق ہوں اور اس خدمت اور ذمہ داری کو میں بہتر طریقہ سے انجام دے سکتا ہوں اور اس سے اختلاف پیدا ہونے کا خطرہ ہے، اس خطرہ سے امت کی حفاظت کے لئے میں چاہتا ہوں کہ ابوبکر کے بارے میں وصیت نامہ لکھادوں۔ لیکن جس وقت آپؐ نے حضرت صدیقہؓ سے یہ بات فرمائی اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر منکشف کر دیا گیا کہ یہ خدمت ابوبکر سے لیا جانا مقدر ہو چکا ہے، آپ اس طرف سے مطمئن ہو جائیں، اللہ اور مومنین ابوبکر کے سوا کسی کو قبول نہ کریں گے۔ چنانچہ آپؐ نے خود ہی حضرت صدیقہ سے فرمادیا کہ "یَابَی اللّٰہُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَابَکْرٍ" راقم سطور کا خیال ہے کہ یہ بعینہٖ الہام خداوندی کے الفاظ تھے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے دہرادیا۔ اور پھر ابوبکر اور ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن کو بلانے کی ضرورت نہ رہی۔

("خلافت نبوت" کی حقیقت کیا ہے؟ اس بارے میں انشاء اللہ آگے درج ہونے والی ایک حدیث کی تشریح میں عرض کیا جائے گا)

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

یہودیت اور ایرانی انقلاب

[ٹھیک سات سال پہلے ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء کو ایران میں ایران اور عالم اسلام ہی کا نہیں انسانی تاریخ کا ایک ایسا عظیم الشان واقعہ برپا ہوا جس نے پوری دنیا کو حیرت زدہ کر دیا، ڈھائی ہزار سالہ بادشاہت جو ایشیا میں سب سے بڑی قوت ہونے کا دعویٰ رکھتی تھی، جدید ترین ہتھیاروں، لاتعداد تنظیموں ظلم و ستم کے خوفناک ہتھکنڈوں اور بڑی طاقتوں کی خصوصی سرپرستی کے باوجود نہتے عوام کے آہنی عزم سے ٹکرا کر پاش پاش اور زمین بوس ہوئی، شاہ کو چوروں کی طرح ملک سے فرار ہونا پڑا اور جس دن تحریک انقلاب کے قائد آیت اللہ خمینی اپنی جلاوطنی کے آخری مقام پیرس سے ہوا کے دوش پر اڑ کر پوری فاتحانہ شان کے ساتھ تہران میں اترے، اور بیس لاکھ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر اس بوریا نشیں کے استقبال کے لئے امڈ آیا، اور بالآخر پوری قوم نے اسی خرقہ پوش کو اپنا محبوب رہنما و امام تسلیم کر لیا۔

سات سال کی مدت اس واقعہ پر گذر چکی ہے۔ اس دوران ہر روز نت نئے اور چونکا دینے والے واقعات بھی ہوتے رہے ہیں۔ اور اس عظیم الشان واقعہ کے بارے میں مختلف خیالات کا اظہار بھی کیا جاتا رہا ہے ان خیالات کے مابین اگر اتفاق ہے تو صرف اس ابتدائی نقطہ پر کہ واقعہ بہت عظیم ہے لیکن اس نقطۂ آغاز سے بات آگے چلتی ہے تو سب فلسفی کی طرح ڈور کو سلجھاتے ہیں اور سرا ملتا نہیں۔ اس کیفیت کا اصل سبب یہ ہے کہ اپنی جزئیات، وسعت اور شدت کے لحاظ سے اتنا بڑا واقعہ صدیوں سے ان کی نگاہوں کے سامنے نہیں آیا، ان کے دائرۂ شعور اور گرفت ادراک میں جو واقعات بالعموم آتے رہتے ہیں وہ ان کے تجزیہ کا تجربہ رکھتے ہیں۔ لیکن انقلاب ایران جیسے ہمہ گیر واقعہ کا تجربہ ان کے لئے بالکل نیا ہے۔ وہ اس سے

تجربہ کی سان پر چڑھاتے ہیں، بار بار گھستے اور رگڑتے ہیں، لیکن اس کا چہرہ چمکنے اور دمکنے کا نام نہیں لیتا، اسرار اور استعجاب کی موٹی تہیں ابھی تک اس پر سختی سے جمی ہوئی ہیں۔“ لہ

دعوتی وتحریکی ماحول میں پلنے والے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے جسکی خاص دلچسپی اپنے اندر بلند حوصلگی، بلند نظری اور اسلامی حمیت وشجاعت کے اوصاف پیدا کرنے سے ہے، ایران میں ہونے والا یہ واقعہ میری توجہ کا بھی مرکز رہا۔ اس طویل مدت میں شاید ہی کوئی دن ایسا رہا ہو جس میں کہ یہ واقعہ کسی نہ کسی پہلو سے غور وفکر کا موضوع نہ رہا ہو۔ اب جبکہ میں اپنے غور وفکر کا حاصل تمام دنیا کے مسلمانوں اور انصاف پسند انسانوں کے سامنے رکھنے جا رہا ہوں، میں نے ممکن حد تک صبر وانتظار سے کام لے کر ٹھوس دلائل اور ناقابل انکار شہادتوں کی بنیاد پر جو موقف قائم کیا ہے۔ الحمد للہ کہ میرا ضمیر اس بارے میں پوری طرح مطمئن ہے کہ نہ اس میں کسی جانبداری کو دخل ہے اور نہ کسی ذاتی غرض یا جماعتی عصبیت کو، بلکہ صرف اور صرف اللہ، رسول اور امت مسلمہ کے ساتھ وفاداری اور خیر خواہی کا وہ جذبہ اس کے پیچھے کار فرما ہے جو لازمۂ ایمان ہے اور جس کے دوام اور رسوخ کے لئے میں سب کی دعاؤں کا محتاج اور طالب ہوں۔

یہودیت اور اسلام ایران اور یہودیت کے درمیان تعلق کی تاریخ بہت قدیم ہے اور جب تک اس قدیم تعلق کی تصویر واضح نہیں ہوگی حالیہ واقعات کی صحیح نوعیت کو سمجھنا مشکل رہے گا، اس لئے پہلے ہم کوشش کریں گے کہ ایران اور یہودیت کے مابین اس قدیم تعلق پر مختصراً روشنی ڈالیں، اور اس کے لئے ہمیں اسلام کے ساتھ ان دونوں کے سلوک کی تاریخ بھی بیان کرنی پڑے گی اور ان کی مزاجی خصوصیات کی طرف بھی اشارہ کرنا ہوگا۔ آیئے پہلے یہودیت اور اسلام کے درمیان تعلقات کی صحیح نوعیت اور اسکی تاریخ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے اسحاق (علیہ السلام) تھے اور دوسرے اسماعیل (علیہ السلام) اسحاق علیہ السلام کی جو نسل ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام سے چلی اسے بنو اسرائیل کہا گیا، اس کا مستقر فلسطین تھا، اور حضرت اسماعیل کی نسل بنو اسماعیل کہلائی، اس کا مستقر مکہ مکرمہ تھا

لہ توسین کے درمیان کی عبارت ”انقلاب ایران کیا کھویا؟ کیا پایا“ از جناب محمد صلاح الدین صاحب ص۹۲ سے ماخوذ ہے

حضرت یعقوب سے لے کر حضرت عیسیٰ تک ہزار ہا ہزار سال کی مدت میں ہزاروں انبیاء علیہم السلام یکے بعد دیگرے اس اسرائیلی نسل کی رہنمائی اور تربیت کے لئے بھیجے جاتے رہے لیکن ہر نبی کو قوم کی اکثریت کی طرف سے تکذیب اور سازشوں کا ہی سامنا کرنا پڑتا ۔ اور ایک محدود تعداد ہی ہوتی جو روایت پرستی اور گروہی عصبیت کی پست سطح سے بلند ہو کر خدا کے پیغمبروں کی تصدیق کرتی ۔

اس طویل مدت میں اسرائیلی قوم پر عروج و زوال اور مدوجزر کے کئی دور آئے ۔ قرآن مجید کی سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۴ تا ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر یہ فیصلہ فرمایا تھا اور بنی اسرائیل کو اپنے اس فیصلہ سے آگاہ بھی کر دیا تھا کہ وہ اپنی تاریخ میں دو دفعہ زمین میں فساد مچائیں گے ۔ اور بہت سر اٹھائیں گے ۔ اور دونوں مرتبہ انھیں اس فساد اور سرکشی کی سخت سزا اس طور پر دی جائے گی کہ ان پر بے رحم اور ظالم طاقتوں کو مسلط کر دیا جائے گا ۔ جو اُن پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑیں گے ۔ اور انھیں ارض مقدس سے نکال باہر کریں گے ۔ اور ہر چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دیں گے ۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کو دو مرتبہ اپنے دشمنوں کے ہاتھوں سخت شکست کھا کر ارض مقدس سے نکلنا پڑا ، اور شدید ذلتوں اور ہزیمتوں سے دوچار ہونا پڑا ۔ پہلی بار تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے ۵۸۸ سال پہلے جب بابل (عراق) کے بادشاہ بخت نصر (بنوخذ نذر) نے ارض مقدس پر حملہ کیا ، اور اسرائیلیوں کو وہاں سے جلاوطن کر دیا ، یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور تورات کے پرزے پرزے اڑا دیئے ۔

اس غلامی اور بدحالی میں ۴۰۰ ،۵ سال گذر گئے ، اس عرصہ میں نبیوں نے قوم کے اندر دین اور سلامت روی کی طرف واپسی کی محنت کی ، لوگوں کو اپنی غلطیوں کا عام احساس ہوا ، اور دین کی طرف عام رجوع ہوا تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی معافی کا فیصلہ ہوا ۔ اور ارادۂ الٰہی یہ ہوا کہ اب اسرائیلیوں کو ارض مقدس کی تولیت دوبارہ سونپی جائے (یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ مخفی ہی رہتا ہے اور پوری کائنات اس کے قبضۂ قدرت میں ہے ۔ وہ جب کسی بات کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے اسباب اور شکلیں بھی خود ہی بناتا ہے اور اپنی کسی مخلوق کو آلات و جوارح کے طور پر استعمال کر لیتا ہے ۔ انسانی ہاتھوں اور اسباب کی حیثیت خدا کی اس کائنات میں کارگیہ کے اوزاروں سے زیادہ نہیں ہوتی) چنانچہ اللہ نے ایران کے اس وقت کے بادشاہ سائرس سے یہ کام لیا ، تاریخ بتاتی ہے کہ ۵۳۹ ق م میں

شاہ سائرس نے بابل (عراق) کے حکمراں کلدانیوں پر حملہ کر کے شکست دی، اور وہاں قید اسرائیلیوں کو ارض مقدس میں واپسی کی اجازت دے دی، جسکے بعد وہ دوبارہ ارض مقدس میں آباد ہوئے۔ بنو اسرائیل کے حالات میں اسی تبدیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے

ثم رددنا لکم الکرۃ علیھم وامددناکم باموال وبنین وجعلناکم اکثر نفیرا

پھر ہم نے تمہارے دن پھیر دیئے اور مال اور اولاد سے تمہاری مدد کی، اور تمہیں ایک کثیر التعداد جماعت بنا دیا۔

بنو اسرائیل کو دوسری مرتبہ ذلت و بربادی اور ارض مقدس سے جلاوطنی کے حالات سے اس وقت دوچار ہونا پڑا جب ان کی اکثریت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ ان پر طرح طرح کی تہمتیں لگا کر ان کو قتل کر دینے کی سازش کی۔ یہی موڑ ہے جہاں سے بنو اسرائیل کی خاصی بڑی تعداد نے یہود کے نام سے ایک الگ تشخص اختیار کر لیا۔ اور یہیں سے "یہودیت" کا آغاز ہوا۔ اور یہودیوں کے دلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان پر ایمان رکھنے والوں کے خلاف سخت غیظ و غضب کی آگ بھڑکنے لگی پھر جب ان کا بگاڑ اور سرکشی نقطۂ عروج پر پہنچ گئی تب رومی شاہنشاہ طیطاؤس کو ان پر مسلط کر دیا گیا، جس نے بیت المقدس کو جلا کر خاکستر کر دیا، یہودیوں کا قتل عام کیا، اور قرآن کی زبان میں "یہود کے چہرے بگاڑ دیئے، اور مسجد اقصیٰ میں اسی طرح گھس گئے جس طرح پہلی مرتبہ دشمن گھسے تھے۔ اور جس چیز پر قابو چل گیا اسے توڑ پھوڑ ڈالا"۔ اور یہودیوں کو ایک بار پھر بیت المقدس سے نکل کر اطراف عالم میں پناہ لینی پڑی۔ یہ واقعہ یہودیوں کی تاریخ کے اہم ترین واقعات میں سے ہے اسے "EXODUS" (خروج) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عہد نزول قرآن کے یہود کو ان کی تاریخ کے یہ عبرت انگیز واقعات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مدنی دور کے آغاز سے کچھ ہی عرصہ پہلے یاد دلائے تھے جب کہ ہجرت نبوی کے بعد وہ پہلی مرتبہ دعوت محمدی کے مخاطب بننے والے تھے۔ اور گویا اپنی شرمساری کے اظہار اور غلطی کے اعتراف کا انھیں ایک آخری موقع ملنے والا تھا اور ان پر خدا کی رحمت کا دروازہ آخری بار کھلنے والا تھا چنانچہ ان واقعات کو یاد دلانے کے بعد انھیں براہ راست مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے ارشاد بھی فرما دیا تھا عسیٰ ربکم ان یرحمکم وان عدتم عدنا وجعلنا جہنم للکافرین حصیرا

"ممکن ہے تمھارا رب تم پر رحم کرے" اور اگر تم نے پھر ویسا ہی رویہ اختیار کیا تو ہم بھی وہی معاملہ دہرائیں گے اور حق کے منکروں کے لیے ہم نے جہنم کا احاطہ بنا رکھا ہے۔"

علمار قرآن کے نزدیک اس اعلان کا مطلب یہی تھا کہ "بنو اسرائیل کو توبہ و انابت کا آخری موقعہ دیا جاتا ہے اگر انھوں نے حق پسندی کو راہ دی تو خدا ان پر رحم فرمائے گا، ورنہ ہمیشہ کے لیے وہ اس سب سے محروم کر دیئے جائیں گے"[۱]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے وہاں آباد یہودیوں کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیام رحمت اپنے معروف ناصحانہ انداز میں پہنچانا شروع کیا، آپ نے ہر ممکن کوشش اس کی کی کہ یہ لوگ آپ کی داعیانہ و ناصحانہ شخصیت قریب سے دیکھ کر صحیح طور پر سمجھ لیں اور انھیں تورات وانجیل اور دیگر اسفار یہود میں موجود علامتوں اور پیشین گوئیوں کی روشنی میں آپ کو پہچاننے میں دقت نہ ہو، اس مقصد کے لئے آپ نے جو عظیم اور انتھک جد وجہد کی، اور جس صبر وضبط کے ساتھ آپ نے یہود کو ابراہیمی رشتے سے مخاطب کر کے اور ملت ابراہیمی کا حوالہ دیکر اللہ کی کتاب قرآن مجید اور اپنی نبوت ورسالت پر ایمان کی دعوت دی وہ بلا شبہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ آپ کی سیرت کے اس حصہ کی تفصیلات ضخیم کتاب چاہتی ہیں۔ اس مضمون میں ہم صرف قارئین کی توجہ قرآن مجید کی ان آیات کی طرف مبذول کرا سکتے ہیں، جن میں ابتدائی مدنی عہد میں بنو اسرائیل کو مخاطب کر کے صاف صاف پیغام رحمت سنایا گیا ہے۔ خاص طور پر ہمارا اشارہ سورہ بقرہ کی آیت ۴۰ تا ۴۶ اور آیت ۴۷ تا ۱۰۱ کے قرآنی قطعوں کی طرف ہے، ان آیات پر تھوڑا سا غور کرنے سے وہ مثبت اور ناصحانہ انداز پوری طرح سامنے آتا ہے جس کا التزام ان بنی اسرائیل تک اللہ کا پیغام پہنچانے میں پوری احتیاط کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔

اس سلسلہ میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خط کا مضمون بھی نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو آپ نے خیبر کے یہودیوں کو بھیجا تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" یہ خط اللہ کے رسول محمد کی طرف سے ہے جو حضرت موسیٰ کے دوست

---

[۱] علامہ سید سلیمان ندوی، سیرت النبی ج ۵ ص ۵۵

اور بھائی ہیں، اور شریعت موسوی کی تصدیق کرتے ہیں۔

اے اہل کتاب! اللہ کا ارشاد ہے اور اسے تم اپنی کتاب میں پڑھ سکتے ہو کہ "محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں مضبوط ہیں اور آپس میں مہربان ہیں تم انھیں دیکھو گے کہ کبھی رکوع میں ہیں اور کبھی سجدہ میں، وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے رہتے ہیں۔ ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ ان کے چہروں سے نمایاں ہیں۔ ان کے یہ اوصاف توریت میں ہیں انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنی سوئی نکالی، پھر اس نے اس کو مضبوطی بخشی، پھر وہ اور موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی، کہ کسانوں کو بھی بھلی معلوم ہونے لگی تاکہ ان سے کافر جلیں بھنیں، اللہ تعالیٰ نے مؤمنین سے اور نیکوکاروں سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے"۔ تمھیں اللہ کی قسم اور جو کچھ اس نے تم پر نازل کیا ہے اس کی قسم، من وسلویٰ کی قسم جو اللہ تعالیٰ نے تمھارے آباء واجداد کو بطور غذا عطا کیا تھا اور اس کی قسم جس نے تمھارے بزرگوں کو فرعون اور اس کے مظالم سے بچانے کی خاطر سمندر کو خشک کر دیا تھا سچ سچ بتانا کیا تمھاری کتاب یہ بات نہیں بتاتی کہ تمھیں محمد پر ایمان لانا ہے؟ اگر یہ بات تمھیں اپنی کتاب میں نہ ملے تو پھر دین میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔ بہرحال میں تمھیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلاتا ہوں[1]۔

لیکن تاریخ کا یہ بہت المناک اور نتائج کے اعتبار سے بہت نامبارک واقعہ ہے کہ یہودیوں نے خدا کے اس آخری پیام رحمت کو اپنے روایتی غرور اور نسلی گھمنڈ کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ درخور اعتنا نہیں سمجھا بلکہ پہلے ہی دن سے اپنی تمام صلاحیتوں اور توانائیوں کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی دعوت کے خلاف سازشوں اور تخریبی کوششوں کے لئے وقف کر دینے کا تہیہ کر لیا۔

ہم نے "پہلے ہی دن سے" کا لفظ اپنے حقیقی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ کیونکہ جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں قبا کے راستے داخل ہوئے تھے، اور ابھی قبا ہی میں مقیم تھے اس کے دوسرے ہی دن یثرب کے یہودیوں کے دو بڑے لیڈر حیی بن اخطب اور ابو یاسر بن

---

[1] ابن ہشام ص ۳۷۶ - ۳۷۷

اخطب آپ سے وہیں آکر ملے تھے حیی بن اخطب کی بیٹی صفیہ (جو بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اور ام المومنین بنیں) اپنے باپ اور چچا کی آپ کے ساتھ اس ملاقات کا حال بیان کرتی ہوئی کہتی ہیں :۔

جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور قبا میں بنو عمرو بن عوف کے یہاں اترے اسی دن میرے والد حیی بن اخطب اور میرے چچا ابو یاسر بن اخطب آپ کے پاس صبح اندھیرے کے وقت گئے تھے اور (دن بھر آپ کے ساتھ گذارنے اور) شام کا اندھیرا ہونے کے بعد جب واپس آئے تھے تو بہت ہی خستہ حال اور تھکے ہارے نظر آرہے تھے، میں نے اس وقت اپنے چچا ابو یاسر کو اپنے والد حیی بن اخطب سے یہ کہتے ہوئے سنا تھا۔

"کیا یہی ہے "وہ" ؟

بالکل ! میرے والد نے جواب دیا،

"آپ کو اس کا پورا یقین ہے کہ یہی وہ (نبی) ہے" ؟ میرے چچا نے پوچھا،

ہاں ہاں ! مجھے اس کا پورا یقین ہے" میرے والد نے کہا۔

پھر اب اس کے بارے میں پالیسی کیا رہے گی" ؟ میرے چچا نے پوچھا،

"مخالفت" ! جب تک زندہ ہوں اس کا دشمن ہی رہوں گا ! میرے والد نے جواب دیا[1]۔

تاریخ کی ناقابل انکار شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کو آپ کے نبی برحق ہونے میں ذرہ برابر شک نہیں تھا، لیکن اپنی بابت خدا کی پسندیدہ نسل ہونے، اور تمام بنی نوع انسان میں سب سے اعلیٰ و افضل ہونے اور تمام غیر اسرائیلیوں کے حقیر اور "امی" ہونے کا جو وہم ان کے دل و دماغ کی گہرائیوں میں پیوست ہو چکا تھا، اس نے اس کھلی ہوئی حقیقت کو قبول کرنا تو درکنار انھیں اس سمت میں سوچنے کی بھی اجازت نہیں دی، بلکہ انھوں نے ہر وہ تدبیر اختیار کی جس سے اسلام کے اس پیام رحمت کی سخت سے سخت مزاحمت ہو سکے۔ ہم ذیل میں ان کی چند تدبیروں کا ذکر کرتے ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو مکائد یہودیہ از عبدالرحمٰن حسن حنبکہ ص ۴۴ ط: دار القلم بیروت ۱۹۷۷ء

۱۔ یہودیوں کے لئے یہ بات بڑی تشویش کا باعث تھی کہ مدینہ کے دونوں عربی قبیلے اوس اور خزرج تیزی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہہ رہے تھے اور آپس میں متحد ہو کر ایک مضبوط طاقت ہوتے جا رہے تھے۔ انہی دونوں قبیلوں کی محکومیت اور باہمی لڑائی اور چپقلش پر یہودیوں کے اقتدار کا انحصار تھا، چنانچہ ان کے شاعروں نے اسلام کے حلقہ بگوش عربوں پر طعن و تشنیع کے تیر چلانے شروع کر دیئے۔ کہ انھوں نے ایک باہر کے شخص کی قیادت کو تسلیم کر کے اپنی عزت خاک میں ملادی، سیرت و تاریخ کی کتابوں میں اس سلسلہ کی بہت سی ہجائی نظمیں موجود ہیں۔

ابو عفک کی ایک نظم کے چند اشعار کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

میں نے ایک زمانہ دیکھا ہے.... مگر بنو قیلہ (اوس و خزرج) سے بڑھ کر
عہد و پیمان کا لحاظ رکھنے والے نہیں دیکھے،
یہ پہاڑوں کو ہلا دیتے ہیں اور خود ٹس سے مس نہیں ہوتے
لیکن ایک "سوار" نے آکر انھیں توڑ دیا،

ارے اگر، تمہیں طاقت ہی کو سجدہ کرنا تھا تو پھر شاہان تبع کے آگے کیوں نہیں جھک گئے تھے؟

ایک خاتون شاعرہ عصماء بنت مروان نے کھلے لفظوں میں انصار کو گالیاں دیں، اور اپنی نظم میں انھیں "اے بنو مالک کے بھڑوو! اے عوف اور خزرج کے ہجڑو"..... جیسے ناشائستہ الفاظ سے مخاطب کیا، مشہور یہودی لیڈر کعب بن اشرف نے ازواج مطہرات اور عام مسلم خواتین کو نشانہ بنایا اور نہایت گندے اشعار ان کے بارے میں کہے۔

۲۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے اوس اور خزرج کی باہم بڑی چپقلش رہا کرتی تھی، ایک طویل جنگ بھی ان دونوں قبیلوں کے درمیان ہو چکی تھی، یہودیوں نے بار بار اس کی کوشش کی کہ ان دونوں کے درمیان پھوٹ پڑے اور نفرت و دشمنی کے وہ جذبات جن کو ایمان کے رشتے نے کافور کر دیا تھا از سر نو بیدار ہوں۔

۳۔ یہودیوں نے ایک حربہ یہ بھی اختیار کیا کہ ان کے آدمی سوچے سمجھے منصوبہ کے مطابق اسلام میں داخل ہوتے اور پھر یہ کہتے ہوئے واپس آجاتے کہ اندر سے اسلام کو دیکھ کر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ صحیح راستہ نہیں اور محمد خدا کے وہ رسول نہیں ہیں جن کا ہمیں انتظار ہے

۴ - معاہدہ شکنی، اقتصادی بندشوں، اور پروپیگنڈے کی زبردست مہم چلا کر مسلمانوں کی ہمت کو پست اور توجہ منقسم کرنے کی کوششوں کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا گیا۔

۵ - کفار مکہ اور دیگر اسلام دشمن عرب قبائل کے ساتھ اسلام کے خلاف متحدہ کوشش کی منصوبہ بندی اور اس سلسلہ میں خفیہ سمجھوتے بھی یہودیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کا ایک حصہ تھے جن کا نقطۂ عروج جنگ احزاب کے موقع پر سامنے آیا، اس جنگ کے بارے میں یہ بات تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ اس کے پیچھے خالصتہً یہودی سازش ہی کا ہاتھ تھا، اور انہی کی خفیہ سفارتی سرگرمیوں کے نتیجہ میں یہ نقشہ دیکھنے میں آیا تھا کہ عربوں کے مختلف قبائل، بنو غطفان، بنو فزارہ، بنو سلیم، اشجع، بنو مرہ اور بنو اسد کے دستے اور قریش کی فوج ایک اتحادی فوج بن کر ابو سفیان کی کمان میں مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئی تھی، ابن سعد کے بیان کے مطابق یہ فوج دس ہزار افراد پر مشتمل تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مدنی دور میں یہودیوں نے آپؐ کی شخصیت اور آپ کے گھر والوں اور ساتھیوں کے خلاف جتنی سخت سازشیں کیں اور آپ کے رحمت بھرے پیام کا جواب جس قدر وحشتناک اور ظالمانہ طریقہ پر دیا ان تمام واقعات کے بے کم و کاست بیان اور اس منظر کی صحیح تصویر کشی کے لئے ہزاروں صفحات کی ضرورت ہے۔ سر دست تو اس طرف اشارہ ہی کیا جا سکتا ہے۔

مشہور امریکی نو مسلمہ مریم جمیلہ جو خود یہودی النسل ہیں لکھتی ہیں:

"واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ مدینہ کے یہودیوں میں ایک نبی کی آمد کا چرچا پہلے سے ہوا کرتا تھا، اور ان کے کچھ بڑے احبار نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت کی صداقت کو پرکھ بھی لیا تھا، لیکن بار بار کے تعاون کے معاہدوں کے باوجود، جو اولین موقع پر توڑ دیئے جاتے تھے، وہ اسلام کے بدترین دشمن ثابت ہوئے۔ حتیٰ کہ متعدد نسلی اور مذہبی قرابتوں کے باوصف عرب کے یہودی شاعروں نے مسلمان پاکیزہ عورتوں کی عفت پر بہتان تراشی کے حملے شروع کر دیئے، اور مشرکین کے شرک کو اسلام سے بہتر کہنے لگے۔ جس عورت نے نبی کریم کے کھانے میں زہر شامل کیا تھا وہ بھی خیبر کے ایک یہودی سپاہی کی بیوی ہی تھی، اسی زہر کے اثر سے آپ اس مرض میں مبتلا ہوئے تھے جو بالآخر آپؐ کی وفات کا

سبب بنا "۔ لہ

ایک عام انسان کے لئے جس قدر حیرت انگیز اور تکلیف دہ یہ ظالمانہ یہودی طرزِ عمل ہے اس سے زیادہ حیرت انگیز اور سبق آموز اس کے مقابلہ میں صبر و برداشت اور نرمی و درگذر کا وہ بے مثال رویہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے غیرتمند، بہادر اور پرجوش ساتھی اپنی داعیانہ حیثیت کو ہمہ وقت ملحوظ رکھنے اور اپنے جذبات کو اللہ کی منشا پر قربان کرتے رہنے کی اس عادت کی وجہ سے مستقل طور پر اختیار کئے رہے، جو اُن کے اندر قرآنی و نبوی تربیت کے فیضان سے راسخ ہوگئی تھی، جب بھی یہودیوں کی طرف سے کوئی نئی حرکت ہوتی، اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعہ اپنی منشا کو یاد دلا دیتا اور ابلتے ہوئے جذبات پر ایک دم قابو پا لیا جاتا،

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہودی لیڈروں حی بن اخطب، ابو یاسر بن اخطب اور کعب بن اشرف کی قیادت میں مسلمانوں کو اسلام سے بدظن اور برگشتہ کر کے کفر و ارتداد کی طرف کھینچنے کی زبردست مہم شروع کی گئی تب قرآن نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا:۔

"وَدَّ کَثِیرٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَکُمْ مِّنْ بَعْدِ اِیْمَانِکُمْ کُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِھِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ	بہت سے اہل کتاب کا یہ حال ہے کہ باوجود اس کے کہ حق ان پر بالکل واضح ہو چکا ہے صرف اپنے نفسانی جذبۂ حسد کی وجہ سے ان کی یہ کوشش ہے کہ وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد پھر سے کفر کی طرف واپس لے جائیں، پس تم اس وقت تک ان کے ساتھ عفو و درگذر ہی کا معاملہ کرو جب تک کہ اللہ کا کوئی اور حکم نہ آئے، بیشک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

اسی طرح کے ایک اور موقع پر جب کہ مسلمانوں کو سخت جانی و مالی نقصانات پہونچانے کی

---

(۱) MARYAM JAMILAH. ISLAM VERSUS AHL-AL-KITAB
LUCKNOW 1983, P.P16.

یہودی سازشیں زوروں پر تھیں اور نہایت تکلیف دہ اور اشتعال انگیز پروپگنڈہ ان کی طرف سے کیا جا رہا تھا، مسلمانوں ہی کو مخاطب کر کے قرآن میں کہا گیا تھا:

لتبلون فی اموالکم وانفسکم ولتسمعن من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا وان تصبروا فان ذلک من عزم الامور۔	ضرور بالضرور تمھارا امتحان لیا جائے گا تمھارے مالوں میں اور تمھاری جانوں میں، اور تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی ان کی طرف سے اور مشرکین کی طرف سے تم بہت سی ایذا کی باتیں سنو گے، اگر صبر کیے رہو گے اور پرہیزگاری پر قائم رہو گے تو یہ ہمت کے کام ہیں۔

ان قرآنی ہدایات کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے سو فیصد منفی طرز عمل کے جواب میں اپنے طرز عمل کو سو فیصد مثبت ہی رکھا، اور صرف عفو و درگذر اور صبر و برداشت ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہر چھوٹے بڑے عمل سے اس کا ثبوت دیا کہ وہ ان کے ساتھ توقیر و مدارات کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں اور جس دین اور طرز زندگی کو وہ قائم کرنا چاہتے ہیں وہ وہی ہے جو سلسلۂ اسرائیلی کے سب انبیاء کا دین تھا۔ چنانچہ ثابت ہے کہ آپ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورہ کے دن کا روزہ اس دن کی یاد قائم کرنے کے لئے رکھتے تھے جس دن کہ حضرت موسیٰ اور بنو اسرائیل کو فرعون سے نجات ملی تھی، تو آپ نے مسلمانوں کو بھی اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم یہ کہہ کر دیا کہ موسیٰ سے ہمارا تعلق تم سے (یعنی بنی اسرائیل) سے کم نہیں ہے[1]

آپ کے اس رویہ کی ایک بہت واضح دلیل آپ کا یہ مستقل طرز عمل بھی ہے جسکے بارے میں عبداللہ بن عباسؓ کے الفاظ یہ ہیں: "وکان النبی یحب موافقة أهل الکتاب فیما لم یؤمر فیه بشیٔ"، جن چیزوں کے بارے میں کوئی خاص حکم الٰہی نہ ہوتا، آنحضرت ان چیزوں میں اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس ہی کے مطابق آپ نے بالوں کو یونہی چھوڑ دینے اور مانگ نہ نکالنے کا جو معمول اپنایا تھا اس کی بھی وجہ یہی تھی کہ "اہل کتاب کا معمول یہی تھا"[2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب اتیان الیہود النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین قدم المدینۃ،

[2] ایضاً

لیکن روزمرہ کا تجربہ شاہد ہے کہ بعض لوگ اتنے کم ظرف اور بے حس ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ جس قدر شرافت مُروت اور احسان کا معاملہ کیا جائے، وہ اسی قدر کمینہ پن، احسان فراموشی اور کم ظرفی کا ثبوت دیتے ہیں۔ بنواسرائیل کی پوری قومی تاریخ کا یہی خلاصہ ہے۔ انھوں نے ہمیشہ نیکی کا جواب بدی سے دیا ہے، ہمیشہ محبت کے بدلے میں نفرت دی ہے، ہر ایک کو شک کی نگاہ سے دیکھا ہے ہر ایک کو دشمن سمجھا ہے اس نفسیاتی بیماری اور کم ظرفی نے انھیں عجیب قسم کی بزدلی، چڑچڑے پن، شکی مزاج اور ڈر میں مبتلا کر رکھا ہے۔ جب بھی کوئی ان کی طرف ہمدردی و محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، وہ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ شخص بنو اسرائیل کا دشمن ہے اور یہ ان کی موروثی عظمت کو چھین لینا چاہتا ہے۔

ہم یہودیوں کی نفسیاتی خصوصیات کے بیان کے لیے ایک بار پھر مریم جمیلہ کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں، اور اس انتخاب کی وجہ، جیسا کہ ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں یہی ہے کہ وہ یہودی النسل ہونے کے ناطے گھر کے بھید سے زیادہ واقف ہیں۔ انھوں نے یہودیوں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ:

"تمام برعکس شہادتوں کے باوجود اپنے کو خدا کی منتخب نسل کہنے پر اصرار کرتے ہیں، اپنے کو پیدائشی طور پر دنیا کے تمام انسانوں سے اعلیٰ و افضل قرار دیتے ہیں۔

وہ اپنے سوا کسی کے ساتھ وفادارانہ تعلق نہیں رکھتے وہ آپس میں مثالی اخلاقیات کا مظاہرہ کر سکتے ہیں لیکن "حقیر اور ان پڑھ غیر یہودیوں" کے ساتھ ایسے کسی برتاؤ کو ضروری نہیں سمجھتے بلکہ شراب اور سودی کاروبار وغیرہ پر قبضہ کے ذریعہ وہ دوسروں کے کردار کو خراب کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اور اگرچہ وہ گرمجوشی کے ساتھ اس یقین پر قائم ہیں کہ یہودیت ہی صحیح مذہب ہے۔ لیکن وہ سختی کے ساتھ باہر سے آنے والوں کو (یعنی غیر یہودیوں کو یہودیت کے اندر آنے سے) روکتے ہیں۔ یہودی عالم کے بنیادی فرائض میں سے ایک یہ ہے کہ وہ یہودیت قبول کرنے کے ہر امکان کی حوصلہ شکنی کرے۔"[1]

---

(1) MARYAM JAMEELAH, ISLAM VERSUS AHL-AL-KITAB P.P. 194

جو معاملہ مدینہ کے یہودیوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا اسے اس یہودی مزاج کے چوکھٹے میں رکھ کر دیکھا جائے تو وہ بالکل فٹ نظر آتا ہے، اس پر افسوس چاہے جتنا بھی کیا جائے تعجب نہیں کیا جا سکتا۔

ہم نے اس مقالہ کے آغاز میں اس خدائی اعلان کا تذکرہ کیا تھا جس کے بموجب مدنی دور سے متصلاً پہلے ہی بنی اسرائیل سے صاف صاف کہدیا گیا تھا کہ اگر تم نے محمد کے ذریعہ بھیجے ہوئے پیام حق کو قبول نہ کیا اور تخریب توڑ پھوڑ اور برتری کا نشہ تم پر حسب سابق سوار رہا تو ہم بھی تمھارے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جو اس سے پہلے ایسی حالت میں کرتے آئے ہیں (وان عدتم عدنا)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جھٹلانے اور ان کے خلاف سازشوں کی سزا ان کو بیت المقدس سے نکال کر دی گئی تھی، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے اور ان کے خلاف سازشوں کی سزا انھیں مدینہ منورہ، اور پھر خیبر، فدک اور تیما سے نکال کر دی گئی اور اسی دن سے ہر یہودی کے دل میں مسلمانوں اور عربوں سے نفرت اور انتقام کی آگ بھڑکنے لگی اور پوری یہودی قوم فلسطین کیساتھ حرمین شریفین اور خیبر وغیرہ پر بھی قبضہ کی تمنا کی آگ میں جھلسنے لگی۔ اس تمنا کی تکمیل کے لئے اور اپنی بھڑاس نکالنے کے لئے یہودیوں نے اس کے بعد جو کچھ کیا اس کا ذکر انشاء اللہ آگے آئے گا۔

امید ہے کہ سطور بالا سے یہودیت اور اسلام کے مابین تعلق کی نوعیت اور ابتدائی تاریخ کسی حد تک واضح ہو گئی ہوگی۔ یہ تاریخ کی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اسلام دشمنی کے اعتبار سے یہودیت کا نمبر ایک ہے۔ اور جس دن قرآن نے یہ اعلان کیا تھا کہ یہودی "اشد الناس عداوۃً للذین آمنوا" (اہل ایمان کی دشمنی میں تمام انسانوں سے زیادہ سخت) ثابت ہوں گے۔ اس دن سے آج تک ہر روز اس اعلان کی صداقت کے ٹھوس ثبوت فراہم ہوتے رہے ہیں۔ کاش کہ امت ایمانی استعداد کے ساتھ قرآن مجید پر غور کرتی !!!

——— (جاری)

مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی

دوسری قسط

حضرت گنگوہیؒ کے ایک گمنام شاگرد

اور خلیفۂ مجاز

حضرت مولانا

صدیق احمد کاندھلویؒ

سلوک و تربیت اور اجازت و خلافت

تعلیم کے بعد حضرت نے مولانا کا گنگوہ میں اپنے خاندان میں نکاح کرا دیا تھا۔ مولانا اہلیہ کو لے کر وطن واپس آ گئے۔ اس خاتون سے دو بچے تولد ہوئے دونوں کمسن تھے کہ کاندھلہ میں طاعون کی وبا پھیلی جس میں دونوں بچے اور ان کی والدہ فوت ہو گئیں، اس حادثہ کے بعد مولانا نے دوبارہ گنگوہ کا قصد کیا، یہ سفر طویل قیام کے ارادہ سے اصلاح و تربیت کے لئے ہوا تھا، گنگوہ پہنچکر عالی ہمتی اور یکسوئی کے ساتھ ریاضت و مجاہدہ اور سیر سلوک میں مشغول ہو گئے، اس زمانہ میں واردات و کیفیات کا نزول ہوا اور عجیب واقعات پیش آئے، ایک مرتبہ مغرب کی نماز میں مولانا پر ہنسی غالب آئی اور طویل قہقہہ ہوا[1] حکیم مولانا مسعود احمد گنگوہی نے حضرت کو اس کی اطلاع دی تو حضرت نے فرمایا:-

---

[1] اہل ارشاد و معرفت پر ہنسی کے اس طرح کے بے ساختہ ورود کو نسبت چشتیہ کے غلبہ کی علامت اور خاص اثر سے تعبیر کیا گیا ہے یہ کیفیت مختلف اوقات میں متعدد بزرگوں پر وارد ہوئی ہے، مشہور ترین واقعہ حضرت شاہ عبدالرحیم پیر و مرشد حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی کا اس وقت کا ہے جب حضرت شاہ صاحب کی حضرت سید احمد شہید سے سہارنپور میں ملاقات ہوئی تھی اس واقعہ کو نقل کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے مولف انوار العارفین سے ارشاد فرمایا: باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

"مسعود احمد تیرے باپ کو پچاس سال روتے ہوئے گذر گئے ہیں۔ صدیق احمد کا ہنسی کا وہ مقام ہے جس کی مجھے بہت تمنا ہے لیکن آج تک مجھے حاصل نہ ہو سکا" [1]

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد مولانا نے حضرت سے وطن جانے کیلئے ایک دو روز کی اجازت چاہی تو حضرت نے فرمایا:-

"مولوی صدیق احمد کیا چاہتے ہو؟ مولانا نے عرض کی حضرت! دنیا کی خواہش نہیں دین کا طلبگار ہوں اور اسی کیلئے حضرت کا دامن پکڑا ہے" [2]

حضرت اس جواب سے بے حد خوش ہوئے اور اس واقعہ کے چند دن بعد مولانا کو طلب فرما کر اجازت وخلافت سے نوازا اور وطن جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

مشاغل زندگی

وطن واپسی کے بعد درس قرآن اور وعظ و اصلاح کا سلسلہ شروع کیا، اور حکیم رحیم اللہ کے مطب میں بیٹھے، آبائی ذخیرے سے استفادہ کیا۔ خاندانی مجربات اخذ کئے اور دادا صاحب کی وفات تک کاندھلہ میں مقیم رہے دادا صاحب کی وفات کے بعد حضرت کی ایما پر قصبہ بڑوت (ضلع میرٹھ) میں اقامت

پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ —

چوں ہر دو ذات بابرکات بعد فراغ مراقبہ باہم می نشستند اثر ہمت قویہ ایشاں بر جناب سید احمد خندہ ہائے قہقہہ کہ خاص اثر نسبت چشتیہ است ظاہر می شد، و اثر توجہ جناب سید بر ایشاں غلبہ سُکر او می دارد"

انوار العارفین تالیف مولانا حافظ محمد حسین مرادآبادی صفحہ ۵۲۰ (نولکشور لکھنؤ: ۱۸۷۶ء)

ترجمہ:- جب دونوں بزرگان والاشان مراقبہ کے بعد باہمی ملاقات کے لئے تشریف فرما ہوئے تو اس وقت شاہ عبدالرحیم کی طاقتور نسبت کے اثر سے حضرت سید صاحب پر ہنسی اور قہقہہ کا غلبہ تھا جو خاص چشتی نسبت کی علامت ہے، اور سید صاحب کی توجہ کا شاہ صاحب پر مدہوشی و وارفتگی کی صورت میں اثر ظاہر ہوتا تھا۔

فرما ہوئے

یہ واقعہ امیر شاہ خاں نے بھی نقل کیا ہے ارواح ثلثہ صفحہ ۱۶۲ (سہارنپور بلا سنہ) مگر اس کی ترتیب مذکورہ بالا روایت سے مختلف ہے

[1] و [2] یادداشت مولوی حکیم محمد عمر، خفیف لفظی تغیر کے ساتھ۔

اختیار کی، بڑوت میں حضرت کے متوسلین کی قابل ذکر تعداد تھی[1] متعدد افراد کو شرف بیعت حاصل تھا اور بعض کو ذکر و شغل کی اجازت بھی تھی، بڑوت میں اس اجتماع کی پیشوائی اور رہنمائی حاجی میتا کرتے تھے جو اپنی دینداری، اتباع سنت اور حضرت سے ارادت و اخلاص میں ممتاز تھے غالباً ان کی درخواست پر مولانا کو بڑوت میں قیام کی ہدایت فرمائی، اور وہاں حضرت کے سب متوسلین مولانا سے رجوع ہو گئے، مولانا کا بڑوت میں قیام قصبہ اور نواح کے مسلمانوں کے لئے گوناگوں دینی منافع و ثمرات کا اور ان کی اصلاح و تربیت کا ذریعہ بنا، عوام میں فرائض و عبادات کی اہمیت کا احساس بیدار ہوا ان کی ادائیگی کی فکر ہوئی اور بقدر ضرورت مذہبی معلومات و مسائل جاننے اور یاد کرنے کا شوق ہوا۔ اور اسی کی وجہ سے بچوں کو دینی تعلیم دلانے کی جانب بھی خاصی توجہ ہوئی۔

مولانا نے اپنے اوقات کی اس طرح ترتیب و تشکیل فرمائی تھی کہ اصلاح و تربیت، ذکر و شغل وعظ و ارشاد درس و افتاء، اور طب و معالجات کے مشاغل ساتھ ساتھ چلتے رہیں، نظام الاوقات تقریباً اس طرح رہتا تھا کہ علی الصباح درس قرآن ہوتا، پھر مطب کی نشست ہوتی، درس کی محفل جمتی اور دوپہر تک اسی میں مصروف رہتے، ظہر کے بعد فتاویٰ کے جوابات پر توجہ فرماتے اور حاضرین کے سوالات و مسائل حل کرتے عشاء کے بعد ذکر و شغل کا حلقہ ہوتا تھا جس میں اوسطاً بیس پچیس آدمی روزانہ شریک رہتے تھے کبھی کبھی یہ تعداد تیس پینتیس تک بھی پہنچ جاتی تھی۔

مولانا صدیق احمد کا اس وقت کے معروف اہل ارشاد و تربیت میں شمار تھا، حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے سلوک و معرفت کے شائقین کو جن معاصر بزرگوں سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا ہے ان میں چھٹا نام "حضرت مولانا محمد صدیق صاحب کا ندھلہ ضلع مظفر نگر"[2] کا ہے

مولانا کے حلقہ ارشاد و تربیت میں قرب و جوار کے اضلاع میرٹھ مظفر نگر وغیرہ کے علاوہ صوبہ سرحد گجرات اور پنجاب کے مختلف علاقوں کے طلبہ اور شائقین سلوک و معرفت حاضر رہتے تھے اور حسب توفیق و

---

[1] بڑوت کے متوسلین میں ایک شخص حاجی مولا بخش تھے، جو ہر ہفتہ گنگوہ حاضر ہوتے، اور مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی سے فرط تعلق کی وجہ سے ان کے صاحبزادے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے لئے جو اس وقت خورد سال تھے ہر مرتبہ جوتوں کا ایک جوڑا ہدیہ کر کے آتے تھے۔ ملاحظہ ہو: آپ بیتی حضرت شیخ الحدیث ص۲ ج ۴ (سہارنپور طباعت)

[2] تنبیہات وصیت۔ حضرت تھانوی ص۱۴ طبع اول (ساڈھورہ: ۱۳۳۰ھ)

وصلاحیت استفادہ وکسب کمال کرتے رہے ۔

مولانا نے قصبہ کی آبادی سے الگ ایک چھوٹی سی خس پوش مسجد کو جو پھونس والی مسجد کے نام سے مشہور تھی اپنے قیام اور اصلاح وتذکیر کے لئے پسند کیا، اس مسجد میں مولانا کا ورود ونزول مسجد کے لئے روحانی ترقیات وبرکات اور تجدید وتوسیع کا پیام تھا۔ واردین وصادرین کی کثرت، طلبہ اور اہل سلوک کے ہمہ وقت مشاغل کے لئے مسجد ناکافی ثابت ہوئی تو مولانا نے اس کی نئی کشادہ تعمیر کا ارادہ کیا، اور اس کو ذاتی رقم سے سرانجام دینے کا قصد کیا، اس منصوبہ میں مولانا کی اہلیہ محترمہ نے تعاون وایثار کی ایک مثال قائم کی اور مولانا کے ترغیب اور توجہ دلانے پر اپنا تمام زیور مسجد کے مصارف کے لئے دیدیا۔ مگر یہ گرانقدر عطیہ بھی اس وسیع منصوبہ کے لئے کافی نہیں تھا۔ اس ضرورت کو مولانا نے اپنی ذات خاص سے پورا کیا اور چند مخلصین ومحبین کے عطیات کے علاوہ جو ان کے اصرار وتعلق کی وجہ سے قبول فرمائے گئے۔ اکثر رقم مولانا کی مطب کی آمدنی سے صرف ہوئی۔ یہ مسجد ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء میں مکمل ہوئی، مولانا محمد حسین فقیر دہلوی نے تاریخ کہی :-

عون حق سے حسب ارشاد رشید احمد یہاں　　مسجد جامع یہاں ذیشان والا بن گئی

ہوگئی تاریخ ہجری اس کی موزوں اے فقیر　　رونق اسلام مسجد خوب زیبا بن گئی
۱۳۱۵ھ

مولانا فقیر کی کہی ہوئی ایک اور تاریخ درج ذیل ہے

بناکر پختہ وسنگین مسجد پھونس والی کو　　نیا نقشہ جمایا مولوی صدیق احمد نے

دل شیطان نکل کر گر پڑا تاریخ سے اسکی　　خدا کا گھر بنایا مولوی صدیق احمد نے
۱۳۱۵ھ

بڑوت میں پچیس تیس سال ارشاد واصلاح کی سوغات تقسیم فرماکر وطن واپس ہوئے اور آخری دس بارہ سال کاندھلہ میں رہے، یہاں بھی تعلیم وتربیت اور سلوک ومعرفت کے مشاغل نظام الاوقات میں معمولی سی تبدیلی کے ساتھ جاری رہے، نماز فجر سے پہلے ذکر کا حلقہ ہوتا، فجر کے بعد تفسیر قرآن بیان کرتے اس کے بعد مطب میں بیٹھنے اور درس دینے کا معمول تھا، مولوی شبیر احمد حضرت مولانا کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"ہمارا گھر علی الصباح ایک خانقاہ ہوتا تھا جہاں اہل طریق اصلاح وتذکیر کے لئے آتے تھے، ذرا سورج چڑھا تو گھر مدرسہ بن جاتا تھا، طالبان علم دین جمع ہوجاتے تھے، بخاری شریف کا درس ہوتا تھا، پھر جب سورج اور بلند ہوتا تو بدنی امراض کے مریضوں سے ہمارے

گھر کا کوچہ سر بند بھر جاتا تھا، اب مطب کی کاروائی شروع ہو جاتی تھی سارا گھر مطب بن جاتا تھا۔[۱]"

مزاجی خصوصیات

اوپر گزر گیا ہے کہ مولانا نے طب میں بڑا کمال پایا تھا، آبائی قلمی ذخیرے خاندانی مجربات اور دادا صاحب کے تجربات سے خوب خوب فیض اٹھایا، اور اپنی خداداد ذہانت وصلاحیت سے اس کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا، مولانا کے معالجات اور دست شفا کی خاص شہرت تھی ضلع مظفر نگر میرٹھ کے علاوہ مختلف دور دراز علاقوں سے مریض آتے اور فائدہ اٹھاتے، اہل تعلق کے اصرار پر مولانا بھی اطراف وبلاد کے سفر کرتے اور مریضوں کو دیکھتے اور علاج کرتے تھے، متعدد ریاستوں لاہور، سیالکوٹ اور پنجاب کے مختلف مقامات پر بڑے معرکۃ الآرار علاج کئے اور عزت ونا موری کے ساتھ واپس لوٹے۔ اس طرح کے اسفار جو خاص اہل دولت وثروت کو دیکھنے کے لئے ہوتے تھے۔ معقول آمدنی کا ذریعہ ہوتے۔ لیکن مولانا کا ہمیشہ یہ معمول رہا کہ اس طرح کی کسی رقم کو اپنی یا اہل خانہ کی ضروریات میں صرف نہیں کیا، مسجد بڑوت کی تعمیر کے زمانہ میں ایسی تمام رقومات کا واحد مصرف مسجد کی ضروریات تھیں، بعد میں اس کا اکثر حصہ اہل حاجت غریب غربا پر صرف ہوتا، اور کچھ فیصد کبھی کبھی خاصی معقول رقم کتابوں کی خریداری کے لئے مخصوص رہتی تھی۔ طریقہ کار یہ تھا کہ سفر سے واپسی کے موقع پر اولاً سیدھے دہلی جاتے اور وہاں سے کتابیں خرید کر پھر وطن آتے تھے

ایک مرتبہ کسی رئیس کے علاج کے لئے سیال کوٹ کا سفر ہوا، وہاں کئی سو روپے کی یافت ہوئی بڑے صاحبزادہ حکیم محمد عمر ہمراہ تھے انھوں نے اپنی والدہ صاحبہ کے حسب ہدایت مولانا سے دہلی نہ جانے اور براہ راست گھر پہنچنے پر اصرار کیا۔ مولانا کاندھلہ تشریف لے آئے، اور یہاں آتے ہی وہ رقم حکیم مولانا رضی الحسن صاحب کے پاس محفوظ کرا دی، اہلیہ نے حکیم محمد عمر وغیرہ کے ذریعہ ایک زمین کی خریداری کا معاملہ طے کر لیا، اور مولانا رضی الحسن سے وہ رقم منگوا کر قیمت ادا کر دی، مولانا کو اس معاملہ کا بعد میں علم ہوا تو سخت ناخوش ہوئے زمین کی خریداری پر اظہار ناپسندیدگی کیا اور اس کو دنیا کی محبت سے تعبیر فرمایا مولانا نے طب اور معالجات سے بیش قرار رقمیں حاصل کیں مگر وفات کے وقت کوئی اندوختہ اور قدیم آبائی جائداد کے علاوہ کوئی

---

[۱] روزنامچہ حسرت، مولوی شبیر احمد جذبی خلف مولانا صدیق احمد ص۱۹۸ (کاندھلہ: ۱۹۰۵ء)

قابل ذکر ورثہ نہیں چھوڑا ۔

مولانا اہل دولت وثروت اور عام مریضوں کے ساتھ الگ الگ معاملہ فرماتے تھے، روسا کے ساتھ بے نیازی اور وقار و تمکنت کی ادا تھی، ان کے مطالبات پر کم توجہ فرماتے تھے، اگر ایسے کسی مریض کو دیکھنے جاتے تو اس کے لئے کڑی شرائط اور سخت آداب و اصول تھے جن کی بجاآوری مشکل ہوجاتی تھی، لیکن غریب لوگوں کے لئے ہمہ وقت افادہ عام تھا، کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں تھی، اگر کسی غریب و خستہ حال کی بیماری و آزار کی خبر ملتی تو بغیر بلائے خود جاتے، مریض کو دیکھتے خود دوا پہنچاتے اور حتی الامکان مالی مدد بھی کرتے تھے، کاندھلہ میں قیام کے بعد اطراف و نواح کے علاوہ طویل بیرونی سفر کا معمول نہیں رہا تھا، کبھی کبھی قصبہ میں اور کم تر دیہات میں کسی مریض کو دیکھنے جاتے تھے، جس کی اہل دولت وثروت سے فیس مقرر تھی مریض کے حسب حال آٹھ آنہ سے دو روپے تک، لیکن اس طرح فیس والے مریضوں کو صرف اسی وقت دیکھنے جاتے تھے، جب گھر میں خورد و نوش اور ضروریات کا سامان ختم ہوجاتا اور خرچ کے لئے کوئی پیسہ پاس نہ ہوتا تھا مولوی بشیر احمد کا قول ہے :۔

> "وہ گھر سے باہر مریض کو اس وقت دیکھنے جاتے تھے جب گھر میں پیسہ خرچ کے لئے نہیں رہتا تھا اور والدہ مرحومہ کے تقاضے پر تقاضے آتے رہتے تھے، ان سمع خراش تقاضوں کی مجبوریوں سے وہ کتاب کو اپنی آنکھوں سے علیحدہ کرتے تھے، اور بادل ناخواستہ مریضوں کو دیکھنے کے لئے گھر سے نکل جاتے تھے" [۱]

مولانا کی ایک خاص عادت یہ تھی کہ فصل کے موقع پر آبائی جائداد سے جو غلہ و اناج آتا تھا اس کو اسی وقت فروخت کر دیتے تھے، اور روزمرہ کی ضروریات کے لئے ہر دن نئی خریداری فرماتے گوشت آٹا اور ضرورت کا ہر سامان روزانہ بازار سے خود ہی لاتے تھے، بازار جاتے وقت قریبی اعزہ اور اہل محلہ سے بھی ان کی ضروریات دریافت فرمالیتے، جس کو جو چیز منگوانی ہوتی خرید کر خود ہی ان کے گھروں پر پہنچا دیتے تھے متوسلین و معتقدین خصوصاً طلبہ سے ذاتی خدمت لینے میں احتیاط فرماتے تھے۔ حالانکہ ہر موقع پر انکی ضروریات کا لحاظ رکھتے اور ان کے ساتھ مالی تعاون فرماتے رہتے تھے۔ جب پھلوں کا موسم آتا خصوصاً آم کی فصل کے موقع پر تو بازار سے وافر مقدار میں عمدہ قسم کے آم خرید کر لاتے، ان کو کاندھلہ کے مدرسہ کے طلبہ، اپنے شاگردوں اور غریب لوگوں میں تقسیم کرتے اور کراتے تھے اسکے بعد خود چکھتے اور اہل خانہ کو استعمال کی اجازت ہوتی تھی ۔

---

[۱] دردنامۂ حسرت صفحہ ۱۷۰-۶۸ (کاندھلہ ۱۹۸۵ء)

جاری

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

آپ خود فیصلہ کریں

"الفرقان" کے جون جولائی ۱۹۸۶ء کے شمارہ میں شیعہ اثنا عشریہ کی سب سے زیادہ مستند کتاب "الجامع الکافی" اور ان کے خاتم المحدثین اور شیعہ مذہب کے ترجمان اعظم ملا باقر مجلسی کی تصانیف "جلاء العیون" اور "حق الیقین" کے حوالوں سے ان کے "ائمہ معصومین" کی وہ روایتیں نقل کی جا چکی ہیں جن میں صراحت اور صفائی کے ساتھ حضرات شیخین (سیدنا صدیق اکبر و سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما) کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ (معاذ اللہ) کافر و منافق تھے، بلکہ اس امت کے اور اگلی امتوں کے بھی خبیث ترین کافروں (ابولہب و ابوجہل وغیرہ اور فرعون و ہامان و نمرود) بلکہ شیطان مردود سے بھی بڑے درجہ کے کافر تھے اور جہنم میں سب سے زیادہ عذاب الٰہی دونوں پر ہے۔ استغفر اللہ، ثم استغفر اللہ

ہمیں یقین ہے کہ سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، اور جناب امام باقر و جناب جعفر صادق اور جناب موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین (جنکی طرف نسبت کر کے ایسے خبیث مضمون کی روایتیں مذکورہ بالا کتابوں میں نقل کی گئی ہیں) ان بزرگوں کا دامن اس خباثت اور غلاظت سے پاک ہے، بالکل پاک ہے ـــ یہ سب ان لوگوں کی گھڑی ہوئی ہیں جنھوں نے دوسری اور تیسری صدی کے شروع میں ان بزرگوں کی طرف نسبت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے لائے ہوئے دین اسلام کے متوازی شیعہ مذہب تصنیف کیا۔

اس طرح کی خبیث اور انتہائی دل آزار روایتوں کا بڑا ذخیرہ اس مذہب کے ترجمان اعظم علامہ باقر مجلسی کی کتابوں میں ہے۔ (جناب) آج کی شیعی دنیا کے امام خمینی صاحب نے اپنی فارسی تصنیف "کشف الاسرار" میں اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے اور صحیح مذہبی معلومات حاصل کرنے کے لئے ان کی

فارسی کتابوں کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے (کشف الاسرار ص۱۲۱) ۔

اور ان مجلسی صاحب نے اپنے ائمہ معصومین کی اس طرح کی بیشمار روایتوں کے علاوہ خاص طور سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور ان کو مسلمان سمجھنے والوں اور ان پر لعنت نہ کرنے والوں کے بارے میں یہ فتویٰ بھی صادر فرمایا ہے کہ :

ہیچ عاقل را مجال آں نیست کہ شک کند در کفر عمر و کفر کسے کہ عمر را مسلماں داند ... پس لعنت خدا و رسول بر ایشاں باد و بر ہر کہ ایشاں را مسلماں داند و ہر کہ در لعن ایشاں توقف نماید ۔	کس صاحب عقل کی یہ مجال ہے کہ عمر کے کفر میں شک کرے اور جو شخص عمر کو مسلمان جانے اس کے کفر میں شک کرے ..... پس خدا اور رسول کی لعنت ہو ان لوگوں پر اور ہر اس آدمی پر جو ان کو مسلمان جانے اور ان پر لعنت میں توقف کرے
جلاء العیون ص۴۵ و ص۴۶ طبع تہران ایران	(یعنی لعنت سے اپنی زبان روکے اس پر بھی خدا رسول کی لعنت ہو)۔

یہ بات پھر یاد کر لی جائے کہ یہ ان ملا باقر مجلسی کا فتویٰ ہے جن کی فارسی کتابوں پر خمینی صاحب نے اعتماد کا اظہار فرمایا ہے اور صحیح مذہبی معلومات حاصل کرنے کے لئے شیعہ حضرات کو ان کی فارسی کتابوں کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے ۔

اور خود روح اللہ خمینی صاحب نے اپنی اسی تصنیف "کشف الاسرار" میں حضرات شیخین اور ان کے خاص رفقاء حضرت عثمان حضرت ابو عبیدہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ [حضرت علی مرتضیٰ کے علاوہ] تمام ہی سابقین اولین کے بارے میں تقیہ کے لاگ لپیٹ کے بغیر صراحت اور صفائی کے ساتھ پورے ادعائی انداز میں لکھا ہے کہ یہ سب دل سے کبھی ایمان نہیں لائے بلکہ صرف منافقانہ طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گئے تھے، دل سے یہ لوگ آپ کے اور آپ کے لائے ہوئے دین اسلام کے دشمن تھے ۔ خمینی صاحب نے بڑی تفصیل کے ساتھ یہ مضمون "کشف الاسرار" میں (ص۱۱۲ سے ص۱۲۰ تک) لکھا ہے ۔ راقم سطور نے ان کی اصل عبارتیں ترجمہ اور وضاحت کے ساتھ اپنی کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" میں ص۵۸ سے ص۶۹ تک نقل کر دی ہیں ۔

یہ ہیں خمینی صاحب جو آج وحدت اسلامی اور اتحاد بین المسلمین کے علمبردار بن کر سامنے

آئے ہیں، آج تک انھوں نے اعلان نہیں کیا ہے کہ "کشف الاسرار" میں میں نے جو کچھ لکھا تھا اب میرا وہ عقیدہ نہیں ہے۔ حالانکہ وہ اگر بہ طور تقیہ کے یہ اعلان کر دیں تو شیعوں کے نزدیک ان کے مقام تقدس میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔

ملحوظ رہے کہ "الجامع الکافی" کے مولف ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی تیسری صدی ہجری کے ہیں، مجلسی گیارہویں صدی کے اور خمینی صاحب آج کی شیعی دنیا کے امام ہیں، گویا اثنا عشری مذہب کے آغاز سے آج تک تسلسل کے ساتھ حضرات شیخین اور ان کے رفقاء سابقین اولین صحابہ کرام کے بارے میں اثنا عشریہ کا یہی عقیدہ رہا ہے۔

پھر اسی پر بس نہیں رذالت اور خباثت کی انتہا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر ایسے خبیث الزامات لگائے ہیں کہ شیطان بھی پناہ مانگے اور یہ سب جناب مجلسی کی انہی فارسی کتابوں میں ہے جن پر خمینی صاحب نے اعتماد ظاہر فرمایا ہے اور جن کے مطالعہ کا مشورہ دیا ہے۔

حضور کی ازواج مطہرات پر خبیث ترین الزامات

مجلسی نے اپنی کتاب "حیات القلوب" میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما پر اپنے ائمہ معصومین کی روایات کے حوالہ سے یہ خبیث الزام لگایا ہے کہ (معاذ اللہ) ان دونوں نے سازش کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیکر شہید کیا ___ لکھتا ہے

عیاشی بسند معتبر از حضرت صادقؑ روایت کردہ است کہ عائشہ و حفصہ لعنۃ اللہ علیہما و علی ابویہما آنحضرت صلعم را بزہر شہید کردند۔	عیاشی نے معتبر سند سے امام جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ عائشہ و حفصہ نے آنحضرت کو زہر دیکر شہید کیا تھا ان پر اور ان کے باپوں پر خدا کی لعنت ہو۔
(حیات القلوب جلد دوم ص۸۷۰ طبع تہران)	

اور اسی کتاب میں دوسری جگہ یہ خبیث خرافاتی کہانی لکھی ہے کہ

حفصہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رازداری کے ساتھ بتلایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ مجھے بتلایا ہے کہ میرے بعد ابوبکر ظالمانہ طور پر خلیفہ ہو جائیں گے اور ان کے بعد تمہارے والد خلیفہ ہوں گے۔ اور آپؐ نے تاکید فرمائی تھی کہ وہ راز کی یہ بات کسی کو نہ بتلائیں۔ لیکن حفصہ

نے عائشہ سے ذکر کر دیا، انھوں نے اپنے والد ابو بکر کو تبلا دیا، انھوں نے عمر سے کہا کہ حفصہ نے عائشہ کو یہ بات تبلائی ہے۔ انھوں نے اپنی بیٹی حفصہ سے پوچھا، اس نے پہلے تو تبلانا نہ چاہا، لیکن آخر میں تبلا دیا کہ ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات مجھ کو تبلائی تھی۔ آگے مجلسی نے لکھا ہے :-

پس آں دو منافق و آں دو منافقہ بایکدیگر اتفاق کردند کہ آنحضرت را بزہر شہید کنند

(حیات القلوب جلد دوم ص۸۰ طبع تہران)

پس ان دونوں منافقوں (ابو بکر و عمر) اور ان دونوں منافقات (عائشہ و حفصہ) نے اس بارے میں باہم اتفاق کر لیا کہ آنحضرت کو زہر دیکر شہید کر دیا جائے۔

حضرت صدیقہ پر ایک انتہائی خبیث اتہام

اسی مجلسی نے اپنی اسی کتاب "حیات القلوب" میں لکھا ہے :

علی بن ابراہیم و ابن بابویہ بسند ہائے موثق ومعتبر از حضرت امیر المومنینؑ و حضرت امام باقر و امام جعفر صادقؑ روایت کردہ کہ چوں ابراہیم فرزند رسول خدا برحمت الٰہی واصل شد آنحضرت محزون شد بحزن شدیدے، پس عائشہ ملعونہ بآنجناب گفت چرا ایں قدر اندوہناکی ابراہیم از تو نبود مگر فرزند جریح قبطی کہ ہر روز بنزد او می آمد و بیروں بیاید۔

حیات القلوب ص۵۹۹/۲۳ طبع تہران (ایران)

علی بن ابراہیم، اور ابن بابویہ نے بہت معتبر اور قابل اطمینان سندوں سے حضرت امیر المومنینؑ اور امام باقر اور امام جعفر صادقؑ سے یہ روایت کیا ہے کہ جب رسول خدا کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا (جو ام المومنین ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے) تو آنحضرت کو بہت زیادہ غم اور رنج ہوا، تو عائشہ ملعونہ نے آپ سے کہا کہ آپ ابراہیم کے انتقال سے کیوں اس قدر غمگین اور رنجیدہ ہیں، وہ تو ماریہ کے غلام اور خادم) جریح قبطی کا لڑکا تھا) جو ماریہ کے پاس روزانہ جاتا اور باہر آتا تھا۔

روایت کا حاصل یہ ہوا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے، ایک دوسری ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت لگائی اور تین "معصوموں" حضرت علی مرتضیٰ حضرت امام باقر

اور امام جعفر صادق نے حضرت صدیقہ کے بارہ میں یہ انتہائی خبیث بات کہی۔
آگے اسی روایت میں ہے کہ (معاذ اللہ) حضرت ماریہ پر عائشہ کے تہمت لگانے کے اسی قصہ کے سلسلہ میں

پس حق تعالیٰ آیات قذف را کہ سنیاں می گویند برائے عائشہ نازل شد از برائے بیان کفر عائشہ و نفاق او فرستاد
(حوالۂ بالا)

اللہ تعالیٰ نے قذف (زنا کی تہمت لگانے) کے متعلق (سورۂ نور کی) آیتیں نازل کیں جن کے بارہ میں سنی کہتے ہیں کہ وہ عائشہ کے حق میں ان کی برأت کے لئے نازل ہوئیں اور فی الحقیقت عائشہ کا کفر اور نفاق ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نازل کی تھیں۔

اور اسی حیات القلوب میں مجلسی نے لکھا ہے

ابن بابویہ و برقی بسند معتبر از امام باقرؑ روایت کردہ اند کہ چوں قائم آل محمدؐ ظاہر شود عائشہ را زندہ گرداند تا آنکہ او را حد بزند... ... راوی گفت فدائے تو شوم بچہ سبب او را حد بزند؟ فرمود برائے افترائے کہ بہ مادر ابراہیم گفت۔
(حیات القلوب جلد دوم ص۶۱۱ طبع تہران)

ابن بابویہ اور برقی نے معتبر سند سے امام باقرؑ سے روایت کیا ہے کہ جب قائم آل محمد (امام غائب) غار سے نکل کر ظاہر ہوں گے تو وہ عائشہ کو زندہ کریں گے تاکہ اس پر حد (شرعی سزا) جاری کریں .... راوی نے عرض کیا کہ میں آپ پر قربان جاؤں یہ تو بتلائیے کہ عائشہ کے کس جرم اور گناہ کی وجہ سے اس پر حد (شرعی سزا) جاری کریں گے؟ تو امامؑ نے فرمایا کہ ابراہیم کی والدہ (ماریہ قبطیہ) پر (زنا کی) جو تہمت لگائی تھی اس کی حد (شرعی سزا) جاری کریں گے (یعنی اسی۸۰ کوڑے لگائیں گے)

جن بندگانِ خدا کو ایمان کی دولت نصیب ہے، اور وہ ان کو عزیز ہے

وہ خدارا سوچیں! کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ کرام، خاص کر آپ

کے رفیق غار صدیق اکبر اور فاروق اعظم اور ان کے خاص رفقا سابقین اولین (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے بارے میں، اور بالخصوص آپ کی شریک حیات ازواج مطہرات کی شان پاک میں ایسی خبیث و دل آزار اور جگر فگار باتیں کسی ایسے شخص کی زبان یا قلم سے نکل سکتی ہیں جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو۔

ایں ہمہ ہا گفتن و دین بہ پیمبر داشتن　　ہرگزم باور نمی آید ز روئے اعتقاد

آج کوئی شیعہ عالم و مجتہد نہیں ہے جو ہر صاحبِ ایمان کی ایمانی روح کو تڑپا دینے والی ان خبیث روایات کی وجہ سے ان کتابوں کے مصنفین ابو جعفر کلینی، اور ملا باقر مجلسی وغیرہ اور ان روایتوں کے راویوں سے برارت ظاہر کرے بلکہ وہ سب ان روایات سے واقف ہونے کے باوجود ان کو اپنا مقتدا اور پیشوا مانتے ہیں۔ اور روح اللہ خمینی صاحب تو زندہ امام اور آخری امام معصوم (امام غائب) کے نائب ناب اور قائم مقام ہیں، اور ان کے نظریہ "ولایت الفقیہ" کی بنیاد پر وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح واجب الاطاعت ہیں[۱] ـــــ پس جو لوگ ان کا یہ حال معلوم ہونے کے بعد بھی ان کو مسلمان مانیں اور ان کے ساتھ اہل ایمان کا سا معاملہ کریں وہ اپنے ایمان کی خیر منائیں !!

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب

آج کی صحبت میں ہم نے صرف حضرات شیخین اور اُن کے رفقا سابقین اولین صحابہ کرام، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات امہات المومنین کے بارے میں اثناعشریہ کی اپنے ائمہ معصومین سے نقل کی ہوئی روایات اور ان کے متعلق ان کے عقیدہ کا ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ ان کے جو دوسرے منافی ایمان عقیدے ہیں ان سے تعرض نہیں کیا ہے ـــ انشاءاللہ عنقریب ہی الفرقان کی ایک خصوصی اشاعت میں خاص اسی موضوع اور اسی مسئلہ پر تفصیل سے

---

[۱] خمینی صاحب نے اپنی کتاب "الحکومۃ الاسلامیہ" میں اس کی تصریح کی ہے ص ۴۹ (طبع تہران) اس کو راقم سطور کی کتاب "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" کے صفحہ ۳۱ پر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

لکھا جائے گا۔ اور اس بارے میں جو شکوک و شبہات لوگوں کو ہوتے ہیں ان کو بھی رفع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ واللہ الموفق وھو المستعان ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

الحمدللہ ان سطروں کا لکھنے والا اس سے غافل اور بے خبر نہیں ہے کہ کسی شخص یا فرقہ کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا کتنا سنگین اور پرخطر معاملہ ہے اور اس بارے میں کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے، جو وعیدیں اس بارے میں وارد ہوئی ہیں وہ بھی اس عاجز کے سامنے ہیں ــــ لیکن جب کسی فرد یا فرقہ کے ایسے عقائد آنکھوں کے سامنے آجائیں جو قطعی طور پر منافی ایمان اور موجب کفر ہوں اور یہ خطرہ ہو کہ بیچارے عام ناواقف مسلمان اُن کو ان عقیدوں کے باوجود مسلمان سمجھنے کی (یعنی کفر کو اسلام سمجھنے کی) گمراہی میں مبتلا ہوں گے، تو حقیقت کے جاننے والوں پر اس کا اظہار و اعلان فرض ہو جاتا ہے اور ان کے لئے سکوت و خاموشی بھی جرم!

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ

ALFURQAN MONTHLY
31 NAYA GAON WEST
LUCKNOW-226 018 (INDIA)

Regd. No. LW/NP-62
Vol. 55 No. 2
February 1987

سرپرست:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

مدیر:

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

Rs 3/

ہماری چار نئی مطبوعات

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی کے کچھ اہم مضامین کتابی شکل میں

حضرت مولانا مدظلہ کے بہت سے ایسے مفید اور اہم مضامین ہیں جو الفرقان کی فائلوں میں دبے پڑے ہیں۔ ہمارے بہت سے قارئین انکی اشاعت کا مطالبہ کرتے رہتے ہیں ہم نے فی الحال چار اہم مضامین کا انتخاب کرکے مولانا مدظلہ کی نظر ثانی کے بعد معیاری کتابت وطباعت کے ساتھ عکسی شائع کیا ہے یقین ہے کہ ہمارے قارئین اس سلسلہ کو پسند کریں گے۔ اور اپنے گرانقدر آرڈر سے نوازیں گے

مسئلہ حیات النبی کی حقیقت

کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر موت طبعی وارد ہوئی؟ یا جس حیات کے ساتھ اس دنیا میں رونق افروز تھے اسی حیات کے ساتھ قبر مبارک میں منتقل کردیئے گئے؟ یا آپ کو اور دوسرے انبیاء کی طرح اس دنیا سے جانے کے بعد کوئی خاص ... حیات حاصل ہوتی؟ ... کا مدلل جواب ... قیمت

قرب الٰہی کے دو راستے

ایک بہترین مفید رسالہ جس میں قرب الٰہی کے دو راستوں قرب بالفرائض اور قرب بالنوافل کی تشریح کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ موجودہ حالات میں قرب بالفرائض کو ترجیح حاصل ہے کیوں؟ یہ اس رسالہ میں پڑھیے

$\frac{20\times30}{16}$ سائز عکسی طباعت قیمت ۲/

نماز اور خطبہ کی زبان

اس میں دلائل کے ساتھ بتلایا گیا ہے کہ نماز عربی زبان میں پڑھنا ضروری ہے کسی دوسری زبان میں ادا نہیں کی جا سکتی — اور جمعہ کا خطبہ بھی عربی ہی میں ہونا چاہیئے اس شرعی حکم کے علاوہ اس کی حکمتیں بھی بیان کی گئی ہیں

$\frac{20\times30}{16}$ سائز عکسی طباعت اعلیٰ کاغذ

قیمت ۵۰/

عقیدہ علم غیب

قرآن حدیث اور ارشادات صحابہ کی روشنی میں

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا یا نہیں؟ اس سوال کا مدلل جواب قرآن و حدیث کے حوالوں کے ساتھ

$\frac{20\times30}{16}$ سائز عکسی طباعت اعلیٰ کاغذ

قیمت = ۳/

نوٹ

چاروں کتابیں وی پی سے طلب کرنے میں محصول میں کفایت ہوگی

ہمارا پتہ: الفرقان بکڈپو۔ نظیر آباد (۳۱ نیا گاؤں مغربی) لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

جلد ۵۵ — شمارہ ۴

فروری ۱۹۸۷ء
مطابق
رجب ۱۴۰۷ھ

فی شمارہ ۳/-

سالانہ چندہ
برائے ہندوستان ۳۰/- پاکستان ۴۰/-
برائے بیرونی ممالک
بحری ڈاک ۶۵/- (5/- پونڈ)
ہوائی ڈاک ۱۲۰/- (10/- پونڈ)

اگر اس دائرہ ◯ میں سرخ نشان

ہے تو اس کا مطلب یہ کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا اطلاع مہینے کے آخر تک موصول نہ ہونے کی صورت میں اگلا شمارہ بصیغہ وی پی روانہ ہو گا

خط و کتابت یا ترسیل کا پتہ

دفتر: ماہنامہ "الفرقان"
۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:
ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور

محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

مدیر

گذشتہ ماہ ان صفحات میں ہم نے ان حالات کا تذکرہ ایک خاص مقصد کے تحت کیا تھا جو دسویں صدی ہجری میں سرزمین ہند میں ہندو احیائیت کی ایک زبردست اور منظم کوشش کے نتیجہ میں اسلام کو درپیش ہوئے تھے۔ اور اپنی گفتگو ختم کرتے وقت ہم نے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ "انشاء اللہ آئندہ صحبت میں بارہویں صدی ہجری کے حالات اور حضرت شاہ ولی اللہ ؒ کے طرزِ عمل کی بابت گفتگو ہوگی"۔ سو اس وقت بنام خدا اسی وعدہ کے ایفار کی نیت سے قلم اٹھایا ہے۔

دسویں صدی ہجری میں ہندوستان کے غربت کدہ میں مسافرِ اسلام پہ جو زبردست حملہ ایک خفیہ اور منظم سازش کی شکل میں ہندو احیائیت کے علمبرداروں نے کیا تھا، تاریخ گواہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کی عظیم داعیانہ ومصلحانہ کوششوں کے نتیجہ میں باذن اللہ وہ سو فیصد ناکام ہوگیا تھا۔ یہ انہی مبارک کوششوں کا ثمرہ اور ارادہ الٰہی کی طاقت کا ظہور تھا کہ اس عظیم تیموری سلطنت کی باگ ڈور جس کا قبلہ تھوڑے دنوں پہلے اکبر کے ذریعہ

بدلا دیا جارہا تھا، اورنگ زیب جیسے صاحب عزم وایمان کے ہاتھ میں آگئی
۱۰۶۸ھ میں اورنگ زیب نے زمام سلطنت ہاتھ میں لینے کے بعد اپنی پوری توجہ عہد اکبری کے مخالف اسلام اثرات کو مٹانے پر مرکوز کی اور ۱۱۱۸ھ میں مرتے دم تک پورے ۵۰ سال کی مدت میں اورنگ زیب نے اس مقصد کی خاطر جتنی سخت محنت کی اور جس درجہ کے فولادی ارادے، آہنی عزم اور احساس ذمہ داری کا مظاہرہ کیا اسکی بدولت انھیں ہندوستان کے اسلامی حلقوں نے بجا طور پر "محی الدین" کا خطاب دیا، اور علامہ اقبال نے انھیں بت خانہ ہند کا ابراہیم قرار دیا۔

بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ اورنگ زیب اور اسلام کے ساتھ اس کی وفادارانہ وابستگی کو وہ لوگ کن نگاہوں سے دیکھ رہے ہوں گے جو ہندوستان کو مکمل طور پر ہندو برہمن راشٹر بنانے کی جان توڑ کوشش کر رہے تھے۔ اورنگ زیب کی سوجھ بوجھ پختہ دینداری اور بیدار مغزی کی وجہ سے اکبر کی طرح اسے گمراہ کر کے اپنا آلۂ کار بنانے کے بارے میں تو وہ سوچ نہیں سکتے تھے، لہٰذا ان کے سامنے مسلح بغاوت اور خانہ جنگی ہی کا راستہ رہ گیا تھا، چنانچہ انھوں نے جنوبی ہند خصوصاً مہاراشٹر میں پے درپے بغاوتیں اور گوریلا طرز کے حملے شروع کر دیئے۔ جن کا سلسلہ اورنگ زیب کے دور حکومت میں مسلسل جاری رہا۔ اور اسی وجہ سے اسے اپنے دور حکومت کا بیشتر وقت برہمن مرہٹوں کے حملوں کے مقابلہ اور ان کی کوششوں کو ناکام بنانے میں صرف کرنا پڑا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اورنگ زیب کے ہوتے ہوئے وہ کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اورنگ زیب کی ۲۵ سالہ جدوجہد کا نتیجہ یہی برآمد ہوا تھا کہ وہ آگ جو دکن (مہاراشٹر) میں ان برہمن مرہٹوں نے بھڑکائی تھی، دبی رہی بالکلیہ بجھ نہ سکی ۔ اسکی وجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مشہور مورخ طباطبائی نے لکھا ہے :-

"عالمگیر نے بذات خود دکن کی طرف رخ کیا اور پورے ۲۵ سال مرہٹوں کی گوشمالی میں وقت صرف کیا، لیکن شاہی رکاب میں جو امراء تھے ان کی سستی

دکھائی ہے جس میں ان کے اغراض پوشیدہ تھے معاملہ کا قطعی فیصلہ نہ ہو پایا یہ امراء اپنے ذاتی اغراض کے تحت مرہٹوں کے ہنگاموں کو ختم کرنا ہی نہیں چاہتے تھے[1]

پھر جب ۱۱۱۸ھ میں اورنگ زیب کی وفات سے یہ پنجۂ فولادی اٹھ گیا اور اس کے بعد اس کے عظیم اور پرجلال تخت پر اس کی اولاد میں یکے بعد دیگرے وہ لوگ آئے جنھوں نے کاہلی نااہلی اور سلطنت سے غفلت کا وہ مظاہرہ کیا جس سے سلطنت کا اثر و رعب بالکل ہی ختم ہو گیا اور سلطنت کے بدخواہوں اور تخریب کاروں کو تخریبی کارروائیوں کے لئے کھلا میدان مل گیا بعد میں آنے والے دنوں میں اس صورتحال سے سب سے زیادہ فائدہ مرہٹی برہمنی تحریک نے اٹھایا۔

اس تحریک کے بانی شیواجی تھے۔ ان کا اور عام مرہٹوں کا نسلی تعلق اودے پور کے راناؤں سے تھا۔ اسی لئے شروع سے ہندوؤں کے اعلیٰ طبقے برہمن اور راجپوت اس میں پیش پیش رہے بلکہ آخر میں اس تحریک کی قیادت بالاجی کے ہاتھ میں آگئی تھی جو کوکنی برہمن تھے۔ اس تحریک کے بانی اور قائد اول شیواجی کے متعلق ماؤنٹ سٹوارٹ الفنسٹن (گورنر بمبئی) نے لکھا ہے۔

"اسکی طبیعت نے ہندوانہ تعصبوں سے تربیت پائی تھی۔ اس طبیعت کی وجہ سے وہ مسلمانوں اور ان کے رسم و رواج سے سخت نفرت اور ہندوؤں اور ان کے طور طریقوں سے بڑی رغبت رکھتا تھا،"[2]

اس تحریک کا مقصد مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کے بقول یہ تھا کہ:

"جہاں تک قابو چل سکے خلق خدا کے معاشی ذرائع مسدود کر کے انھیں اپنی طرف سمیٹ لیں، اور تمام روئے زمین کے مالک بن جائیں"[3]

مولانا مناظر احسن گیلانی نے لکھا ہے

---

[1] طبا طبائی، سیر المتاخرین ص ۹۲۳ ج ۳

[2] تاریخ ہند (اردو ترجمہ) ص ۱۰۴ حوالہ ماخوذ از تاریخ دعوت و عزیمت جلد پنجم ص ۲۶۹

[3] خزانۂ عامرہ (یاد رہے کہ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کی زندگی کا بڑا حصہ اس تحریک کے مرکز مرہٹواڑی میں گذرا ہے چنانچہ انھیں اس کے مقاصد اور منصوبوں سے جتنی واقفیت حاصل ہو سکتی تھی دوسروں کو اس کے مواقع حاصل نہ تھے)

"شروع ہی سے اس کا آغاز ایک ایسی سیاسی تحریک کی شکل میں ہوا جس کا مقصد ہندستان کو قدیم "پراچین" تہذیب کی طرف واپس لے جانا تھا"۔ [1]

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"مرہٹوں کی تاخت صرف فوجی حدود اور عوام کے استحصال ہی کے دائرہ میں محدود نہ تھی وہ ہندو مذہب و تہذیب کی احیائیت پر بھی مبنی تھی"۔ [2]

اورنگ زیب کی زندگی میں اس تحریک کی سرگرمیاں دکن تک محدود تھیں، لیکن اورنگ زیب کے بعد یہ تحریک ملک گیر بن گئی۔ اس مختصر مضمون میں جس میں ان حالات کا تذکرہ ہم ضمناً کر رہے ہیں اس پوری صورتحال کی منظر کشی نہیں کی جا سکتی جو اس تحریک کے پے در پے حملوں کی وجہ سے ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کو درپیش تھی، ہم یہاں اس کی بابت صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک نہایت سخت کٹھن اور نازک صورتحال تھی، مسلمانوں کی ساکھ گر چکی تھی، ہمتیں پست تھیں، اجتماعیت کا فقدان تھا اور اکثریتی فرقہ اقلیت کو نگل لینے کے خوفناک ارادوں کے ساتھ میدان میں کود پڑا تھا، ہزاروں بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارا جا چکا تھا، لاکھوں کو لوٹا جا چکا تھا۔ غرض کہ ایک سیلاب تھا جس میں جنوب سے شمال اور مشرق سے مغرب تک کے مسلمان اپنے ڈوبنے کا تماشا دیکھنے کا انتظار کر رہے تھے۔

مرہٹوں کو اپنی سب سے بڑی کامیابی ۱۲ رجون ۱۷۶۸ء (۹ رذی الحجہ ۱۱۷۳ھ) میں اس وقت ملی تھی جب پنجاب، دوآبہ اودھ اور روہیلکھنڈ وغیرہ پر قبضہ کرنے کے بعد پایۂ تخت دہلی پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا تھا جس کے نتیجہ میں صرف لال قلعہ، دیوان خاص، شاہی حمام سرا، سرکاری خزانے اور سلطنت کے تمام کارخانے ہی مرہٹوں کے زیر تصرف نہیں آئے تھے بلکہ ملک کا جو سیاسی نقشہ ابھر کر سامنے آیا تھا اس میں فیصلہ کن طاقت

---

[1] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر ص ۱۱۹

[2] تاریخ دعوت وعزیمت جلد پنجم ص ۲۸۰

انہی کے پاس تھی اور ملک کا آئندہ کا رخ بظاہر انہی کے اشاروں کے مطابق متعین ہونا تھا اور ان کا رخ معلوم ہی تھا۔

جو زمانہ ہندو احیائیت کی علمبردار اس تحریک کی سرگرمیوں کا تھا، تقدیر الٰہی نے وہی زمانہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے لئے مقدر فرمایا تھا اور جو لوگ بھی شاہ صاحب کی بالغ نظری دور بینی اور فہم و فراست اور بصیرت سے واقف ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ حالات کے اس رخ کو وہ کتنی یقینی بصیرت کے ساتھ محسوس کر رہے تھے۔

اگرچہ شاہ ولی اللہؒ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جن کی زبانوں پر آسمانوں کو ہلا دینے والی تقریریں ہوا کرتی ہیں اور جو رسمی اندیشوں میں مبتلا ہو کر خود بھی ڈراؤنے خواب دیکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی دکھاتے رہتے ہیں بلکہ وہ ان منتخب بندوں میں سے تھے جو سب کچھ دیکھتے ہیں، سب کچھ سنتے ہیں، سب سے متاثر ہوتے ہیں بلکہ سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں مگر نہ دل کو اضطراب ہوتا ہے، نہ خیال میں انتشار، نہ زبان پر زمانہ کا گلہ آتا ہے نہ قلم سے بے اطمینانی کا اظہار ان کا حال ہے

اے مرغ سحر عشق زپروانہ بیاموز ۔۔۔ کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

کا مصداق ہوتا ہے، تاہم جو لوگ یہ جاننے کے لئے کہ شاہ صاحبؒ اس صورتحال کی سنگینی کو کتنا محسوس کر رہے تھے، اور ہوا کے رخ کو کس حد تک پہچان رہے تھے؟ انہی کی زبان یا قلم سے نکلے ہوئے کلمات سننا چاہتے ہیں وہ شاہ صاحبؒ کے ان خطوط پر نظر ڈال لیں جو انھوں نے ان امراء اور فوجی قائدین کو لکھے تھے جن کے خاکستر میں انھیں دینی حمیت کی کوئی دبی ہوئی چنگاری نظر آئی، جن میں خاص طور پر قابل ذکر نواب نجیب الدولہ اور احمد شاہ درانی ہیں۔ ان خطوط میں شاہ صاحب نے حالات کی جو تصویر کشی کی ہے اس سے صاف نظر آتا ہے کہ وہ مرہٹوں کی ان سرگرمیوں کو چند باغیوں کی معمولی فتنہ انگیزی نہیں بلکہ اسلامی ہندپر برہمنیت کے غلبہ کی منظم کوشش سمجھ رہے تھے۔ اس موقع پر یہ اشارہ بھی مناسب ہوگا کہ ہندوستان پر اس غلبہ کفر کا منظر جو عملاً ١١٧٢ھ میں واقع ہوا ٣٠ سال پہلے ١١٤٢ھ میں (جب انؒ کی عمر ٣٠ سال کی رہی ہوگی) شاہ صاحبؒ کو ایک رؤیا رصادقہ کے ذریعہ دکھایا

جا چکا تھا۔

بارہویں صدی میں اسلام کو ہندوستان میں جن خارجی حملوں اور خطرات کا سامنا تھا ہم نے سطور بالا میں ان کی یاد دلانے کی کوشش کی ہے۔ ساتھ ہی ہم نے اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ ان خطرات کو اس وقت کے عظیم ترین رہنما حضرت شاہ ولی اللہؒ کس طرح محسوس فرما رہے تھے؟

اس دور کے حالات کا ایک اور رخ بھی قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ جس قوم کو نگل لینے کی یہ سازشیں ہو رہی تھیں وہ سخت جمود و تعطل، شدید تفرقہ و انتشار اور گروہ بندی میں مبتلا تھی، چھوٹی چھوٹی باتوں پر رائے کا اختلاف تکفیر و تفسیق تک پہنچا دیا تھا۔ حالات کے اس رخ کا یہ تقاضا بالکل ظاہر تھا کہ ملت کی شیرازہ بندی اور باہمی اتحاد و تعاون کی فضا قائم کرنے کے کام کی طرف خصوصی توجہ مرکوز کی جائے۔ اور ہر ممکن کوشش اس بات کی کی جائے کہ مسلمانوں کی صلاحیتیں باہمی اختلافات، مناظروں اور فتوے بازیوں میں ضائع ہونے کے بجائے اپنی تعمیر نو اور مشترک دشمن کے مقابلہ پر صرف ہوں اور ایسے کسی مسئلہ کو چھیڑنے سے سختی کے ساتھ پرہیز کیا جائے جس کے چھیڑنے سے مسلمانوں کی صلاحیتوں کے غیر ضروری یا کم اہمیت کے حامل مسائل میں منقسم ہو جانے یا وقت کے تقاضوں کے مطابق مثبت ذوق و مزاج کی تربیت میں خلل پڑ جانے کا اندیشہ ہو۔

جو لوگ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ذوق و مزاج اور خدمات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ انھوں نے حالات کے اس تقاضے کو بھی کتنی شدت کے ساتھ محسوس کیا تھا ان کے تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ حکمت الٰہی نے انھیں اس زمانہ کی ضرورت کے عین مطابق جو مثبت، معتدل اور داعیانہ و مصلحانہ ذوق و مزاج عطا فرمایا تھا، اور اس تفرقہ و انتشار کو دور کر کے ملت اسلامیہ ہندیہ کو جذبۂ اعتدال و تعاون سے سرشار کرنے کے کام کا جو شدید داعیہ اور بے مثال سلیقہ انھیں بخشا تھا وہ مصلحین و مجددین میں انہی کا حصہ تھا۔

مدینہ منورہ کے زمانۂ قیام میں انھیں دربار نبوت سے یہ اشارہ بھی مل چکا تھا کہ "ان مراد الحق فیک ان یجمع شملاً من شمل الامۃ المرحومۃ بک"

تمہارے متعلق حق تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ امت مرحومہ کے جتھوں میں سے ایک جتھے کی شیرازہ بندی کا کام تم سے لیا جائے گا۔" اور بعد میں آنے والے دنوں سے ظاہر ہو گیا کہ وہ جتھا ملت اسلامیہ ہندیہ ہی کا تھا) چنانچہ جو شخص بھی شاہ صاحبؒ کی خدمات کا جائزہ لیتا ہے اور انکی فکر کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے وہ اس اعتراف پر مجبور ہو جاتا ہے کہ

تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی

بارہویں صدی میں اسلامی ہند کے حالات کے اس جائزہ اور مزاج ولی اللٰہی کے اس تذکرہ کے بعد ہمیں یہ جاننا ہے کہ شیعیت کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ نے کیا موقف اختیار کیا تھا؟ یہ مذاکرہ خاص طور پر ولی اللٰہی شجرۂ طوبیٰ سے وابستہ خادمان علوم نبوت کے لئے جن کا شعار ہے - کہ

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

اس لئے ضروری ہے کہ ایک بار پھر حالات کا وہی رخ ہے، اور شیعیت کا مسئلہ ایک بار پھر بے مثال اہمیت اور سنگینی کے ساتھ غور وفکر کا موضوع اور اہل علم کی توجہ کا مرکز بن گیا ہے ـــ ذیل میں ہم اس فتنہ کے بارے میں شاہ صاحبؒ کے موقف اور اس سے امت کی حفاظت کے لئے ان کی خدمات کا ایک مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) دسویں صدی ہجری میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے شیعیت کے بارے میں جو موقف اختیار فرمایا تھا حضرت شاہ ولی اللہؒ نہ صرف یہ کہ اس پر قائم رہے بلکہ اسے عام کرنے اور تقویت پہنچانے کی بھی کوشش کی، ہمارا اشارہ اس طرف ہے کہ حضرت مجدد صاحبؒ نے علمائے ماوراء النہر کی تائید میں جو رسالہ فارسی زبان میں لکھا تھا جو رد روافض کے نام سے ان کے مجموعہ مکتوبات کے ساتھ شائع ہوتا رہا ہے، حضرت شاہ ولی اللہؒ نے مدینہ منورہ کے زمانۂ قیام ہی میں اپنے استاد شیخ ابو طاہر کردیؒ کی فرمائش پر اس کا عربی ترجمہ کیا اور اپنی طرف سے جا بجا تعلیقات بھی لکھیں۔

(۲) شاہ ولی اللہؒ نے اپنی مخصوص بصیرت، وفور ذکاوت اور علم وفہم کی گہرائی اور سب

سے بڑھ کر موہبت خداوندی اور افاضۂ ربانی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ شیعہ مذہب کا اساسی اور بنیادی عقیدہ عقیدۂ امامت ہے۔ جو دراصل خلافت کے بالکل متوازی طور پر اس مقصد سے تصنیف کیا گیا، کہ وفات نبوت کے بعد امت مسلمہ کی مرکزیت اور اجتماعیت کو توڑ کر اسے سیاسی، اجتماعی، دینی، فکری اور ہمہ جہتی انتشار میں مبتلا کر دیا جائے۔ اسی لئے شاہ صاحب نے ایک طرف تو امامت کے بجائے خلافت کو کتاب و سنت سے صریح اور منصوص طور پر ثابت کرنے اور اسے ایک تاریخی حقیقت اور ایک مہتم بالشان اصول کی حیثیت سے پیش کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اس کے لئے ازالۃ الخفاء جیسی بے نظیر کتاب تصنیف فرمائی، جسکی تصنیف کی اولین غرض بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب نے خود لکھا ہے:

"اس زمانہ میں تشیع کی بدعت عام ہو گئی ہے۔ عوام کے دل ان کے پیدا کردہ شبہات سے بہت متاثر ہیں اس علاقہ کے اکثر باشندوں کے دل میں خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خلافت کے ثبوت کے بارے میں طرح طرح کے شکوک پیدا ہو گئے ہیں۔"

اس کتاب میں شاہ صاحب نے خلافت کی تعریف، اور انعقاد خلافت کے طریقوں نیز خلفائے راشدین کی خلافت کے دلائل اور ان کے مناقب کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کی صحیح اہمیت کا اندازہ تبھی ہو سکتا ہے جب اسے امامت کے شیعی تصور اور اس کے نتائج کے تناظر میں دیکھا جائے۔

اسی وجہ سے راقم الحروف کا احساس یہ ہے کہ شیعیت کی تردید، اور اس کے بنیادی عقیدۂ امامت کی گمراہی کی وضاحت کے لئے اسلامی کتب خانہ میں ازالۃ الخفاء کو بہترین کتاب قرار دیا جا سکتا ہے۔ کاش کہ حضرات اہل علم اس پہلو سے اس پر از سر نو ایک نظر ڈال لیں۔

(۳) دوسری طرف انھوں نے یہ محسوس کر کے کہ شیعیت کی بنیاد حضرات شیخین (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) سے بغض و عناد پر قائم ہے، ان دونوں حضرات کے خصوصی مقام کو واضح کرنے اور اسے ایک ناقابل انکار عقیدہ کی حیثیت سے عام مسلمانوں کے ذہنوں میں جما دینے کی غرض سے ایک مستقل کتاب "قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین" کے نام

سے فارسی میں تصنیف فرمائی۔

(۴) تیسری طرف شیعیت کے بارے میں اپنی کتابوں میں جہاں کہیں اظہار خیال کیا، ہر جگہ اسی تصور امامت کو اپنے خیالات کی بنیاد کے طور پر پیش کیا، اور ہر جگہ انھوں نے اس عقیدہ کو ختم نبوت کے انکار کے مترادف قرار دیا، مثلاً قرۃ العینین صہ ۱۴۸ و صہ ۱۴۹ (طبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۰ھ) میں اثنا عشریوں کے تعارف میں صاف صاف کہا ہے کہ "و امامیہ کہ بحقیقت منکر ختم نبوت اند" اور اسی کتاب میں صہ ۲۱۰ پر انہی کے بارے میں کہا ہے کہ "و در ختم نبوت زندقہ پیش گرفتہ اند"۔ یہاں تک کہ اپنے وصیت نامہ میں بھی حضرت شاہ ولی اللہ ؒ نے یہ ثبت فرمادیا کہ ایک مکاشفہ میں انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شیعوں کے بارے میں دریافت کیا تھا (اور اس سے شاہ صاحب کی طبعی بے چینی اور اس مسئلہ کی سنگینی کے بارے میں ان کے اضطراب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے) تو آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ "ان کا مذہب باطل ہے اور ان کے مذہب کا باطل ہونا لفظ "امام" سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ بعد میں جب میں نے لفظ امام پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ "ان کی اصطلاح میں امام (نبی کی طرح) معصوم، واجب الطاعت اور تمام مخلوق کے لئے خدا کی طرف سے متعین کردہ شخص ہوتا ہے، اور ان کے نزدیک امام پر وحی باطنی بھی نازل ہوتی ہے۔ پس فی الحقیقت وہ ختم نبوت کے منکر ہیں، اگرچہ زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کہتے ہیں۔ (صہ ۶ و صہ ۷ مطبع مسیحی کانپور ۱۲۷۳ء)

(۵) اگرچہ شاہ صاحب کا معمول فتویٰ کی زبان میں اپنے خیالات کے اظہار کا نہیں تھا لیکن اس کے باوجود انھوں نے اپنی تصنیفات میں کئی جگہ شیعہ امامیہ کو نہ صرف زندیق اور منکر ختم نبوت قرار دیا، بلکہ ازالۃ الخفاء (صہ ۲۵، ج ۱) اور مسوی شرح موطا صہ ۱۱ میں انھوں نے اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ اسلامی دستور و قانون کے مطابق شیعی عقائد رکھنے والا شخص واجب القتل ہے۔

امید ہے کہ ہماری ان مختصر طالب علمانہ معروضات سے شاہ صاحبؒ کا وہ موقف واضح

ہو گیا ہو گا جو انھوں نے، ان حالات میں شیعیت کے بارے میں اختیار فرمایا تھا۔ آپ کے بعد آپ کے جانشین صاحبزادۂ گرامی قدر حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ بھی اسی موقف پر قائم رہے۔ ان کی معرکۃ الآرا تصنیف تحفۂ اثنا عشریہ محتاج تعارف نہیں ان کا یہ فتویٰ آج بھی ان کے مجموعہ فتاویٰ میں موجود ہے۔ "در مذہب حنفی موافق روایات مفتی بہ حکم فرقہ شیعہ (امامیہ) حکم مرتدان است" (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۲، دہلی ۱۳۴۱ھ) اور اس دور سے لے کر آج تک جو بے شمار علماء و اصحاب فتویٰ اس سلسلہ ولی اللہی سے فیضیاب ہو کر دین کے امین و محافظ ہوئے ان میں سے جس نے بھی شیعیت کا مطالعہ کیا اس نے اسی موقف کا اظہار کیا آج بھی برصغیر کے اہل علم اسی موقف پر قائم ہیں اور انشاء اللہ رہیں گے [1]

آخر میں ہم اتنا عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس سلسلہ سے وابستہ جن بزرگوں کو ہم نے اپنی گنہگار آنکھوں سے دیکھا ہے ہم شہادت دیتے ہیں کہ اس زمانہ میں حالات کے شعور ملت کے درد، دین کی صحیح سمجھ اور داعیانہ و مصلحانہ ذوق، ان سب شعبوں میں ہم نے انھیں عالم اسلام کے علماء میں ممتاز پایا ہے۔ ان سب کا شیعیت کے بارے میں موقف بھی ہمارے سامنے ہے۔ جس کا جی چاہے ان کو متعصب اور تنگ نظر کہہ لے، یا جو چاہے پھبتیاں کس لے۔ نہ اس سے ان کے موقف میں کوئی تبدیلی ہو گی، اور نہ ان کی شان میں کوئی کمی آئے گی۔ ...... ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

اعتذار :

ناچیز مدیر الفرقان کے مضمون "یہودیت اور ایرانی انقلاب" کی پہلی قسط گذشتہ ماہ (فروری ۸۷ء) کے شمارے میں شائع ہوئی تھی، اس شمارہ میں اس کی دوسری قسط جانی چاہیے تھی، لیکن گنجائش نہ رہ جانے کی وجہ سے اسے روک لینا پڑا۔ انشاء اللہ آئندہ شمارہ میں پیش کی جائے گی۔ ناظرین کرام کو مزید انتظار کی زحمت گوارا کرنی ہو گی، جس کے لئے راقم الحروف معذرت خواہ ہے ——— مدیر

[1] انشاء اللہ عنقریب اکابر اہل علم و تحقیق کا اجتماعی موقف ملت اسلامیہ ہندیہ کے سامنے پیش کیا جائے گا

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

کتاب الفضائل والمناقب (۶)

مرض وفات اور وفات (۲)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ فَاطِمَةَ ابنته في شكواه الذي قُبِضَ فيه فَسَارَّها بشيء فبكت ثم دعاها فسارّها فضحكت، قالت فسألتها عن ذالك فقالت سارّني النبي صلى الله عليه وسلم فاخبرني انه يقبض في وجعه الذي توفي فيه فبكيت ثم سارّني فاخبرني اني اوّلُ اهلِ بيته اتبعه فضحكتُ — رواه البخاری

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں (ایک دن) اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو (اپنے پاس) بلایا، اور رازداری کے طور پر ان سے کوئی بات کی تو وہ رونے لگیں، پھر آپ نے ان کو بلایا اور اسیطرح رازداری کے طور پر کوئی بات کی تو وہ ہنسنے لگیں۔ (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ) میں نے اس کے بارے میں ان سے پوچھا تو انھوں نے بتلایا کہ پہلی مرتبہ حضورؐ نے جب مجھ سے رازداری کے طور پر بات کی تھی تو مجھے یہ اطلاع دی تھی کہ آپ اسی مرض میں وفات پائیں گے (جس میں آپ کی وفات ہوئی) تو میں رنج اور صدمہ سے رونے لگی تھی آپ نے جب دوبارہ اسی طرح

راز داری سے بات کی تو آپ نے مجھے بتلایا کہ آپ کے گھر والوں میں سے سب سے پہلے
میں ہی آپ کے پیچھے روانہ ہوں گی (اور آپ سے جا ملوں گی) تو مجھے خوشی ہوئی اور میں
ہنسنے لگی (صحیح بخاری)

تشریح حدیث کا مضمون واضح ہے البتہ یہ ذکر کر دینا مناسب ہوگا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کی صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں یہ تفصیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات میں جس دن یہ واقعہ ہوا اور حضرت صدیقہؓ نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرنا چاہا کہ حضورؐ نے تم سے کیا بات فرمائی تھی جسکی وجہ سے تم پہلے رونے لگی تھیں اور پھر جلدی ہی ہنسنے لگی تھیں؟ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس دن نہیں تبلایا بلکہ یہ کہا کہ جو بات حضور نے راز داری کے ساتھ فرمائی ہے اس کو میں ظاہر نہیں کر سکتی ــــ پھر جب حضور کی وفات ہوگئی تو حضرت صدیقہ نے پھر ان سے دریافت کیا تو انھوں نے تبلایا کہ پہلی دفعہ حضور نے مجھے یہ تبلایا تھا کہ میں اسی مرض میں دنیا سے اٹھا لیا جاؤں گا تو میں رنج و صدمہ سے رونے لگی تھی۔ پھر جب دوسری دفعہ آپ نے مجھے تبلایا کہ آپ کے گھر والوں میں سب سے پہلے میں ہی آپ سے جا ملوں گی۔ تو رنج و غم کی کیفیت ختم ہوگئی اور میں خوشی سے ہنسنے لگی تھی ــ

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دونوں باتیں اسی طرح واقع ہوئیں، ایک یہ کہ حضور نے جیسا کہ فرمایا تھا اسی مرض میں وفات پائی، اور آپ کے بعد کے اہل و عیال میں سے سب سے پہلے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ہی وفات ہوئی، صرف چھ مہینے کے بعد ــــ یقیناً یہ ان پیشنگوئیوں میں سے ہے جو آپ کی نبوت کی روشن دلیل ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ عَلِیَّ بْنَ اَبِی طَالِبٍ خَرَجَ مِنْ عِنْدِ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی وجعہ الذی توفی فیہ فَقَالَ الناس یَا اَبَا حَسَنٍ کَیْفَ اَصْبَحَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال اَصْبَحَ بحمد اللّٰہ بَارِئًا، فاخذہ بِیَدِہٖ عباسُ بنُ عبدالمطلب فَقَالَ لہ اَنْتَ واللّٰہِ بَعْدَ ثلاثٍ عَبْدُ العَصَا، وَاِنِّی واللّٰہِ لَاَرٰی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سَوْفَ یُتَوَفّٰی فی وَجَعِہٖ ھٰذَا

اِنِّی لَاَعرِفُ وُجُوہَ بنی عبد المطلب عند الموت، اِذْھَبْ بنا الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فلنسئلہ فی من ھٰذا الامرُ؟ ان کان فینا عَلِمنا ذالک، وان کان فی غیرنا عَلِمنَاہُ فاوصیٰ بنا فقال علیؓ اِنَّا واللّٰہ لئن سَاَلنا ھا رسول اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فمنعنا ھا لا یعطینا ھا النّاسُ وانّی واللّٰہِ لا اسئلھا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم — رواہ البخاری

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کے ایام میں (ایک دن) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضورؐ کے پاس سے باہر نکل کر آئے تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال کیسا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ الحمد للہ آج حالت اچھی ہے (مرض میں افاقہ ہے) تو (ان کے چچا) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کے ان سے کہا کہ خدا کی قسم تین دن کے بعد تم دوسروں کے تابع اور محکوم ہو جاؤ گے، میں محسوس کر رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلد ہی وفات پا جائیں گے ــــ موت کے قریب وقت میں عبد المطلب کی اولاد کے چہروں کی جو کیفیت ہوتی ہے میں اس کو پہچانتا ہوں (اس پہچان اور تجربہ کی بنا پر میرا خیال ہے کہ آپؐ کا وقت قریب ہی ہے)، تم ہمارے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلو، ہم آپ سے دریافت کریں کہ (آپ کے بعد) یہ کام (یعنی کارِ خلافت ونیابت) کس کے پاس رہے گا؟ ــــ اگر ہمارے (یعنی اہل خاندان) کے سپرد ہونے والا ہوگا تو ہم کو معلوم ہو جائے گا، اور اگر ہمارے علاوہ کسی کے سپرد ہونے والا ہوگا تو ہم کو اس کا علم ہو جائے گا اور آپ ہمارے بارے میں وصیت فرما دیں گے ــــ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر ہم نے خلافت کے بارے میں آپ سے سوال کیا اور آپ نے ہم کو منع فرما دیا (یعنی خلافت ہم کو سپرد نہ کرنے کا فیصلہ فرما دیا) تو خدا کی قسم (آپ کے منع فرما دینے کے بعد) لوگ کبھی بھی ہم کو خلافت نہ دیں گے ــ تو میں تو خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خلافت کا سوال نہیں کروں گا۔

(صحیح بخاری)

(تشریح) یہ بات تو حدیث کے مضمون ہی سے معلوم ہو جاتی ہے کہ جو واقعہ اس میں بیان ہوا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کے آخری ایام کا ہے ــــــ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "فتح الباری" میں اس حدیث کی شرح میں ابن اسحاق کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ امام زہری جو اس حدیث کے راوی ہیں، ان کا بیان ہے کہ یہ خاص اسی دن صبح کا واقعہ ہے جس دن سہ پہر کو آپ نے وفات فرمائی ـــ

یہ بات بھی حدیث ہی سے معلوم ہو جاتی ہے کہ جس دن کا واقعہ اس میں بیان ہوا ہے اس کی صبح کو حضورؐ کی حالت بہ ظاہر ایسی اچھی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (جو آپ کے خاص تیمارداروں میں تھے) اپنے احساس اور اندازہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر کے ساتھ آپؐ کے بارے میں اپنے اطمینان کا اظہار کیا تھا اور دوسرے لوگوں کو مطمئن کرنا چاہا تھا ــــــ لیکن ان کے (اور خود حضورؐ کے بھی) چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہٗ (جو خاندان کے بوڑھے بزرگ اور زیادہ تجربہ کار تھے) اس کے برعکس حضورؐ کے چہرۂ انور میں وہ آثار محسوس کر لیے تھے جن سے ان کو اندازہ اور گویا یقین ہو گیا تھا کہ آپ جلدی ہی اس دنیا دار فانی سے دار البقا آخرت کی طرف رحلت فرمانے والے ہیں، اسی بنا پر انھوں نے حضرت علیؓ سے (جو حضورؐ کے حقیقی چچازاد بھائی ہونے کے علاوہ داماد بھی تھے) وہ بات کہی جو حدیث میں صراحت اور صفائی کے ساتھ ذکر کی گئی ہے، اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ نے وہ جواب دیا جو حدیث میں مذکور ہے ــــــ ہمارے زمانے کے ان لوگوں کو جو خلافت نبوت کو بھی بادشاہت اور حکومت ہی سمجھتے ہیں حضرت علیؓ کے اس جواب اور طرز عمل سے شبہ ہو سکتا ہے کہ ان کے دل میں بادشاہت اور حکومت کی طمع تھی (اور بعض ناآشنایانِ حقیقت نے اس کا اظہار بھی کیا ہے) لیکن حقیقت یہ ہے کہ خلافتِ نبوت دنیوی بادشاہت اور حکومت سے بالکل مختلف چیز ہے (ان دونوں میں ویسا ہی فرق ہے جیسا کہ دین اور دنیا میں فرق ہے) خلافتِ نبوت کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین حق کی دعوت و اشاعت، امت کی تعلیم و تربیت، اعلاء کلمۃ الحق، جہاد و قربانی، اور نظام عدل کے قیام کا جو کام وحی الٰہی کی رہنمائی میں نبی و رسول ہونے کی حیثیت سے جس طریق و منہاج پر اور جن اخلاقی اصولوں کی پابندی کے ساتھ انجام دے رہے تھے، وہی کام آپ کے بعد آپ کے جانشین اور قائم مقام کی حیثیت سے، اسی طریقہ و منہاج

پر اور انہی اصولوں کی پابندی کے ساتھ کتاب و سنت اور اسوۂ نبوی کی رہنمائی میں انجام دیا جائے ـــــ اسی کو خلافت نبوت اور خلافت راشدہ کہا جاتا ہے ــ ظاہر ہے کہ یہ "دنیوی بادشاہت" کی طرح پھولوں کی سیج نہیں، کانٹوں بھرا بستر ہے ـــــ اس کی طمع اور طلب اس بندۂ خدا کے لئے جو امید رکھتا ہو کہ اللہ کی مدد و توفیق سے وہ اس کا حق ادا کر سکیگا، ہرگز مذموم نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی سعادت ہے ــ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو توقع تھی کہ اگر قرعہ فال میرے نام پر آیا اور یہ خدمت عظمیٰ میرے سپرد ہوئی تو انشاء اللہ بتوفیق خداوندی میں اس کو کما حقہٗ انجام دے سکوں گا اس لئے اس کی طمع اور طلب ایک اعلیٰ درجہ کی سعادت کی طلب تھی ـــــ چنانچہ ازل سے طے شدہ ترتیب کے مطابق جب پہلے تین خلفائے راشدین کے بعد آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے خلیفہ منتخب ہوئے تو آپ نے کتاب و سنت کی رہنمائی میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کئے ہوئے اصولوں کی پابندی کے ساتھ کار خلافت انجام دیا، لیکن چونکہ آپ کا پورا دور خلافت فتنوں کا زمانہ تھا (جن میں امت حضرت عثمان کی انتہائی مظلومانہ شہادت کی پاداش میں مبتلا کردی گئی تھی) اس لئے آپ کا پورا وقت اور تمام تر قوت و صلاحیت فتنوں کی آگ بجھانے میں صرف ہوئی اور مثبت تعمیر کا آپ کو وقت ہی نہ ملا ـــــ وکان ذالک قدرا مقدورا۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا حُضِرَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَفِی الْبَیْتِ رِجَالٌ فِیْهِمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللّٰه علیہ وسلم هَلُمُّوا اَکْتُبْ لَکُمْ کِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ فَقَالَ عمر غلبه الْوَجَعُ وَعِنْدَکُمُ الْقُرْاٰنُ حسبکم کِتَابُ اللّٰهِ فَاخْتَلَفَ اَهْلُ الْبَیْتِ وَاخْتَصَمُوْا فَمِنْهُمْ مَنْ یَقُوْلُ قَرِّبُوْا یَکْتُبْ لَکُمْ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وَمِنْهُمْ من یقول مَا قَالَ عُمَرُ فَلَمَّا اَکْثَرُوا اللَّغَطَ وَالْاِخْتِلَافَ قَالَ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قُوْمُوْا عَنِّیْ ـــــ قَالَ عُبَیْدُ اللّٰهِ فَکَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ یَقُوْلُ اِنَّ الرَّزِیَّةَ کُلَّ الرَّزِیَّةِ مَا حَالَ بَیْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم وبین ان یَکْتُبَ لَهُمْ ذالک الکتاب لاختلافهم

وَلَفْظُهُمْ ــــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ (ایک دن) جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آگیا تھا اور (حضورؐ کے پاس) گھر میں چند اشخاص تھے، جن میں ایک حضرت عمر بن الخطابؓ بھی تھے، آپؐ نے فرمایا آؤ میں لکھدوں (یعنی لکھا دوں) تمھارے لئے ایک نوشتہ کہ ہرگز گمراہ نہ ہوگے تم اس کے بعد۔ تو کہا حضرت عمرؓ نے (لوگوں سے) کہ حضورؐ کو اس وقت سخت تکلیف ہے اور تمھارے پاس قرآن موجود ہے اور وہ اللہ کی کتاب تمھارے لئے (یعنی تمھاری ہدایت کیلئے اور گمراہی سے حفاظت کے لئے) کافی ہے پس جو لوگ اس وقت (حضور کے پاس) گھر میں تھے ان کی رائیں مختلف ہوگئیں اور وہ آپس میں بحث کرنے لگے، ان میں سے کچھ کہتے تھے کہ (لکھنے کا سامان) آپؐ کے پاس لے آؤ تاکہ آپؐ وہ لکھا دیں (جو لکھانا چاہتے ہیں) اور بعض وہ کہتے تھے جو حضرت عمرؓ نے کہا تھا تو جب (اس بحث ومباحثہ کی وجہ سے) اختلاف اور شور وشغب زیادہ ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس سے چلے جاؤ ــــ

حضرت ابن عباس سے اس واقعہ کے روایت کرنے والے راوی عبید اللہ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس اس واقعہ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ مصیبت ساری مصیبت وہ ہے جو حائل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اور اس نوشتہ کی کتابت کے درمیان (جو آپ لکھانا چاہتے تھے) ان لوگوں کے باہمی اختلاف رائے اور شور وشغب کی وجہ سے۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا حضرت عبداللہ بن عباس سے اس واقعہ کی یہ روایت عبید اللہ بن عبداللہ کی ہے۔ حضرت ابن عباس کے ایک دوسرے شاگرد سعید بن جبیر نے بھی ان سے اس واقعہ کی روایت کی ہے، اس میں چند باتوں کا اضافہ ہے، وہ روایت بھی صحیحین ہی میں ہے۔ اس کو بھی ذیل میں درج کیا جاتا ہے تاکہ پورا واقعہ سامنے آجائے ــــ سعید بن جبیر راوی ہیں۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَوْمُ الْخَمِيسِ وَمَا يَوْمُ الْخَمِيسِ ثُمَّ بَكَى حَتَّى بَلَّ دَمْعُهُ الْحَصَى قُلْتُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ وَمَا يَوْمُ الْخَمِيسِ؟ قَالَ اشْتَدَّ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعُهُ فَقَالَ ائْتُونِي بِكَتِفٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا

تَضِلُّوا بَعْدَهٗ اَبَدًا فَتَنَازَعُوا وَلَا یَنْبَغِیْ عِنْدَ نَبِیٍّ تَنَازُعٌ فَقَالُوْا مَا شَأْنُهٗ اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ فَذَهَبُوْا یَرُدُّوْنَ عَلَیْهِ فَقَالَ دَعُوْنِیْ ذَرُوْنِیْ فَالَّذِیْ اَنَا فِیْهِ خَیْرٌ مِمَّا تَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْهِ فَاَمَرَهُمْ بِثَلٰثٍ فَقَالَ اَخْرِجُوا الْمُشْرِکِیْنَ مِنْ جَزِیْرَةِ الْعَرَبِ وَاَجِیْزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا کُنْتُ اُجِیْزُهُمْ وَسَکَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ اَوْ قَالَهَا فَنَسِیْتُهَا — قَالَ سُفْیَانُ هٰذَا مِنْ قَوْلِ سُلَیْمَانَ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

(سعید ابن جبیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن) حضرت ابن عباس نے کہا کہ (ہائے) جمعرات کا دن اور کیسا تھا جمعرات کا وہ دن (یہ کہہ کر) وہ ایسے روئے کہ ان کے آنسوؤں سے فرش زمین کے سنگریزے تر ہوگئے۔ میں نے عرض کیا کہ اے ابن عباس کیا تھا وہ جمعرات کا دن؟ (جس کو آپ اس طرح یاد کر رہے ہیں) تو انھوں نے بیان کیا کہ (جمعرات کا دن تھا) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری بڑھ گئی تو (اسی حالت میں) آپ نے فرمایا کہ کَتِف (شانہ کی ہڈی) لے آؤ میں تمھارے لئے ایک تحریر لکھوا دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ تو اس معاملہ میں (ان لوگوں میں جو اس وقت آپ کے پاس حاضر تھے) اختلاف رائے ہوگیا — اور نبی کے پاس تنازعہ اور اختلاف نہ ہونا چاہیئے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ کیا آپؐ ہم کو چھوڑ رہے ہیں (داغ مفارقت دے رہے ہیں) آپ سے دریافت کرو (کیا فرماتے ہیں اور کیا غرض ہے؟) پھر لوگ آپ سے بار بار اس بارے میں عرض کرنے لگے تو آپ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو، میں جس شغل اور جس حال میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو — پھر آپ نے تین باتوں کا حکم فرمایا ایک یہ کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے باہر کر دیا جائے، اور (حکومتوں یا قبیلوں کی طرف سے آنے والے) وفود یا قاصدوں کے ساتھ اسی طرح کا حسن سلوک کیا جائے جس طرح میں کیا کرتا تھا —

— سعید بن جبیر سے اس حدیث کے روایت کرنے والے راوی سلیمان کہتے ہیں کہ سعید بن جبیر نے یا تو تیسری بات بیان ہی نہیں کی یا میں بھول گیا۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) ایک ہی واقعہ سے متعلق حضرت عبداللہ ابن عباس کے یہ دو بیان ہیں ان میں کوئی

اختلاف اور تضاد نہیں ہے صرف بعض اجزا کی کمی زیادتی کا فرق ہے، بظاہر اس کا سبب یہ ہے کہ جب حضرت ابن عباس نے یہ واقعہ عبید اللہ بن عبد اللہ کے سامنے بیان کیا تو صرف وہ اجزاء بیان کئے جو پہلی روایت میں ذکر کئے گئے ہیں، اور اس وقت حضورؐ کے پاس حضرت عمرؓ کا ہونا اور انھوں نے جو فرمایا تھا اس کا بھی ذکر کیا۔ اور جب سعید بن جبیر کے سامنے بیان کیا تو اس میں حضرت عمرؓ کا تو کوئی ذکر نہیں کیا لیکن کئی باتیں وہ بیان کیں جو پہلے بیان میں ذکر نہیں کی تھیں۔ اور ایسا بکثرت ہوتا ہے۔

دونوں روایتوں کو پیش نظر رکھا جائے تو پورا واقعہ اس طرح سامنے آتا ہے کہ جمعرات کا دن تھا، (یعنی وفات سے پانچ دن پہلے، کیونکہ یہ بات قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہے کہ حضورؐ کی وفات دوشنبہ کو ہوئی) تو اس جمعرات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں شدت ہوگئی، بخار بہت تیز ہوگیا اور تکلیف بہت بڑھ گئی، اس وقت آپ کے پاس چند حضرات تھے ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے، اسی حالت میں حضورؐ نے فرمایا کہ لکھنے کا سامان لے آؤ میں چاہتا ہوں کہ تمھارے لئے ایک تحریر لکھوا دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے (صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے "ایتونی بالکتف والدواۃ" یعنی شانہ کی ہڈی اور دوات لے آؤ[1]) اس موقع پر حضرت عمرؓ نے وہاں موجود دوسرے لوگوں سے کہا کہ اس وقت حضورؐ کو بہت تکلیف ہے آپ ہی کے ذریعہ آیا ہوا قرآن مجید تمھارے پاس موجود ہے، ہماری تمھاری ہدایت کے لئے اور ہر طرح کی ضلالت اور گمراہی سے بچانے کے لئے اللہ کی وہ کتاب کافی ہے (جیسا کہ خود قرآن میں بار بار فرمایا گیا ہے) حاضرین میں اس بارے میں اختلاف رائے ہوگیا، کچھ حضرات نے کہا کہ لکھنے کا سامان لانا چاہئے تاکہ حضورؐ جو لکھوانا چاہتے ہیں وہ لکھا جائے، اور کچھ حضرات نے وہ کہا جو حضرت عمر نے کہا تھا کہ اس سخت تکلیف کی حالت میں حضورؐ کو کچھ لکھوانے کی زحمت نہ دی جائے اللہ تعالیٰ کی

---

[1] ملحوظ رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خاص کر حجاز میں کاغذ بہت کم دستیاب ہوتا تھا، اس وجہ سے جب کچھ لکھنا ہوتا تو مختلف چیزوں پر لکھا جاتا تھا، ان میں سے ایک جانور کے شانہ کی ہڈی بھی تھی، اس پر اسی طرح لکھا جاتا تھا جس طرح لکڑی یا پتھر کی تختی پر لکھا جاتا ہے۔

کتاب ہدایت قرآن مجید کافی ہے ۔۔۔ اسی موقع پر بعض حضرات نے کہا "مَاشَانُہٗ اَھَجَرَ اِسْتَفْھِمُوْہُ" (حضورؐ کا کیا حال ہے، کیا آپ جدائی اختیار فرمارہے ہیں ہم کو چھوڑ کے جارہے ہیں؟ آپ سے دریافت کرو) پھر لوگ اس بارے میں بار بار آپ سے عرض کرتے رہے۔ اس سے آپ کی توجہ الی اللہ اور اس وقت کی خاص قلبی کیفیت میں خلل پڑا، آپ نے فرمایا اس وقت تم لوگ مجھے چھوڑ دو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش نہ کرو میں میں جس شغل اور جس حال میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلارہے ہو (یعنی میں اس وقت اپنے ربِ کریم کی طرف متوجہ ہوں اس کے حضور میں حاضر ہونے کی تیاری کر رہا ہوں اور تم مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو مجھے چھوڑ دو"۔۔۔۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس کے بعد آپ نے اسی مجلس میں تین باتوں کا حکم فرمایا۔ ایک یہ کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے باہر کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ حکومتوں یا قبیلوں کی طرف سے آنے والے وفود اور قاصدوں کے ساتھ اسی طرح حسن سلوک کیا جائے (ان کو مناسب تحائف دیئے جائیں) جیسا کہ میرا طرز عمل رہا ہے ۔۔۔۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سے اس حدیث کے روایت کرنے والے سعید بن جبیر کے شاگرد سلیمان نے تین باتوں میں سے یہی دو باتیں بیان کیں، اور تیسری بات کے بارے میں کہا کہ یا تو سعید بن جبیر نے وہ بیان ہی نہیں کی تھی یا میں بھول گیا ہوں۔

یہ ہے پورا واقعہ جو "حدیث قرطاس" کے نام سے معروف ہے۔ اس میں چند باتیں خاص طور سے قابل لحاظ اور وضاحت طلب ہیں۔

ایک یہ کہ یہ واقعہ جمعرات کے دن کا ہے، اس کے پانچویں دن دوشنبہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں رہے، ان دنوں میں آپ نے وہ تحریر نہیں لکھوائی بلکہ اسکے لکھوانے کا کسی دن ذکر بھی نہیں فرمایا، یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اس تحریر کے لکھوانے کا آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہیں ہوا تھا، بلکہ آپ کو بطور خود ہی اس کا خیال ہوا تھا، اور بعد میں خود آپ کی رائے اس کے لکھانے کی نہیں رہی ۔۔۔ اگر اسکے لکھوانے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہوتا یا آپ کی رائے میں تبدیلی نہ ہوئی ہوتی اور آپ کے نزدیک گمراہی سے امت کی حفاظت کے لئے اس کا لکھانا ضروری ہوتا تو ان پانچ دنوں میں آپ اس کو ضرور لکھواتے، اور اس کا نہ لکھوانا (معاذ اللہ

فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی ہوتی (حاشا، ثم حاشا) ــــ اور یہ بالکل اسی طرح ہوا جس طرح آپ نے اسی مرض وفات کے بالکل ابتداء میں[1] حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے بارے میں تحریر لکھوانے کا اور اس کے لئے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن کو بلوانے کا بھی ارادہ فرمایا تھا۔ لیکن بعد میں خود آپ نے اس کو غیر ضروری سمجھ کر اس کے لکھانے کا خیال چھوڑ دیا ــــ اور فرمایا کہ "یَأبَیَ اللّٰہُ والمؤمنونَ اِلَّا اَبَابَکر"، تو سمجھنا چاہیے کہ جمعرات کے دن کے اس واقعہ میں بھی ایسا ہوا اور خود حضور نے اس تحریر کا لکھانا غیر ضروری سمجھ کر اس کے لکھانے کا ارادہ ترک فرمادیا۔

اس حدیث قرطاس کے بارے میں ایک دوسری قابل لحاظ بات یہ ہے کہ جب حضورؐ نے تیز بخار اور شدید تکلیف کی حالت میں تحریر لکھوانے کے لئے لکھنے کا سامان لانے کے لئے فرمایا، تو حضرت عمرؓ نے جو اس وقت حاضر خدمت تھے حضورؐ سے تو کچھ عرض نہیں کیا البتہ حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت کی غیر معمولی حالت اور تکلیف کی شدت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ان سے کہا کہ اس وقت حضورؐ کو سخت تکلیف ہے (اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ اس حالت میں ہم لوگوں کو کچھ لکھوانے کی زحمت حضورؐ کو نہیں دینا چاہیے۔ خود قرآن مجید کے نصوص اور حضورؐ کی تعلیم و تربیت سے یہ یقین ان کے اندر پیدا ہو گیا تھا کہ انسانی دنیا کی ہدایت اور ہر قسم کی گمراہی اور ضلالت سے حفاظت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ آئی ہوئی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہدایت قرآن مجید کافی ہے۔ اس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے" مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ اور تِبْیَانًا لِکُلِّ شَیْءٍ" اور تَفْصِیْلًا لِکُلِّ شَیْءٍ۔ اور ابھی حجۃ الوداع" میں یہ آیت نازل ہو چکی ہے " اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ " ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح اعلان فرمادیا ہے کہ انسانی دنیا کی ہدایت کے لئے جو کچھ بتلانا ضروری تھا وہ قرآن میں بیان فرمادیا گیا، اس سلسلہ کی کوئی ضروری بات بیان کرنے سے نہیں چھوڑی گئی ہے۔ دین یعنی ضابطۂ حیات و ہدایت

---

[1] اس حدیث کی جو روایت صحیح بخاری کتاب المرضیٰ "باب قول المریض وارأساہ" میں ہے اس میں جو الفاظ روایت کے ہیں ان سے یہ متعین ہو جاتا ہے کہ یہ واقعہ حضورؐ کے ابتدائے مرض کا ہے (صحیح بخاری ص ۸۴۶ طبع رشیدیہ دہلی)

بالکل مکمل ہوگیا ہے۔ اس لئے ہم لوگوں کو حضورؐ کو کچھ لکھانے کی زحمت اس تکلیف کی حالت میں نہ دینی چاہیئے) قرآن آپ لوگوں کے پاس موجود ہے، اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہماری آپ کی ہدایت کے لئے اور ہر قسم کی ضلالت اور گمراہی سے حفاظت کے لئے کافی ہے (عِنْدَكُمُ الْقُرْآنُ حَسْبُكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ)

جیسا کہ عرض کیا گیا اس مجلسی گفتگو کے بعد حضورؐ پانچ دن تک اس دنیا میں رہے، اور وہ تحریر نہیں لکھوائی، بلکہ اس کے بعد کبھی اس کا ذکر بھی نہیں فرمایا۔ آپ کے اس طرز عمل نے حضرت عمرؓ کی اس رائے کی تصویب وتائید فرمادی۔ بلاشبہ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عظیم فضائل ومناقب میں سے ہے۔ شارحین حدیث نے عام طور سے یہی سمجھا اور یہی لکھا ہے۔

اس حدیث قرطاس کے سلسلہ میں ایک تیسری قابل لحاظ بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباس کی اس روایت میں (جو صحیحین کے حوالہ سے یہاں درج کی گئی ہے) اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ حضورؐ نے لکھنے کا سامان لانے کا حکم کس کو دیا تھا۔ لیکن اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں مسند احمد کے حوالہ سے خود حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں صراحت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے کا سامان لانے کا حکم اُنہی کو دیا تھا خود حضرت علی مرتضیٰ کا بیان ہے کہ:۔

اَمَرَنِي النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم اَنْ آتِيَه بِطَبَقٍ (اى كَتِفٍ) يَكْتُبُ مَالَا تَضِلُّ اُمَّتُهٗ بَعْدَهٗ۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو حکم فرمایا تھا کہ میں طبق (یعنی کتف) لے آؤں تاکہ آپ ایسی تحریر لکھوا دیں جس کے بعد آپ کی امت کبھی گمراہ نہ ہو۔

(فتح الباری جز اول ص ۱۰۶
طبع انصاری دھلی ۱۳۰۷ھ)

یہ معلوم ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ لکھنا جانتے تھے، ان کو لکھنے کا سامان لانے کے لئے حکم فرمانے کا مطلب بظاہر یہی تھا کہ وہ لکھنے کا سامان لے آئیں اور حضورؐ جو لکھوانا چاہتے ہیں وہ اس کو لکھیں ــــ اور یہ بات بطور واقعہ معلوم اور مسلم ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے بھی

وہ تحریر نہیں لکھی — یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ کی طرح انھوں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ حضورؐ اس شدید تکلیف کی حالت میں کچھ لکھوانے کی زحمت نہ فرمائیں۔ اور غالباً انکی رائے بھی یہی ہوئی کہ امت کی ہدایت اور ہر قسم کی ضلالت سے حفاظت کے لئے کتاب اللہ کافی ہے۔

اس حدیث میں ایک اور وضاحت طلب بات یہ ہے کہ سعید بن جبیر کی مندرجہ بالا روایت کے مطابق جب حضورؐ نے لکھنے کا سامان لانے کا حکم فرمایا تو بعض لوگوں نے کہا "ماشانہ اَھَجَرَ اِسْتَفْھِمُوہ" اس کا صحیح مطلب سمجھنے کے لیے یہ صورتِ حال پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ جب حضورؐ نے بیماری کی شدت اور سخت تکلیف کی حالت میں بطور وصیت ایسی تحریر لکھوانے کا ارادہ ظاہر فرمایا جس کے بعد آپ کی امت کبھی گمراہ نہ ہو تو بعض حضرات کو محسوس ہوا کہ شاید حضورؐ کا سفرِ آخرت کا وقت قریب آگیا ہے اس وجہ سے بطور وصیت ایسی تحریر لکھوانے کا ارادہ فرما رہے ہیں۔ یہ لوگ اس احساس سے سخت مضطرب اور بےچین ہو گئے اور انھوں نے اس اضطراب اور بےچینی کی حالت میں کہا ماشانہ اَھَجَرَ اِسْتَفْھِمُوہ" (حضورؐ کا کیا حال ہے، کیا آپؐ جدائی اختیار فرما رہے ہیں، ہم کو چھوڑ کے جا رہے ہیں؟ آپ سے دریافت کیا جائے) اس میں لفظ ھجر ہجر سے مشتق ہے جس کے معنی جدائی اختیار کرنے اور چھوڑ کے جانے کے ہیں۔ — یہ لفظ اسی معنی میں اردو میں بھی مستعمل ہے، "وصل" کے مقابلہ میں "ہجر" بولا جاتا ہے اور ہجرت کے معنی ترک وطن کے ہیں — بعض حضرات نے اس کو ھُجر سے مشتق سمجھا۔ جس کے معنی ہیں بیمار آدمی کا بیہوشی کی حالت میں بہکی بہکی باتیں کرنا۔ جس کو ہذیان کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں حدیث کے اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ حضورؐ کچھ لکھوانے کے لئے جو فرما رہے ہیں کیا یہ ہذیان ہے؟ آپ سے دریافت کرو۔ — ظاہر ہے کہ یہ مطلب کسی طرح درست نہیں ہو سکتا، کیونکہ جو مریض بیہوشی کی حالت میں بہکی بہکی باتیں کرتا ہو وہ ایسے حال میں نہیں ہوتا کہ اس سے کچھ دریافت کیا جائے — الغرض "اِسْتَفْھِمُوہ" کا لفظ اس کا قرینہ ہے کہ "ہجر" کا لفظ ھُجر سے مشتق نہیں ہے جس کے معنی ہذیان کے ہیں۔

اس کے علاوہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ "لکھنے کا سامان لے آؤ میں ایک تحریر لکھوا دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے" یہ ہرگز ایسی بات نہیں تھی جس کے بارے میں کسی کو ہذیان کا شبہ

بھی ہو ـــــ اگرچہ "اَہَجَرَ" کو استفہام انکاری قرار دیکر یہ معنی بھی بن سکتے ہیں، لیکن واقعہ یہی ہے کہ یہاں اس لفظ کا ہذیان کے معنی میں ہونا بہت مستبعد ہے۔

حدیث کے اس جملہ "اَہَجَرَ اِسْتَفْہِمُوْہُ" کے بارے میں یہ بات بھی خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ اس کے کہنے والے حضرت عمرؓ نہیں ہیں، یہ بات کچھ دوسرے حضرات نے کہی تھی جن کے نام بھی حدیث میں مذکور نہیں ہیں بلکہ فقالوا کا لفظ ہے (یعنی کچھ لوگوں نے کہا) شیعہ مصنفین حضرت عمرؓ کو بعن طعن کا نشانہ بنانے کے لئے یہ جملہ زبردستی ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ انھوں نے حضورؐ کے اس ارشاد کو ہذیان کہا (معاذ اللہ) حالانکہ اہل سنت کی حدیث کی کسی معتبر کتاب میں کوئی روایت نہیں ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ یہ بات حضرت عمرؓ نے فرمائی تھی ـــــ انھوں نے اس موقع پر وہی فرمایا تھا جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مندرجہ پہلی روایت میں ذکر کیا گیا ہے (عندکم القرآن حسبکم کتاب اللہ)

ہاں "اَہَجَرَ اِسْتَفْہِمُوْہُ" بھی بعض صحابہ کرام ہی نے کہا تھا لیکن اس کا مطلب وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا اور وہ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے عشق و محبت کی دلیل ہے ـــــ

شارحین حدیث نے اس حدیث کی شرح میں اس پر بھی گفتگو کی ہے کہ آپ نے جو فرمایا تھا کہ "لکھنے کا سامان لے آؤ میں تمھارے لئے ایسی تحریر لکھوادوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے" ـــــ تو آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے؟ اس سلسلہ میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں لیکن ظاہر ہے کہ سب قیاسات ہیں ـــــ شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ حضورؐ حضرت علیؓ کے لئے خلافت نامہ لکھوانا چاہتے تھے، جو حضرت عمرؓ کی مداخلت کی وجہ سے نہیں لکھا جا سکا لیکن واقعہ یہ ہے کہ شیعوں کے لئے اس کے   کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیوں کہ ان کا دعویٰ ہے اور اسی پر ان کے بنیادی عقیدہ امامت کی بلکہ ان کے پورے مذہب کی بنیاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع سے واپسی میں وفات سے صرف ستر بہتر دن پہلے غدیر خم کے مقام پر سفر حج کے تمام رفقاء ہزاروں مہاجرین و انصار کو خاص اہتمام سے جمع کرا کے منبر پر کھڑے ہو کر (جو خاص اسی کام کے لئے تیار کرایا گیا تھا) اپنے بعد

کے لئے حضرت علیؓ کی خلافت وامامت کا اعلان فرمایا تھا، اور صرف اعلان ہی نہیں فرمایا تھا بلکہ حضرت علی کے لئے سب سے بیعت بھی لی تھی (اگرچہ ہمارے نزدیک یہ صرف گھڑا ہوا افسانہ ہے، لیکن شیعہ حضرات کا تو اس پر ایمان ہے اور ان کی مستند ترین کتابوں "الجامع الکافی" اور احتجاج طبرسی وغیرہ میں اس کی پوری تفصیلات ہیں)۔ تو جب ایک کام ہو چکا اور ہزاروں کے مجمع میں اس شان اور اس دھوم دھام سے ہو چکا تو اس کے لئے بطور وصیت کچھ لکھوانے کی کیا ضرورت رہی ـــــــ ہاں اس حدیث کی شرح میں جن حضرات نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ حضورؐ نے اپنے بعد کے لئے حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے بارے میں تحریر لکھوانے کا ارادہ فرمایا تھا لیکن بعد میں جب آپکو یہ اطمینان ہوگیا کہ تقدیر الٰہی میں یہ طے ہو چکا ہے تو آپ نے تحریر لکھوانے کا ارادہ ترک فرمادیا تو یہ بات قابل فہم ہے ـــــــ علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث قرطاس کی شرح میں لکھا ہے۔

قال البیھقی وقد حکی سفیان بن عیینہ عن اھل العلم قیل ان النبیّ علیہ الصلوٰۃ والسلام اراد ان یکتب استخلاف ابی بکر رضی اللہ عنہ ثم ترک ذلک اعتماداً علی ما علمہ من تقدیر اللہ تعالیٰ ذلک کما ھمّ فی اول مرضہ حین قال وارأساہ ثم ترک الکتاب وقال "یابی اللہ والمومنون الّا ابابکر" ثم تذمہ فی الصلوٰۃ۔	امام بیہقی نے بیان کیا ہے کہ سفیان بن عیینہ نے (جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں) اہل علم سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمادیں (اور اس کے لئے تحریر لکھوادیں) پھر آپ نے یہ معلوم ہونے پر کہ تقدیر الٰہی میں یہ طے ہو چکا ہے اسکے لکھانے کا خیال ترک فرمادیا جیسا کہ اسی مرض کے ابتدا میں (جب آپ نے فرمایا تھا وارأساہ) حضرت ابو بکر کی خلافت کے بارے میں تحریر لکھوانے کا خیال فرمایا تھا پھر لکھوانے کا خیال ترک فرمادیا تھا اور فرمایا تھا "یابی اللہ والمومنون

(عمدۃ القاری ص۱۸۱ ج۲ طبع مصر) الا ابا بکر (اور بجائے کچھ لکھوانے کے آپ نے ان کو نماز کی امامت کرنے کا حکم فرمادیا (یہ گویا عملی استخلاف تھا)

ملحوظ رہے کہ سفیان بن عیینہ تبع تابعین میں سے ہیں، انھوں نے جن "اہل علم" سے نقل کیا ہے ان میں غالباً حضرات تابعین بھی ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث قرطاس کے بارے میں یہ رائے کہ حضورؐ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں تحریر لکھوانے کا ارادہ فرمایا تھا حضرات تابعین کی بھی رہی ہے۔

اس حدیث قرطاس کی تشریح کے سلسلہ میں یہاں تک جو کچھ لکھا گیا وہ اس کو تسلیم کرکے لکھا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے کا سامان لانے کے لئے جو فرمایا تھا وہ کچھ لکھوانے کی نیت ہی سے فرمایا تھا اور آپ کا ارادہ اس وقت کوئی تحریر لکھوانے کا تھا (جو بعد میں نہیں رہا اور آپ نے کچھ نہیں لکھوایا) لیکن حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اسی حدیث قرطاس کی تشریح کے سلسلہ میں ایک احتمال یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ دراصل حضورؐ کا ارادہ کچھ تحریر کرانے کا تھا ہی نہیں بلکہ آپ اپنے صحابہ کا امتحان لینا چاہتے تھے اور دیکھنا چاہتے تھے کہ ان کے قلوب میں یہ بات پوری طرح راسخ ہوگئی یا نہیں کہ اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید امت کی ہدایت کے لئے کافی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کہا "عندکم القرآن حسبکم کتاب اللہ" اور حاضرین مجلس میں سے اور لوگوں نے بھی اس کی تائید کی تو حضورؐ کو اطمینان ہوگیا۔ (فتح الباری ص۱۰۱ جز۱۸ طبع انصاری دہلی ۱۳۰۷ھ)

ملحوظ رہے کہ قرآن مجید میں جابجا اطیعوا اللہ کے ساتھ اطیعوا الرسول فرماکر اور دوسرے عنوانات سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام وارشادات کی تعمیل اور آپ کے طریقہ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اس لئے وہ بھی قرآن کی ہدایت میں شامل ہے۔ اور قرآن مجید اس کو بھی حاوی ہے۔ اسلئے یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ "حسبکم کتاب اللہ" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور ہدایت سے استغنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا آخری جزیہ ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مجلس میں تین باتوں کا حکم خاص طور سے دیا (صحیح بخاری ہی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں "واوصاھم بثلاث" یعنی آپ نے اس موقع پر زبانی ہی تین باتوں کی وصیت فرمائی) ایک یہ کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دیا جائے (واضح رہے کہ یہاں مشرکین سے مراد عام کفار ہیں خواہ مشرکین ہوں یا اہل کتاب، دوسری روایات میں "اخرجوا الیھود والنصاریٰ" بھی ہے، مطلب یہ ہے کہ "جزیرۂ عرب" اسلام کا مرکز اور خاص قلعہ ہے اس میں صرف اہل اسلام کی آبادی ہونی چاہیے اہل کفر کو آبادی کی اجازت نہ دی جائے اور جو ابھی تک آباد ہیں ان کو اس علاقہ سے باہر بسا دیا جائے۔ (حضورؐ کے اس حکم اور وصیت کی تعمیل کی سعادت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی، انھوں نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس کی تکمیل فرمادی) جزیرۂ عرب کے حدود اور رقبہ کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، راجح یہ ہے کہ اس حدیث میں جزیرۂ عرب سے مراد مکہ مکرمہ۔ مدینہ منورہ۔ یمامہ اور ان سے متصل علاقے ہیں۔

دوسری وصیت آپ نے یہ فرمائی تھی کہ حکومتوں یا قبیلوں یا علاقوں کے جو وفود اور قاصد آئیں (اگرچہ وہ غیر مسلم ہوں) ان کے ساتھ حسن سلوک کا ویسا ہی معاملہ کیا جائے جو میرا معمول ہے۔ آپؐ ان کو مناسب تحائف بھی عطا فرماتے تھے۔ حضورؐ کا یہ حسن سلوک قدرتی طور پر ان کو متاثر کرتا تھا —— یہ دو باتیں ہوئیں۔ تیسری وصیت کے بارے میں حدیث کے ایک راوی سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ اس حدیث کے روایت کرنے والے ہمارے شیخ سلیمان نے بھی دو باتیں بیان کیں اور تیسری بات کے بارے میں کہا کہ یا تو حضرت ابن عباس کے شاگرد سعید بن جبیر نے وہ بیان ہی نہیں کی تھی یا میں بھول گیا ہوں — شارحین نے مختلف قرینوں کی بنیاد پر اس تیسری وصیت کو بھی متعین کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ آپؐ کی وہ تیسری وصیت یہ تھی کہ اللہ کی کتاب قرآن کو مضبوطی سے تھامے رہنا۔ بعض دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ وہ تیسری وصیت یہ تھی کہ "لا تتخذوا قبری وثناً یعبد" (یعنی ایسا نہ ہو کہ میری قبر کو بت بنا کر اسکی پرستش کی جائے)۔ موطا امام مالک میں "اخرجوا الیھود" کے ساتھ حضورؐ کی یہ وصیت بھی روایت کی گئی ہے۔ بہر حال یہ سب قیاسات ہیں۔ تاہم یہ سب ہی حضور کے ارشادات اور آپکی ہدایات ہیں۔

مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی

تیسری اور آخری قسط

حضرت گنگوہیؒ کے ایک گمنام شاگرد

اور خلیفہ مجاز

حضرت مولانا

صدیق احمد کاندھلویؒ

مولانا کو علوم متداولہ معقولات و منقولات سب پر بڑی دسترس تھی، لیکن طبعی دلچسپی اور مناسبت حدیث اور خصوصاً فقہ سے رہی، اس وقت کے ارباب فقہ و فتاویٰ میں مولانا کی خاص حیثیت اور تعارف تھا کثرت سے فتاویٰ اور علمی استفسارات آتے مگر افسوس کہ ان جوابات کی نقل و حفاظت کا کوئی انتظام نہیں تھا اس لئے وہ سب ضائع ہوئے، مولانا کی واحد مطبوعہ علمی تحریر شب برات کے موضوع و متعلقات پر حضرت تھانوی سے مفصل مراسلت ہے جو امداد الفتاویٰ میں شامل ہے[1] اور مولانا کی حدیث و فقہ پر نظر تجر علمی اور حسن استدلال کا نمونہ ہے۔ مولانا نے فقہ و فتاوی سے متعلق متعدد موضوعات پر مستقل رسائل لکھے مولانا کے فرزند مولوی شبیر احمد صاحب کی روایت ہے کہ مولانا نے بحر الرائق یا زیلعی شرح کنز الدقائق پر مفصل حاشیہ لکھا تھا مگر وہ کہاں گیا، کیا ہوا کچھ معلوم نہیں۔ اس وقت تحریری باقیات میں ایک مفصل فتویٰ جو مرض الموت کی تحقیق پر مشتمل ہے اور دو کتابیں محفوظ ہیں۔

(۱) قلائد العقیان فی دلائل فروع ابی حنیفۃ النعمان۔

---

[1] رجوع فرمائیے امداد الفتاویٰ، حکیم الامت تھانوی ص۱۸ تا ص۳۲ ج ۴ ط کراچی: ۱۳۸۷ھ)

(۲) اثبات تحریک خلافت، وجواز ترک موالات

اول الذکر عربی میں محققانہ عالمانہ مفصل کتاب ہے۔ اور ثانی الذکر بھی فقہی عالمانہ انداز لئے ہوئے مگر اردو میں ہے اور مختصر سا رسالہ ہے دونوں کا قدرے مفصل تعارف درج ذیل ہے:

"قلائد العقیان فی دلائل فروع ابی حنیفۃ النعمان رضؓ" فقہ حنفی کے حدیثی مستدلات کے موضوع پر ایک اہم تالیف ہے، جس زمانہ میں مولانا صدیق احمد تعلیم پا رہے تھے وہ زمانہ تقلید اور عدم تقلید کے مباحث سے پرشور تھا، احناف اور غیر مقلدین دونوں کی طرف سے کتابیں نکل رہی تھیں مناظرے ہو رہے تھے، جن کی دوسری مباحث وعنوانات کے علاوہ سب سے اہم اور چلا ہوا اعتراض یہ تھا کہ ائمہ فقہ کے چاروں معروف طریقوں میں سے کوئی ایک بھی حدیث وسنت کے مطابق نہیں، خصوصاً حنفیت تو سراسر رائے اور قیاس پر مبنی ہے، علمائے حنفیہ نے بار بار اس اعتراض کی کمزوری واضح کی اور معترضین کی غلط فہمی کا ازالہ کرنے کی پوری پوری کوشش کی مگر معترضین اپنی کج بحثی اور ناوک فگنی سے باز نہیں آئے اور اس اعتراض کے تکرار سے شرمندہ نہ ہوئے تو حزب ولی اللّٰہی کے دو نامور فرزندوں کو جس میں ایک دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے اور ایک حضرت گنگوہی کے شاگرد (یعنی حکیم الامت تھانوی اور مولانا صدیق احمد (اور دونوں علم وعمل میں فخر اقران اور ذہانت وذکاوت میں بے مثل تھے) اس اعتراض کو ہمیشہ کے لئے بے اثر کر دینے کا خیال آیا، اور دونوں نے غالباً بیک وقت فقہ حنفی کے ماخذ ومستدلات جمع کرنے شروع کئے، اور طویل محنت وکاوش کے بعد فقہ حنفی کی واقعی حیثیت اور اس کی حدیث وسنت سے پوری پوری مطابقت وہم آہنگی کو دلائل وبراہین کی روشنی میں آئینہ کر دیا، حضرت تھانوی نے اپنی تالیف کو احیاء السنن کے نام سے موسوم کیا، مگر اس کا مسودہ اسی زمانہ میں ضائع ہو گیا تھا[1] حضرت نے اس موضوع پر پھر ایک اور کتاب جامع الآثار کے عنوان سے تالیف فرمائی اور اس پر تابع الآثار کے نام سے تعلیق لکھی یہ دونوں شائع ہو گئی ہیں مگر بہت مختصر تھیں، اس لئے حضرت نے اس موضوع پر ایک جامع اور

---

[1] ملاحظہ ہو تنبیہات وصیت صـ۱۱، صـ۱۲ (طبع اول: ۱۳۳۰ھ) راقم سطور کو بعض شواہد وآثار سے اس کتاب کے ضائع نہ ہونے کی اطلاع اور ایک قلمی نسخہ کا سراغ ملا ہے، مگر میں اب تک اصل نسخہ کی دید ودریافت میں کامیاب نہیں ہوا۔ خدا کرے کہ مل جائے تو حضرت حکیم الامت کا ایک بڑا سرمایہ تلف ہونے سے محفوظ ہو جائے گا۔

مفصل تصنیف کا ارادہ کیا مگر حضرت کو اس کا موقع نہیں ملا تو حضرت نے یہ خدمت مولانا احمد حسن سنبھلی کے سپرد کی، مولانا نے احیاء السنن کے نام سے ایک کتاب لکھی اور توضیح الحسن کے نام سے اس کا حاشیہ تحریر کیا، مگر مولانا نے حضرت کی تصحیح و نظر ثانی سے گذرنے کے بعد اس میں اس قدر ترمیمات و اضافے کئے جو زبان و بیان کے لحاظ سے غلط اور حضرت کی منشار کے خلاف تھے، اس کا حضرت کو اس وقت علم ہوا جب کتاب چھپ کر آئی تو حضرت نے مولانا سنبھلی کو اس خدمت سے سبکدوش فرماکر مولانا ظفر احمد عثمانی کو اس کی اصلاح و ترمیم پر مامور کیا اور ایک نئی تالیف کا حکم فرمایا، مولانا عثمانی نے بیس سال کی محنت کے بعد اس منصوبہ کو مکمل کیا اور اعلاء السنن کے نام سے اٹھارہ جلدوں میں تالیف فرمائی جس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

قلائد العقیان حضرت مولانا صدیق احمد کے موئے قلم کی یادگار ہے، اس کی تالیف میں بھی وہی مقاصد و اصول کارفرما رہے جو احیاء السنن سے اعلاء السنن تک حضرت تھانوی کی تالیفات کی اساس تھے، مولانا صدیق احمد نے اس کتاب کو کتنے حصوں پر تقسیم کیا تھا، اور ابواب و حصص میں کیا ترتیب تھی کچھ معلوم نہیں، کیونکہ اس اہم تصنیف کا مؤلف کا نوشتہ نسخہ دستیاب نہیں، اس کتاب کی واحد دستیاب جلد جو صرف ابواب الطہارۃ پر مشتمل ہے۔ مؤلف کے نسخہ کی نقل ہے۔ مؤلف کی مکتوبہ جلد اول اور ابواب الطہارۃ کے علاوہ بقیہ حصوں کا سراغ نہیں ملا۔ تاہم ابواب الطہارۃ بھی کتاب کی افادیت و معنویت، مؤلف کے تفقہ فن حدیث سے ماہرانہ واقفیت وسعت نظر اور طریقۂ استدلال کی گیرائی و گہرائی کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔

مولانا کا طریقۂ کار یہ ہے کہ وہ ابواب فقہ کے متعلق اولاً آیات قرآنی سے استدلال فرماتے ہیں پھر ذخیرۂ حدیث سے اس کے شواہد پیش کرتے ہیں، احادیث کی فنی حیثیت صحت و ضعف پر کلام کرتے ہیں مخالف روایات پر عمل نہ کرنے کی وجہ، ان کا کمزور ہونا یا ان کا صحیح محل ذکر فرماتے ہیں، پھر اس حدیث کی مناسبت سے اقوال فقہاء نقل کرتے ہیں بعض مرتبہ استدلال ایسے لطیف انداز سے ہوتا ہے کہ فقہاء حنفیہ کی عبارتیں حدیث کی شرح و توضیح معلوم ہوتی ہیں، احناف کے جن مسائل و مستدلات پر دوسرے علماء نے جرح و تنقید فرمائی ہے، مولانا قلت کا اشارہ دیکر اس استدلال کی معنویت ظاہر کرتے ہیں اور ایسی سادہ اور صاف وضاحت کرتے ہیں کہ اس کا حدیث نبوی سے ربط و استدلال واضح، اور مسئلہ زیر بحث بالکل بے غبار ہو جائے۔ زیر نظر جلد کے تمام عنوانات میں

یہی طرز فکر کارفرما نظر آتا ہے ۔

قلائد العقیان کی وسعت و جامعیت کا سرسری اندازہ کرنے کے لئے یہ اطلاع مفید ہوگی کہ ابواب الطہارۃ کے تحت چون ۵۴ ابواب زیر بحث آئے ہیں اور یہ تعداد صرف اہم اور بنیادی ابواب کی ہے ، بعض ابواب کے تحت جو ذیلی عنوانات ہیں وہ اس تعداد میں شامل نہیں مثلاً سنن و مستحبات و مکروہات وضو کے ضمن میں ۸۹ ذیلی عنوانات ہیں اور ان میں سے ہر ایک سنت و مستحب کے اثبات کیلئے وہی طریقہ بحث و استدلال ہے جو اہم اور وسیع ابواب کا ہے۔

مولانا صدیق احمد نے قلائد العقیان کو کل کتنی جلدوں پر مرتب و منقسم کیا تھا ، اور اس میں کتنی جلدیں مکمل ہوئیں ، یا پورا منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچا راقم سطور کو صحیح سراغ نہیں لا ۔ تاہم زیر نظر جلد سے جو ابواب الطہارۃ پر مشتمل ہے دو باتوں کا اندازہ ہوتا ہے اول یہ کہ ہدست جلد ، جلد دوم یا سوم ہے ، کیونکہ اس کے شروع میں نہ کلمات حمد و نعت ہیں ، نہ تمہید مؤلف ہے نہ وجہ تصنیف کا ذکر ہے اور نہ اس تصنیف کی ترتیب و تفہیم پر کوئی کلام ہے ، اگر یہ پہلی جلد ہوتی تو اس میں خطبہ افتتاح اور کلمات مؤلف ضرور ہوتے ، اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ کتاب اسی نہج پر مکمل ہوئی ہوگی یا ہوتی تو شاید آٹھ دس جلدوں پر مشتمل ہوگی ۔ افسوس کہ سردست ان معلومات کی کوئی صورت نہیں ۔

زیر نظر نسخہ مولانا کے فرزند سوم مولانا محمد علی صدیقی کاندھلوی نے ۱۳۵۲ھ میں نقل کیا تھا ترقیمہ کتاب درج ذیل ہے ۔

"فقد تمت ابواب الطہارۃ بحمد اللہ العلی الاعلی الوھاب من جملۃ الادلۃ علی بعض الفروع من مذہب ابی حنیفۃ النعمان افادھا النحریر الالمعی اللوذعی مولائی ووالدی صدیق احمد عفی عنہ الصمد ۔ وکان الاتمام یوم الثلثاء ثلثین من شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ فی بلدۃ سیال کوٹ نمقہ الاحقر محمد علی الکاندھلوی کان اللہ لہ ولوالدیہ "

یہ نسخہ فلسکیپ سائز کے ایک سو تریسٹھ صفحات پر مشتمل ہے ، تحریر رواں اور صاف ہے ، مگر اغلاط سے پاک نہیں ، ابواب و عنوانات اور اہم مباحث و اشارات کو سرخ روشنائی سے ممتاز کیا گیا ہے۔

رسالہ اثبات تحریک خلافت و جواز ترک موالات

مولانا صدیق احمد کی حیات کا آخری دور ہندوستان

میں سیاسی ہیجان اور تحریک خلافت کے عروج اور جوش وخروش کا زمانہ تھا، اور پورے ملک خصوصًا مسلمانوں کے جذبات بھڑکے ہوئے تھے، لیکن تحریک کی شرعی اور سیاسی ضرورت وافادیت کے متعلق علمائے کرام مختلف الرائے تھے، ایک جماعت تحریک خلافت کی ہمنوا تھی، دوسری جماعت جس کے پیشوا حضرت حکیم الامت تھانوی تھے اس کی ضرورت کے معترف، مگر طریقۂ کار کو نہایت غلط اور مسلمانوں کے لئے سیاسی مذہبی ہر لحاظ سے نقصان دہ اور تباہ کن سمجھتی تھی، مولانا صدیق احمد اول الذکر طبقہ کے ساتھ تھے مولانا نے نہ صرف اس کی تحریری تائید کی، اور اس سلسلہ میں متعدد فتاوی اور تحریرات لکھیں بلکہ اس میں ذاتی طور پر شریک ہوئے۔ اور ضلع مظفر نگر کے قصبات ونواح میں خلافت تحریک کی تحریک وتنظیم قائم کرنے کے لئے خاص کوشش فرمائی، مولانا کاندھلہ خلافت کمیٹی کے صدر اور پورے علاقہ کے عملًا سرپرست تھے، اسی سلسلۂ تحریک وتعاون کی ایک یادگار زیر تعارف رسالہ ہے۔

یہ رسالہ کوئی مستقل تالیف نہیں، بلکہ تحریک خلافت کے خلاف کسی عالم (غالبًا حضرت تھانوی) کی نامعلوم الاسم تحریر کا جواب ہے، اور اپنے سنجیدہ ومتین عالمانہ انداز بیان، دلائل وماخذ کے وزن اور ثقاہت میں مؤلف اور مجیب عنہ کے شایان شان، اور اختلاف رائے میں توازن واعتدال کی ایک مثال ہے۔ یہ رسالہ اردو میں ہے اور سولہ صفحات پر مشتمل ہے، زیر نظر رسالہ پر مؤلف کے دستخط نہیں، اور رسالہ کا عنوان اور نام بھی درج نہیں ہے۔ مگر مولانا کے صاحبزادگان کا قول ہے کہ یہ مولانا کی تحریر وتالیف ہے۔ مذکورہ بالا نام اثبات تحریک خلافت الخ راقم سطور نے رکھدیا ہے۔

درج بالا کتابوں کے علاوہ بھی مولانا کی متعدد تالیفات تھیں حکیم محمد عمر مرحوم کی یادداشت میں تحریر ہے:۔

"ایک کتاب ترک موالات کے نام پر انگریز کے خلاف لکھی، اور علاوہ ازیں بہت سے کتابچے اور دیگر چھوٹی چھوٹی تصنیفات ہیں ——— اور یہ تمام مسودے ہمارے بھائی عثمان کے پاس محفوظ ہیں"

لیکن مولانا عثمان کے پاس تحریک خلافت مذکورہ بالا رسالہ کے علاوہ جس کا تعارف گزر گیا ہے، مولانا صدیق احمد کی کوئی اور تالیف محفوظ نہیں، اور حکیم محمد عمر کی تحریر میں اگر ترک موالات

سے یہی متعارف بالا ہے تو یہ اطلاع صحیح نہیں ایمیں تحریک خلافت پر زیادہ بحث ہے اور ترک موالات پر بہت کم ۔ اگر حکیم صاحب کی مراد اس کے علاوہ کسی اور رسالہ سے تھی تو وہ ضائع ہو چکا ہے ۔

مولانا کی تالیفات کا ذکر کرتے وقت ، مولانا کے عظیم الشان کتب خانہ کی بے ساختہ یاد آتی ہے اگر اس کتب خانہ کے حفاظت وبقا پر ذرا بھی توجہ کی گئی ہوتی تو آج ہمیں مولانا کی تصنیفات کے ضیاع کا ماتم نہ کرنا ہوتا ، مولانا کی تصنیفات سے قطع نظر بھی یہ کتب خانہ حدیث فقہ اور تفسیر اور ان سے متعلق علوم کی قلمی اور مطبوعہ کتابوں کا ایک خزانہ تھا ، مولانا نے اس کی جمع وترتیب اور کتابوں کی خریداری میں بڑا وقت اور دولت خرچ فرمائی تھی ' اور مطبوعات کے علاوہ مخطوطات سے بھی مالا مال تھا ، اور ہمارے خاندانی کتب خانہ کی تقسیم کے بعد اس میں تاریخ اور ادب کے بیش قیمت ذخیرہ کا جس کا بیشتر حصہ مخطوطات پر مشتمل تھا اضافہ ہوا ، بعد میں مولوی شبیر احمد صاحب نے اس کا اکثر حصہ خصوصًا نوادر ومخطوطات کتب خانہ مدرسہ نصرۃ الاسلام کاندھلہ کو عطا کر دیئے تھے ، مگر افسوس کہ وہاں ان کی سخت ناقدری ہوئی ، اور رفتہ رفتہ مخطوطات کا وہ وسیع ذخیرہ جو کئی سو اہم اور نادر کتابوں پر مشتمل تھا قطعًا نیست ونابود ہو گیا ۔ مجھے اس نادر ورثہ کے ضائع ہونے کا بے حد افسوس ہے ، جس میں سے ایک کتاب کی یاد کبھی فراموش نہیں ہوتی ۔ یہ حضرت مفتی الٰہی بخش کے اردو کلام کا ضخیم مجموعہ تھا ، جو تمام وکمال مفتی صاحب کے قلم سے تھا اور اس کی ایک اور خصوصیت جس نے اس کی اہمیت میں کئی گنا اضافہ کر دیا تھا ، اور بعد میں اسی قدر رنج والم کا سبب ہے ، یہ ہے کہ اس کے ابتدائی صفحات مسند الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ؒ کے دست مبارک کی یادگار تھے ' ان صفحات میں حضرت شاہ صاحب نے اس دیوان پر نظم ونثر میں مفصل تقریظ قلم بند فرمائی تھی ۔ اس کے علاوہ اس ذخیرہ میں فتاوی تاتارخانیہ کی بعض قلمی جلدیں ، بعض کتب فقہ کے نہایت قدیم نسخے اور ہر علم وفن کی انمول کتابیں تھیں ، لیکن افسوس کہ آج اس کتب خانہ کا ایک ورق بھی محفوظ نہیں ، خاندان کے علمی ذخیروں کی بربادی ، مخطوطات اور نوادرات وتبرکات کا ضیاع ہمیشہ کے لئے دل کا زخم اور جگر کا ناسور بن گیا ہے جس کا کسی طرح علاج واندمال ممکن نہیں ، ہمیشہ سے تر وتازہ ہے اور ہمیشہ تر وتازہ رہے گا ۔

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں

مولانا کی علمی باقیات میں تصانیف اور کتب خانہ کے علاوہ تلامذہ کی بھی کثیر تعداد تھی ، مولانا

نے تقریباً چالیس سال مختلف علوم وفنون کا درس دیا، دینیات کی ابتدائی کتابوں سے صحاح ستہ تک اور طب کے آغاز سے انتہا تک تمام کتابیں وقتاً فوقتاً زیر درس رہیں، مولانا سے سیکڑوں طلبہ نے استفادہ کیا ہوگا، مگر راقم سطور کو صرف چند تلامذہ کا علم ہے ان کے نام تحریر ہیں :۔ مولانا حکیم رضی الحسن کاندھلوی۔ مولانا متولی عقیل احمد کاندھلوی۔ مولوی محمد عمر کاندھلوی۔ حکیم مولوی محبوب الٰہی کیرانوی۔ مولوی حکیم تجمل حسین پانی پتی۔ مولانا مفتی ممتاز احمد ٹانڈوی۔ حافظ رحیم بخش عرف حافظ منگتو کاندھلوی۔ حافظ مولوی محمد ابراہیم سمای۔ مولوی عبدالرحیم بڑوت۔

چار فرزند مولوی حکیم محمد عمر۔ مولوی حکیم محمد عثمان۔ مولانا محمد علی صدیقی اور مولوی شبیر احمد جذبی مولانا کی جسمانی یادگار ہیں۔

مولوی حکیم محمد عمر کی ۱۹۰۱ء میں ولادت ہوئی، والد بزرگوار اور اہل خاندان سے تعلیم حاصل کی والد کی وفات کے بعد مولانا رضی الحسن کاندھلوی سے بخاری شریف پڑھی اور طب کی اعلیٰ کتابوں کا درس لیا۔ والد صاحب کے سامنے ہی طبابت ومعالجات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا جو تاحیات جاری رہا ۱۹۴۷ء کے بعد سیالکوٹ پاکستان میں مقیم ہوئے۔ اہل پاکستان میں حکیم محمد عمر پہلے شخص ہیں جن کو شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سے اجازت وخلافت حاصل ہے، حالانکہ حکیم صاحب حضرت موصوف سے بیعت بھی نہیں تھے   سیالکوٹ میں وفات ہوئی۔

مولانا محمد علی کاندھلوی حضرت مولانا صدیق احمد کے فرزند سوم اور معروف علمی شخصیت ہیں۔ تقریباً ۱۹۱۰ء میں ولادت ہوئی، کاندھلہ، دہلی، مظاہر علوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی دارالعلوم کے زمانہ قیام میں سیاسیات سے شغف ہوا جس کی وجہ سے تعلیم کا سلسلہ ترک ہوا اور تمام اوقات سیاسی مصروفیات میں بسر ہونے لگے، بعد میں والد ماجد کے متوسلین کے اصرار پر سیالکوٹ آئے اور یہیں کے ہوگئے، سیالکوٹ میں انجمن شہابیہ کے سربراہ اور اس کے تعلیمی اصلاحی اداروں کے نگراں مقرر ہوئے، اور آج تک ہمہ وقت تعلیم وتدریس، اصلاح وتذکیر اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہیں، متعدد تصنیفات شائع ہوچکی ہیں جن میں امام اعظم اور علم الحدیث، اور تفسیر معالم القرآن مشہور ومقبول ہیں، اور اپنے اپنے موضوعات پر کثرت معلومات جمع واستقصا میں کم انکم اردو ذخیرہ میں بے مثال ہیں، "امام اعظم اور علم الحدیث" آٹھ سو صفحے کی ضخیم کتاب ہے جس کے دو

ایڈیشن نکل چکے ہیں، اور "تفسیر معالم القرآن" ایک پارہ ایک جلد کی ترتیب پر مرتب ہے، اس وقت تک ۹ جلدیں شائع ہو چکی ہیں، تیس جلدوں کا منصوبہ ہے، اگر خدا کرے حسب پروگرام مرتب ہو جائے تو شاید قرآن شریف کی سب سے ضخیم مطبوعہ تفسیر ہو گی۔

مولوی شبیر احمد جذبی: دار العلوم دیوبند اور ڈابھیل میں عربی دینیات اخذ کیں تقریباً پچیس سال تک مقامی سیاست میں سرگرم رہے، ادھر کئی سال سے سیاسی مشغولیات ترک کر کے ملازمت اور تحریر و سخن میں مصروف زندگی گذار رہے ہیں کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

حضرت مولانا صدیق احمد نے ۴ جمادی الاول ۱۳۴۱ھ / ۲۳ دسمبر ۱۹۲۲ء کو کاندھلہ میں وفات پائی عیدگاہ کاندھلہ سے ملحق خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے۔

خون دل نالید در درد فراق　　چوں رواں شد سوئے فردوس بریں

سیزدہ صد سال ہجری چہل و یک　　شب چہارم از جمادی اولیں

روز شنبہ بود وقت نیم شب　　ارجعی فرمود ربّ العالمیں

دعوت محمود را لبیک گفت

شادماں خرم و خندہ جبیں

۱۳۴۱ھ

۱۹۲۲ء

استدراک

الفرقان کے گذشتہ شمارہ میں معارف الحدیث کی جو قسط شائع ہوئی تھی اس میں آخری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تھی جو صحیح مسلم سے نقل کی گئی تھی، بعد میں وہ حدیث صحیح بخاری میں بھی مطالعہ میں آئی، اس میں کچھ اضافے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو واقعہ اس میں ذکر کیا گیا ہے وہ مرض وفات کے پہلے ہی دن کا ہے۔ اس حدیث کی تشریح میں اس عاجز نے اپنا یہ خیال بھی ظاہر کیا تھا کہ "یابی اللہ والمومنون الا ابابکر" الہام کے الفاظ تھے۔ حدیث میں اس کا کوئی اشارہ نہیں ہے، یہ راقم سطور کا خیال تھا لیکن اب گمان یہ ہے کہ یہ خداوندی الہام نہیں تھا بلکہ خود حضور کا وجدان تھا۔ واللہ اعلم۔

ابو مدثرہ

تلخیص و ترتیب

سجاد ندوی

مرزا غلام احمد قادیانی اور برطانوی سامراج

خاندانی پس منظر

انیسویں صدی کے آخری سالوں میں برطانوی سامراج کے زیر تسلط ہندوستان کے علاقے مشرقی پنجاب کے ایک چھوٹے سے گاؤں قادیان سے مرزا غلام احمد نامی ایک شخص نے مذہبی اصلاح کے نام پر ایک تحریک کی نیو اٹھائی جسے انھوں نے بعد میں احمدیت کا نام دیا۔ آپ مغل برلاس خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ایک جاگیر دار مرزا غلام مرتضیٰ کے بیٹے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اس خاندان نے برطانوی سامراج کو ہر طرح سے امداد پہنچائی۔ غلام مرتضیٰ اور ان کے بڑے بیٹے غلام قادر نے انگریزی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگے۔ ترموں (گورداسپور) کے گھاٹ پر مجاہدین آزادی کو تہ تیغ کرنے میں انھوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس ملت کشی کے صلے میں برطانوی سامراج نے اس خاندان کو انعام واکرام سے نوازا اور ان کے ملت فروشانہ کردار کی تعریف کی۔

سر لیپیل گرفن کی تالیف "پنجاب چیفس" میں اس خاندان کی برطانوی راج کے قیام کے لئے خدمات کا اعتراف موجود ہے۔ یہ دستاویز اسی لئے مرتب کی گئی تھی کہ ان خاندانوں کو مستقبل میں نوازا جائے جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جسے انگریز غدر قرار دیتا تھا، اس کا ساتھ دیا۔ مرزا غلام احمد نے اپنی متعدد تالیفات میں اپنے خاندان کی سامراج کیلئے خدمات اور وفاداریاں گنوائی ہیں[1]

[1] کتاب البریہ (۱۸۹۷ء) تحفہ قیصریہ (۱۸۹۷ء) کشف الغطا (۱۸۹۸ء) تریاق القلوب (۱۹۰۲ء)

ہنٹر رپورٹ

۱۸۶۹ء میں وائسرائے ہند لارڈ میو (MAYO) نے بنگال سول سروس کے ایک افسر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کو اس اہم سوال کا جائزہ لے کر رپورٹ پیش کرنے کو کہا جس کا مفہوم یہ تھا کہ "کیا ہندوستانی مسلمان اپنے مذہب کی رو سے ہر میجسٹی ملکہ برطانیہ کی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کے پابند ہیں" ہنٹر نے بڑی محنت سے ایک رپورٹ تیار کی۔ اس نے مختلف مسائل خصوصاً جہاد کے تصور، مہدی اور مسیح کی آمد کے بارے میں مختلف فرقوں کے معتقدات ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے مسائل اور اس سلسلہ میں علماء کے فتاوی، وہابی تحریک، اسلامی فرقوں کے عقائد و نظریات اور ان کے برطانوی راج کے قیام کے لئے خطرات و مضرات جیسے بہت سے مسئلوں کا جائزہ لیا۔ ۱۸۷۱ء میں ہنٹر رپورٹ منظر عام پر آگئی اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ مسلمان اسے اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں کہ کافر حکومت کے خلاف جہاد کریں اور ملک کو ان سے نجات دلائیں۔" ہنٹر لکھتا ہے:

> "جہاد ہی کا وہ نظریہ ہے جو ان کے شدید جوش، تعصب، تشدد اور قربانی کی خواہش کی بنیاد ہے۔ اس قسم کا عقیدہ انھیں ہمیشہ حکومت کے خلاف متحد کر سکتا ہے۔"[۱]

اس رپورٹ نے انگریز کی نظر میں مسلمانوں کی سیاسی پوزیشن کو مزید مشتبہ بنا دیا انھیں ایسے باغی سمجھا جانے لگا جو ۱۸۵۷ء کی جنگ کی طرح کسی بھی وقت جہاد کا نعرہ بلند کر کے میدان میں آنکلیں گے، اس لئے جس قدر ممکن ہوسکے انھیں سیاسی اور معاشی طور پر مفلوج کیا جائے اور دینی لحاظ سے ان معتقدات کے خلاف جو برطانوی اقتدار کے لئے خطرے کا باعث ہوں ایک ایسا محاذ قائم کیا جائے جو ان کی ضرر رسانی کو ختم کر دے۔ برطانوی راج کے لئے سازگار فضا قائم کر سکے یا کم از کم ان عقائد کے پس پردہ پائی جانے والی جذباتی اپیل کو سرد کر دے۔

برطانوی وفد کی رپورٹ

انگریز نے مذہبی سطح پر ایک ایسی تحریک منظم کرنے کے متعلق جو ان کے سیاسی عزائم کی تکمیل میں مدد دے پورا پورا غور کیا۔

---

[۱] ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر، دی انڈین مسلمانز، اکامرٹیڈ پبلشرز کلکتہ ۱۹۶۵ء

۱۸۶۹ء میں انگلستان سے برطانوی مدبروں، اعلیٰ سیاستدانوں، ممبران پارلیمنٹ اور مسیحی رہنماؤں پر مشتمل ایک وفدان امور کا جائزہ لینے کے لئے ہندوستان وارد ہوا کہ ۱۸۵۷ء کے "غدر" کے حقیقی محرکات کیا تھے۔ اس میں مسلمانوں نے کیا کردار ادا کیا، ہندوستان کے مذاہب خصوصاً اسلام کے اندر سے ایسی کونسی تحریک اٹھائی جائے جو ان کی وحدت کو توڑ کر ان کو اتنا کمزور کر دے کہ وہ کسی اجتماعی تحریک میں حصہ نہ لے سکیں، اور اس طرح برطانوی حاکمیت کے لئے پیدا شدہ خطرات کا سد باب ہو سکے۔ وفد نے سول سروس کے افسروں خصوصاً یہودیوں سے ملاقاتیں کیں انٹیلی جنس کی رپورٹیں ملاحظہ کیں اور سیاسی حالات کا تقابلی مطالعہ کیا ـــــ ایک سال بعد ۱۸۷۰ء میں لندن میں وفد کے اراکین نے ایک کانفرنس بلائی جس میں ہندوستان کے نمائندہ مشنریوں کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔ برطانوی کمیشن اور مشنریوں کی طرف سے ہندوستان میں مذہبی تخریب کاری کے پروگرام کی دو الگ رپورٹیں پیش ہوئیں جن کو یکجا کر کے ہندوستان میں برطانوی سلطنت کا ورود (THE ARRIVAL OF BRITISH EMPIRE IN INDIA) کے نام سے شائع کر دیا گیا اس کا ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے، جس میں انگریز نے اپنی سامراجی ضروریات کی تکمیل کے لئے ایک ایسی مذہبی نبوت کی ضرورت بیان کی ہے جو مسلمانوں میں سے اٹھ کر ایسا دعویٰ کر دے اور ان کی ہدایت پر کام کرے۔ مشنری فادرز رپورٹ کے متعلقہ اقتباس کا ترجمہ ملاحظہ ہو :۔

ترجمہ : ملک (ہندوستان) کی آبادی کی اکثریت اپنے پیروں یعنی روحانی رہنماؤں کی اندھی تقلید کرتی ہے ـ اگر اس مرحلہ پر ہم ایک ایسا آدمی تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں جو اس بات کے لئے تیار ہو کہ اپنے لئے ظلی نبی (نبی کے حواری) ہونے کا اعلان کر دے تو لوگوں کی بڑی تعداد اس کے گرد جمع ہو جائے گی، لیکن اس مقصد کے لئے مسلمان عوام میں سے کسی شخص کو آمادہ کرنا بہت مشکل ہے ـ اگر یہ مسئلہ حل ہو جائے تو ایسے شخص کی نبوت کو سرکاری سرپرستی میں پروان چڑھایا جا سکتا ہے ـ ہم پہلے بھی غداروں کی مدد حاصل کر کے ہندوستانی حکومتوں کو محکوم بنا چکے ہیں لیکن وہ مختلف مرحلہ تھا، اس وقت فوجی نقطہ نظر سے غداروں کی ضرورت تھی ـ لیکن اب جبکہ ہم نے ملک کے کونے کونے پر اقتدار جما لیا ہے ـ اور ہر طرف امن اور آرڈر ہے ہمیں ایسے اقدامات کرنے چاہئیں جن سے ملک میں داخلی بے چینی

پیدا ہو سکے۔

(مطبوعہ رپورٹ سے اقتباس، انڈیا آفس لائبریری لندن)

مرزا صاحب کا انتخاب

مرزا غلام احمد کی ابتدائی زندگی کے حالات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے معمولی سی دینی تعلیم حاصل کی، آپ کے والد نے سکھوں کے عہد میں چھن جانے والی جاگیروں کی بازیابی کے لئے مقدمات قائم کر رکھے تھے اور انگریز کے تعاون سے ان پر دوبارہ قابض ہونے کی فکر میں ۱۸۶۴ء میں آپ نے انگریز سے مل ملا کر آپکو سیالکوٹ کی کچہری میں اہل مد کی ملازمت دلوادی۔ اس دوران آپ نے یورپی مشنریوں اور بعض انگریز افسران سے تعلقات پیدا کئے اور مذہبی مباحث کی آڑ میں باہمی میل جول کو بڑھایا۔

۱۸۶۸ء کے لگ بھگ سیالکوٹ میں ایک عرب محمد صالح وارد ہوئے، کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس حرمین شریفین کے بعض مفتیان کرام کا ایک فتویٰ تھا جس میں ہندوستان کو دارالحرب ثابت کیا گیا تھا۔ انگریز کے مخبروں نے آپکو اعتماد میں لے کر گرفتار کرادیا۔

آپ پر دو الزامات عائد کئے گئے ایک امی گریشن ایکٹ کی خلاف ورزی اور دوسرے برطانوی حکومت کے خلاف جاسوسی کرنا تھا۔ سیالکوٹ کچہری کے یہودی ڈپٹی کمشنر پارکنسن (PARKINSON) نے تفتیش کا آغاز کیا۔ وہ ان تمام لوگوں کو گرفتار کرنا چاہتا تھا، جس سے اس نووارد عرب کا رابطہ تھا۔ دوران تفتیش ایک ایسے آدمی کی ضرورت پڑی جو عربی کے مترجم کے طور پر کام کر سکے[1] یہ خدمت مرزا صاحب نے ادا کی اور عرب دشمنی اور برطانیہ نوازی کی وہ مثال پیش کی کہ پارکنسن آپ کا گرویدہ ہو گیا۔

ایک اور واقعہ جسے مرزا صاحب کی زندگی میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے وہ پادری ٹیلر ایم۔ اے کی لندن واپسی ہے۔ یہ پادری برطانوی انٹیلی جنس کا ایک رکن تھا اور مبلغ کے روپ میں کام کر رہا تھا۔ مرزا صاحب نے مذہبی بحث کی آڑ میں ان سے طویل ملاقاتیں کیں اور برطانوی راج کے قیام کے لئے اپنی ہر قسم کی خدمات پیش کیں۔ ۱۸۶۸ء میں ٹیلر ولایت جانے سے پہلے آپکی خدمت میں حاضر ہوا خفیہ بات چیت ہوئی اور معاملات کو حتمی صورت دیگئی

---

[1] ڈاکٹر بشارت احمد، مجدد اعظم، لاہور ۱۹۳۹ء صـ۲۱

مرزا غلام احمد کے صاحبزادے مرزا محمود اپنی تصنیف سیرۃ مسیح موعود میں لکھتے ہیں :

"ریورنڈ ٹیلر ایم اے جو سیالکوٹ مشن میں کام کرتے تھے اور جن سے حضرت صاحب کے بہت سے مباحثات ہوتے رہتے تھے جب ولایت واپس جانے لگے تو خود کچہری میں آپ کے پاس ملنے کے لئے چلے آئے اور جب ڈپٹی کمشنر صاحب نے پوچھا کس طرح تشریف لائے تو ریورنڈ مذکور نے کہا صرف مرزا صاحب کی ملاقات کے لئے اور جہاں آپ بیٹھے تھے، وہیں سیدھے چلے گئے اور کچھ دیر بیٹھ کر واپس چلے گئے"۔

ایک خطبے میں مرزا محمود نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اس وقت پادریوں کا بہت رعب تھا لیکن جب سیالکوٹ کا انچارج مشنری ولایت جانے لگا تو حضرت صاحب سے ملنے کے لئے خود کچہری آیا ڈپٹی کمشنر اسے دیکھ کر اس کے استقبال کے لئے آیا اور دریافت کیا کہ آپ کس طرح تشریف لائے کوئی کام ہو تو ارشاد فرمائیں مگر اس نے کہا میں صرف آپ کے اس منشی سے ملنے آیا ہوں یہ ثبوت ہے اس امر کا کہ آپ کے مخالف بھی تسلیم کرتے تھے کہ یہ ایک ایسا جوہر ہے جو قابل قدر ہے۔

اسی سال ۱۸۶۸ء میں مرزا صاحب بغیر کسی معقول ظاہری وجہ کے اہل مد کی نوکری سے استعفیٰ دیکر قادیان چلے گئے اور تصنیف و تالیف کے کام میں لگ گئے۔ یہیں سے مرزا صاحب کی تحریک کا آغاز ہوا۔

الفرقان کی ملکیت و دیگر تفصیلات کے متعلق اعلان

(مطابق فارم ۴ دیکھئے قاعدہ ۸)

مقام اشاعت ـــــ لکھنؤ

وقفۂ اشاعت ـــــ ماہانہ

پرنٹر و پبلشر کا نام و پتہ ـــــ محمد حسان نعمانی ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ

قومیت ـــــ ہندوستانی

ایڈیٹر کا نام و پتہ :۔ خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

۳۱۔ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ

قومیت :۔ ہندوستانی

ملکیت :۔ محمد حسان نعمانی و خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

میں محمد حسان نعمانی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین میں بالکل صحیح ہیں۔

دستخط
محمد حسان نعمانی

ALFURQAN MONTHLY
31, NAYA GAON WEST
UCKNOW-226 018 (INDIA)

Regd. No. LW/NP-62
Vol. 55 No. 3
March - 1987

سرپرست:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

JOINT ISSUE

APRIL-
198

ماہ مبارک کے موقع پر
خصوصی رعایت
ہم بڑی مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ ہمیشہ کی
طرح اس مرتبہ بھی ۲۵ر شعبان المعظم تا ۲۹ر رمضان المبارک
کے دوران موصول ہونے والے تمام آرڈروں پر عام خریداروں کو
حسب تفصیل ذیل خصوصی رعایت دی جائے گی۔
اپنی مطبوعات کے کم از کم 50/ روپے کے آرڈر پر 20% فیصد
" " 51/ سے 250/ تک کے آرڈر پر 25% "
" " 251/ سے 500/ " " 30% "
" " 500/ سے زائد کے آرڈر پر 33% "
بیرونی مطبوعات کے 50/ سے 150/ تک کے آرڈر پر 15% "
" " 151/ سے 500/ " " 20% "
" " 500/ سے زائد کے آرڈر پر 25% "
قرآن شریف پر بھی 15% خصوصی رعایت دی جائے گی
★ تاجر حضرات کو صرف اپنی مطبوعات کے کم از کم ایک ہزار کے
نقد آرڈر پر 5% اضافی کمیشن دیا جائے گا۔
★ تمام اخراجات بذمہ خریدار ہوں گے۔
★ وی پی سے کتابیں منگانے کے لئے چوتھائی رقم پیشگی آنا لازمی ہے
★ ہماری نئی مکمل مفصل فہرست شائع ہوگئی ہے جس میں پہلی بار
تمام کتب کے مصنفین کے اسمائے گرامی بھی درج کئے گئے ہیں
کتابوں کے انتخاب کے لئے ۲/ کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر یہ فہرست
طلب فرمالیں۔
مینجر
الفرقان بکڈپو
۳۱، نیا گاؤں مغربی ـ لکھنؤ
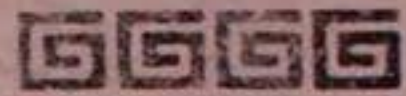
جلد ۵۵ شمارہ ۴

اپریل ۸۷ء
مطابق
شعبان ۱۴۰۷ھ

یہ شمارہ ۲/۰۰

سالانہ چندہ
برائے ہندوستان ۲۰/- پاکستان ۶۰/-
برائے بیرونی ممالک
بحری ڈاک ۵۵/- (5/- ڈالر)
ہوائی ڈاک ۱۶۰/- (15/- ڈالر)

اگر اس دائرہ ○ میں سرخ نشان

ہے تو اس کا مطلب یہ کہ آپکی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا اطلاع مہینے کے آخر تک موصول نہ ہونے کی صورت میں اگلا شمارہ بصیغہ وی پی روانہ ہوگا

خط و کتابت یا ترسیل کا پتہ

دفتر: ماہنامہ "الفرقان"
۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ
پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:
ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور

محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغرب — لکھنؤ — سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہِ اولیں

ہمارے اس زمانہ میں سائنس کی ترقی کے نتیجہ میں جلد سے جلد خبر رسانی کے جو ذرائع اور وسائل، ریڈیو، ٹیلی فون وغیرہ پیدا ہو گئے ہیں اگر ان سے صحیح کام لیا جائے تو وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی بڑی قابل شکر نعمتیں ہیں۔ لیکن دور حاضر کے عام مسلمانوں کی احکامِ شریعت سے ناواقفی اور دینی ناتربیتی کی وجہ سے رویت ہلال جیسے مسائل و معاملات میں ان کے درمیان اختلاف و انتشار اور فتنہ کا سبب بن جاتے ہیں۔ بار بار تجربہ کیا ہے کہ شہر میں کسی صاحب نے کہیں سے ریڈیو سے خبر سن لی یا کسی دوسرے شہر سے کسی نے ٹیلی فون سے ان کو اطلاع دیدی کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا ہے تو وہ صاحب رویت کے ثبوت کیلئے اسکو کافی سمجھتے ہیں اور دوسروں سے بھی کہتے ہیں اور ان سے منوانا چاہتے ہیں۔ اور جب دوسرے لوگ ان کی اس بات کو ثبوت رویت کے لئے کافی نہیں سمجھتے اور نہیں مانتے تو اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اور بعض اوقات نوبت فتنہ و فساد تک پہنچ جاتی ہے۔۔۔ اس افسوسناک صورتحال کے بار بار تجربہ سے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ اس بارے میں ہمارے زمانہ کے محققین علماء و اصحاب فتویٰ کے نزدیک شریعت اسلامیہ کا جو حکم ہے اس کو حتی الوسع مختصر اور عام فہم انداز میں لکھدیا جائے۔ ذیل میں جو چند سطریں لکھی جا رہی ہیں وہ اسی ضرورت اور داعیہ کے تقاضے سے لکھی جا رہی ہیں۔ واللہ الموفق

رویت ہلال کے بارے میں ریڈیو کی خبر اور ٹیلی فون کی اطلاع کا حکم

رویت ہلال کے بارے میں ریڈیو کی خبر یا ٹیلی فون سے ملنے والی اطلاع نہ ہر صورت میں

قابل قبول ہے اور نہ ہر صورت میں قابل رد اور ناقابل اعتبار ہے، بلکہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ جس ریڈیو اسٹیشن کے متعلق تحقیق سے یہ معلوم ہے کہ وہ رویت ہلال سے متعلق خبر دوسری خبروں کی طرح اپنے عام ذرائع معلومات کی بنا پر نشر نہیں کرتا بلکہ کسی معتبر دینی مرکز یا علماء کی کسی جماعت یا کسی قابل اعتماد رویت ہلال کمیٹی کے فیصلہ کی دی ہوئی اطلاع پر اسی کے حوالہ سے نشر کرتا ہے (جیساکہ پاکستان کے ریڈیو اسٹیشن اور اسی طرح دہلی کے آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن اور پٹنہ ریڈیو اسٹیشن کے بارے میں معلوم ہوا ہے) تو اس کی یہ خبر قابل قبول ہوگی[1] اور اس کی حیثیت فیصلہ کے صرف اعلان کی ہوگی، جیساکہ مختلف زمانوں میں رویت ہلال کے ثبوت کے بعد مختلف طریقوں سے اس کا اعلان کیا جاتا رہا ہے اور اب بھی کیا جاتا ہے اور ان اعلانوں کو عمل کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے۔

اسی طرح اگر ایک شہر کے کوئی عالم دین دوسرے شہر کے عالم دین کو رویت ہلال کے ثبوت کی اطلاع ٹیلی فون سے دیں اور دونوں حضرات ایک دوسرے کی آواز کو پہچانتے ہوں اور اس میں کوئی شک شبہ نہ ہو تو ٹیلی فون کی اس اطلاع کا بھی اعتبار کیا جائے گا اور جن عالم دین کو ٹیلیفون سے اطلاع دی گئی ہے ان کے لئے درست ہوگا کہ وہ رویت ہلال کے ثبوت کا اعلان کرادیں ——— (لیکن ریڈیو کی خبر اور ٹیلیفون کی اطلاع کا یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ وہ ایسے دور دراز ملک سے نہ ہو جہاں ایک دن پہلے رویت ہوسکتی ہے جیسے کہ حجاز مقدس کہ جہاں رویت اکثر ایک دن پہلے ہی ہوتی ہے)

رویت ہلال کے مسئلہ میں یہ بات بھی خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ ریڈیو کی خبر سن کر یا ٹیلی فون سے اطلاع پاکر عوام کو بطور خود کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اپنے شہر کے یا قریبی بستی کے عالم دین کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور ان کے فتوے اور فیصلے

---

[1] اور جن ریڈیو اسٹیشنوں کے بارے میں یہ تحقیق نہ ہو ان کی خبر کا شرعاً کوئی اعتبار نہ ہوگا اور ہمارے ملک کے اکثر ریڈیو اسٹیشنوں کا یہی حال ہے۔

پر عمل کرنا چاہیے۔ اور جو لوگ آپ کی رائے سے اتفاق نہ کریں اور نہ مانیں ان سے جھگڑا نہ کیا جائے ـــــ رویت ہلال کے مسئلہ کو جھگڑے اور فساد کا سبب بننا بڑی بدنصیبی ہے۔

ایک مخلص عالم دین مولانا محی الدین صاحب فتحپوری (استاذ مدرسہ اسلامیہ فتحپور) نے میری ہی خواہش پر اس مسئلہ رویت ہلال سے متعلق ایک مختصر سا رسالہ مرتب فرمایا ہے۔ جس میں ہمارے اس دور کے اکابر علماء و اصحاب فتویٰ کے چند فتوے جمع فرما دیئے ہیں ان میں سے صرف دو فتوے ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں۔

رویت ہلال کمیٹی دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ اور فیصلہ

"آج مورخہ ۲۹ رمضان المبارک یوم یکشنبہ (مطابق ۸ رجون ۱۹۸۶ء) بعد مغرب رویت ہلال کمیٹی دارالعلوم دیوبند کی مجلس منعقد ہوئی جس میں مندرجہ ذیل حضرات شریک ہوئے مولانا محمد زبیر صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے بتایا کہ میں نے شرعی رویت ہلال کمیٹی پاکستان کا اعلان خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔ رویت ہلال کمیٹی پاکستان کے چیئرمین جناب مولانا پیر کرم علی شاہ صاحب نے متعدد علماء کی موجودگی میں جن کے نام یہ ہیں (مولانا عبدالقیوم صاحب ہزاروی۔ مولانا عبدالقادر آزاد۔ مولانا محمد مالک کاندھلوی ـ وغیرہم) اعلان کیا کہ کمیٹی کے سامنے بیشمار شہادتیں تسلسل کے ساتھ آچکی ہیں کہ شوال المکرم کا چاند آج ۸ رجون کو نظر آچکا ہے، لہٰذا کمیٹی کی طرف سے اعلان کیا جاتا ہے کہ ۹ رجون ۱۹۸۶ء کو یکم شوال ہوگی اور پورے ملک میں عید منائی جائے۔

یہ اعلان نہ تو طبل قاضی اور نہ صوت مدافع (یعنی توپوں کی آواز) کے حکم میں ہے اور نہ محض خبر شرعی، شہادت شرعی ہی ہے بلکہ یہ اعلان، اعلانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہے اس لئے حجت شرعی ہے ـــــ اس بنیاد پر رویت ہلال کمیٹی دارالعلوم دیوبند فیصلہ کرتی ہے کہ کل تو جون ۱۹۸۶ء کو یکم شوال ہے اور عید کی نماز ادا کی جائے۔

شرکائے کمیٹی آخر میں ۹ حضرات کے اسمائے گرامی ہیں جو کمیٹی میں شریک تھے یہ سب حضرات دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ یا مفتی صاحبان ہیں۔

رویت ہلال کمیٹی کے مندرجہ بالا فیصلہ میں ریڈیو پاکستان کے اعلان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان کے مطابق کہا گیا ہے، یہ غالباً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ۲۹ شعبان کو مدینہ منورہ میں چاند نہیں دیکھا گیا (اس لئے سمجھا گیا کہ کل شعبان کی ۳۰ تاریخ ہوگی) لیکن اسی رات کو ایک اعرابی بدوی باہر سے آیا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ آج ہی میں نے خود چاند دیکھا ہے۔ آپؐ نے اس سے فرمایا "اَتَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" "اَتَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰه" (کیا تم شہادت دیتے ہو کہ اللہ ہی معبود برحق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور کیا تم شہادت دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں"۔ ؟) اس اعرابی نے کہا کہ ہاں میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کی شہادت دیتا ہوں (یعنی اللہ کی توحید اور آپ کی رسالت پر میرا ایمان ہے) تو آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ کل کو روزہ رکھیں (یہ حدیث ترمذی ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، اور دارمی کے حوالہ سے مشکوٰۃ المصابیح میں بھی روایت کی گئی ہے) اس حدیث کے بیان کے مطابق رویت ہلال کا ثبوت تو ان اعرابی کی اطلاع اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کے بیان کو قبول فرما لینے سے ہوا، اور حضرت بلال نے صرف اس کا اعلان کیا، اسی طرح رویت ہلال کا ثبوت تو چاند دیکھنے والوں کی شہادتوں کی بنیاد پر رویت ہلال کمیٹی کے فیصلہ سے ہوا اور ریڈیو پاکستان سے اس فیصلہ کا صرف اعلان ہوا ـــــــ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ رویت ہلال کی اطلاع اصطلاحی شہادت نہیں ہے اور اس کے وہ شرائط نہیں ہیں جو قاضی کی عدالت میں شہادت کے ہیں بلکہ وہ خبر ہے اور اس کے لئے، شرعی قاضی یا عالم دین ومفتی کا غلبۂ ظن کافی ہے فقہائے کرام نے ان دونوں باتوں کی تصریح فرمائی ہے۔

ٹیلیفون کے ذریعہ ملی ہوئی مستند اطلاع کے متعلق شرعی حکم اور فتویٰ!

ہمارے اس دور کے بزرگ ترین اور مستند ترین مفتی حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری ظلہ نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔

لکھنؤ سے ایک معتبر عالم نے ٹیلی فون سے خبر دی، مفتی صاحب اور علماء نے بیان سن کر اور آواز پہچان کر

پورے اطمینان کے بعد چاند ہو جانے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا یہ درست ہے۔ یہ نیا فیصلہ یا نیا فتویٰ نہیں ہے۔ آج سے چالیس برس پہلے حضرت تھانویؒ نے ایسا ہی فتویٰ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

سوال۔ یک شہر کے مفتی یا دیندار عالم کے نزدیک رویت ہلال کا ثبوت ہوگیا، بموجب شرع شریف کے ہوا اور وہ اس رویت کے ثبوت کی خبر دوسرے شہر کے مفتی یا دیندار عالم کو بذریعہ آلہ ٹیلی فون کے کرے جس میں خبر دہندہ اور مخبر الیہ (جس کو خبر دی گئی) ایک دوسرے کی آواز کو اچھی طرح سمجھتے اور پہچانتے ہیں، اور تکلم کے وقت غیر کا واسطہ بھی نہیں ہوتا، اور مخبر الیہ کو (یعنی جن صاحب کو ٹیلی فون سے خبر دی گئی ہے ان کو) اس خبر کی تصدیق میں کسی طرح کا شبہ بھی نہیں رہتا، تو اس خبر پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور صورت مسؤلہ میں اور دوسرے قابل اعتبار ٹیلی فون کی ضرورت باقی رہتی ہے یا نہیں؟

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا تھا:

الجواب جن احکام میں حجاب مانع قبول ہے اس میں ٹیلیفون کا واسطہ) غیر معتبر ہے، اور جن میں حجاب مانع قبول نہیں ہے ان میں اگر قرائن قویہ سے متکلم کی تعیین ہو جائے (کہ فلاں شخص ہی بول رہا ہے) تو معتبر ہے۔" ۱۶ محرم ۱۳۳۸ھ (امداد الفتاویٰ ص ۸۰/ج ۲) فتاویٰ رحیمیہ ص ۲۷۸/ج ۱

حضرت حکیم الامتؒ کے اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ رویت ہلال کے ثبوت کی خبر وہ شہادت نہیں ہے جس کے لئے شاہد کا سامنے موجود ہونا ضروری ہوتا ہے، بلکہ یہ ایک خالص دینی معاملہ کی خبر اور اطلاع ہے اس کے معتبر اور قابل قبول ہونے کے لئے خبر دینے والے کا سامنے ہونا ضروری نہیں لہذا سوال میں جس خبر کے بارہ میں دریافت کیا گیا ہے وہ معتبر ہے اور اس پر عمل کیا جائیگا۔

امید ہے کہ رویت ہلال کے مسئلہ کے بارے میں ان صفحات میں مختصراً جو کچھ لکھا گیا ہے اور جو دو فتوے نقل کئے گئے ہیں سلیم الفطرت اور خیر پسند طبیعتوں کے اطمینان کے لئے انشاء اللہ کافی ہوں گے۔ واللہ ولی التوفیق

مولانا محمد منظور نعمانی

رمضان المبارک سے متعلق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی ہدایات

اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے نبی کریم پر درود و سلام کے بعد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور و معمول تھا کہ رمضان مبارک کی آمد پر آپؐ اس کی برکات سے فائدہ اٹھانے کے لئے صحابہ کرام رضؓ کو خصوصی ہدایات دیتے تھے۔ اس سلسلہ کے آپؐ کے چند خطبے حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں، ان میں سے ایک بہت مختصر اور جامع وہ خطبہ ہے جو طبرانی نے مشہور صحابی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہٗ سے روایت کیا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے :-

ایک دفعہ رمضان آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ارشاد فرمایا لوگو! ماہِ رمضان آگیا ہے یہ بڑی برکت والا مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں اپنے خاص فضل و کرم سے تمھاری طرف متوجہ ہوتا ہے اور اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے، خطاؤں کو معاف اور دعائیں قبول کرتا ہے اور اس مہینے میں نیکیوں اور عبادتوں کی طرف تمھاری رغبت اور سبقت کو ملاحظہ فرماتا ہے اور مفاخرت و مسرت کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھی دکھلاتا ہے پس اے لوگو! ان مبارک دنوں میں اللہ پاک کو اپنی طرف سے نیکیاں ہی دکھاؤ (یعنی عبادت

اور دوسرے نیک اعمال کی کثرت کرو) بلاشبہ وہ شخص بڑا بدنصیب ہے جو رحمتوں والے اس مہینہ میں بھی خداوند رحیم وکریم کی رحمت سے محروم رہے۔

سبحان اللہ! کیسے خوش نصیب ہیں وہ بندے جن کا آقا و مولا ان کو روزے کی بھوک پیاس کی حالت میں نماز پڑھتے یا قرآن پاک کی تلاوت، یا ذکر و تسبیح یا دعا میں مشغول یا رات کو تراویح میں رکوع و سجود اور قیام و قعود کرتے یا پچھلے پہر نماز تہجد پڑھتے اور اپنے حضور میں روتے گڑگڑاتے دیکھے اور اپنے درباری فرشتوں سے فرمائے کہ ہمارے اس بندے کو دیکھو، ہماری رضا و بخشش کی طلب میں اس کا کیا حال ہے۔

یوں تو خداوند کریم، علیم و بصیر ہے، سب کچھ ہر وقت اس کی نظر میں ہے، لیکن یہ دیکھنا جس کا اس حدیث شریف میں ذکر فرمایا گیا ہے، ایک خاص قسم کا ہے۔ یہ وہ نظر عنایت و کرم ہے جس کی طلب و اشتیاق میں اس کے مشتاق تڑپتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پہنچ جانے کے بعد آپ کا جو اُمتی رمضان مبارک میں اللہ تعالیٰ کی یہ نظر کرم حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے اور یہ مبارک مہینہ بھی غفلت میں گذار دے۔ بلاشبہ وہ بڑا ہی بدقسمت اور محروم ہے۔

طبرانی ہی میں ایک دوسری حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رمضان مبارک ہی سے متعلق روایت کی گئی ہے اس کے آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"پھٹکار اس شخص پر جس نے رمضان کا مہینہ پالیا پھر بھی اس کی مغفرت نہ ہوئی (یعنی اس نے وہ عمل نہیں کئے جن سے اس کی مغفرت اور بخشش کا فیصلہ ہوجاتا)

اس مبارک مہینے کے خاص اعمال ہیں

اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور اس کی رضا اور موعود ثواب و جنت حاصل کرنے کی نیت سے دن کو روزہ رکھنا۔ اس کے علاوہ حسب توفیق قرآن پاک کی تلاوت، ذکر و دعا، توبہ و استغفار اور دوسرے اعمال صالحہ میں مشغول رہنا، اپنی استطاعت کے مطابق دوسرے ضرورتمند بندوں کی اعانت و خدمت کرنا۔ رات کو تراویح و تہجد اور اس وقت خصوصیت سے دعا و استغفار کا اہتمام

کرنا، اپنے لئے بھی مانگنا اور اللہ کے دوسرے بندوں کے لئے بھی مانگنا۔

ظاہر ہے کہ یہ سب اعمال تجارت اور ملازمت جیسے جائز دنیوی مشاغل کے ساتھ بھی کئے جا سکتے ہیں۔ صحابہ کرام یہ سب اعمال اپنے دنیوی مشاغل کے ساتھ ہی کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ان سطروں کے لکھنے والے کو بھی اور پڑھنے والے سب بھائیوں کو بھی توفیق عطا فرمائے کہ وہ اس مبارک رمضان میں ان اعمال کا اہتمام کریں۔ معلوم نہیں ہم میں سے کس کو آئندہ یہ مبارک مہینہ ملے گا۔

رحمت والے اس مہینے میں کن باتوں سے پرہیز ضروری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان میں اور روزہ کی حالت میں بعض باتوں سے پرہیز کی بھی خاص طور سے ہدایت اور تاکید فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جب کسی کا روزہ ہو تو وہ کوئی بیہودہ بات نہ کرے اور شور وشغب بھی نہ کرے اور اگر کوئی دوسرا اس سے گالی گلوج اور لڑائی جھگڑا کرنے لگے تو کہدے کہ میں روزہ سے ہوں (یعنی میری زبان کا بھی روزہ ہے، میں تم کو جواب بھی نہیں دونگا)"

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو آدمی روزہ رکھتے ہوئے غلط باتوں اور غلط کاموں سے پرہیز نہ کرے تو اللہ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی پروا نہیں (یعنی اس کا روزہ عند اللہ روزہ نہیں)۔

ایک اور حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"بہت سے روزے دار ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے روزہ کا حاصل بھوک پیاس کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا" (یعنی زبان وغیرہ کی بے احتیاطیوں اور بد اعمالیوں کی وجہ سے ان کا روزہ قابل قبول نہیں ہوتا اور اس کے نتیجہ میں بس اس دنیا کی بھوک پیاس ہی ان کے حصہ میں آتی ہے، آخرت میں ان کا یہ روزہ کھوٹا سکہ

ثابت ہوگا وہاں کچھ حاصل نہ ہو سکے گا) ۔

ایک دوسری حدیث میں زیادہ وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا ہے:

" روزہ صرف کھانا پینا چھوڑ دینے کا نام نہیں ہے، بلکہ بیہودہ کاموں اور بری باتوں سے اپنے نفس کو روکے رکھے تو حقیقی روزہ ہے ۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔

رمضان المبارک کے سلسلہ میں ہماری غلطیاں جن کی اصلاح ضروری ہے!

بعض شہروں اور بستیوں میں رواج ہے کہ سحر کے وقت (یعنی صبح صادق سے گھنٹہ دو گھنٹے پہلے سے صبح صادق کے وقت تک گا کر نظمیں پڑھنے والی پارٹیاں سڑکوں پر اور گلیوں میں گشت کرتی ہیں، ان کے ساتھ تماش بینوں کا اچھا خاصا مجمع بھی ہوتا ہے ۔ رمضان مبارک میں یہی وقت آسمانی رحمتوں، اور برکتوں کے نزول کا خاص وقت ہے ۔ جو لوگ اس وقت سڑکوں پر اس طرح گشت کرتے ہیں وہ اپنے کو تو اس وقت کی رحمتوں اور برکتوں سے محروم کرتے ہی ہیں لیکن اللہ کے جو بندے نماز یا قرآن پاک کی تلاوت یا ذکر و دعا اور مناجات و مراقبہ جیسے اعمال میں اس وقت مشغول ہوتے ہیں یہ ان کے ان اعمال میں بھی خلل ڈالتے ہیں ۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان میں وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو عملی زندگی میں روزہ نماز سے کوئی تعلق نہیں رکھتے یہ لوگ اپنے عمل سے غیر مسلموں کو یہ تبلاتے ہیں کہ رمضان کے مہینے میں اس طرح گانا اور سڑکوں پر گشت کرنا بھی ایک اسلامی عمل ہے ۔ بلاشبہ یہ سب شیطان کا کھیل ہے اور ہمارے یہ بھائی ناسمجھی سے اس کے آلہ کار بنتے ہیں ۔ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ پاک کو اپنے امتیوں کے اس طرح کے غلط کاموں سے شدید اذیت اور تکلیف ہوتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان بھائیوں کو اس بات کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے ۔

اسی طرح کا ایک غلط رواج یہ ہے کہ بعض مقامات پر ہمارے بعض بھائی صبح صادق سے گھنٹوں پہلے سے سڑکوں پر اور گلیوں میں چیخ چیخ کر لوگوں کو جگاتے ہیں، آواز لگاتے ہیں

کہ اب اتنا وقت ہوگیا، اب یہ وقت ہوگیا۔ ہمارے یہ بھائی ناواقفی سے غالباً اس کو نیکی اور ثواب کا کام سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ان کی شریعت نے اس کا حکم نہیں دیا اور ظاہر ہے کہ سڑکوں پر اور گلیوں میں اس طرح چلانے سے بھی ان بندوں کی نماز، دعا و مناجات اور توجہ الی اللہ میں خلل پڑتا ہے جو اس وقت ان مبارک اعمال میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض لوگ ایسے حال میں ہوتے ہیں کہ ان کے لئے کسی وجہ سے اس وقت سونا ضروری ہوتا ہے سڑکوں پر اور گلیوں میں چیخنے چلانے سے ان کو تکلیف ہوتی ہے اور یہ گناہ کی بات ہے بہر حال سڑکوں پر اور گلیوں میں گھوم گھوم کر اس طرح چیخنا چلانا ہرگز دین کا کام نہیں ہے اسی لئے نہ کوئی عالم دین یہ کام کرتا ہے اور نہ دوسروں کو اس کی تعلیم و ترغیب دیتا ہے۔ ہاں اگر کسی بھائی نے آپ سے کہدیا ہے کہ فلاں وقت مجھے آپ جگا دیا کریں تو ان کے گھر پر جاکر آواز دینا اور جگانا صحیح اور نیک کام ہوگا۔ اور اس پر انشاء اللہ آپ کو ثواب ملے گا۔

اسی طرح رمضان مبارک میں ہمارے بعض بھائی مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے ٹھیک اسی وقت جو توجہ الی اللہ، نماز اور دعا کا وقت ہوتا ہے، نظمیں سناتے یا تقریر فرماتے یا کسی کتاب سے کچھ پڑھ کر سناتے ہیں اور بعض بھائی ہر دس منٹ، پانچ منٹ کے بعد اعلان فرماتے ہیں کہ اب یہ وقت ہوگیا ہے، اب اتنے منٹ باقی ہیں! بس اللہ ہی جانتا ہے کہ ان چیزوں سے اللہ کے ان بندوں کی نماز، دعا، مناجات اور توجہ الی اللہ میں کتنا خلل پڑتا ہے اور ان کو کتنی روحانی اذیت ہوتی ہے، جو اس وقت ان اعمال و احوال میں مشغول ہوتے ہیں حالانکہ ان میں سے کسی بات کا بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاکؐ اور ان کی شریعت نے حکم نہیں دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اور ہمارے سب بھائیوں کو توفیق عطا فرمائے کہ رمضان مبارک میں اپنے کو ان مبارک اعمال میں مشغول کریں جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ہدایت فرمائی ہے اور اس مبارک مہینہ کے ایک ایک لمحہ کی قدر کریں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

مرض وفات اور وفات (۳)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَاشْتَدَّ وَجَعُهُ اِسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِي فَأَذِنَّ لَهُ
فَخَرَجَ وَهُوَ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ تَخُطُّ فِي الْأَرْضِ بَيْنَ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ
وَبَيْنَ رَجُلٍ آخَرَ ...... فَكَانَتْ عَائِشَةُ تُحَدِّثُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا دَخَلَ بَيْتِي وَاشْتَدَّ بِهِ وَجَعُهُ قَالَ هَرِيقُوا
عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ لَمْ تُحْلَلْ اَوْايِتُهُنَّ لَعَلِّي أَعْهَدُ اِلَى النَّاسِ
فَأَجْلَسْنَاهُ فِي الْمِخْضَبِ لِحَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ
طَفِقْنَا نَصُبُّ عَلَيْهِ مِنْ تِلْكَ الْقِرَبِ حَتَّى طَفِقَ يُشِيرُ اِلَيْنَا بِيَدِهِ اَنْ
قَدْ فَعَلْتُنَّ قَالَتْ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى النَّاسِ فَصَلَّى لَهُمْ وَخَطَبَهُمْ -

(رواہ البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا مرض بڑھ گیا اور تکلیف میں شدت زیادہ ہوگئی تو آپ نے ازواجِ مطہرات سے اجازت چاہی کہ اب آپ کا علاج اور تیمار داری میرے ہی گھر میں ہو (یعنی مستقل قیام میرے ہی گھر میں رہے) تو سب ازواجِ مطہرات نے اس کی اجازت دیدی (اور سب اس پر راضی ہوگئیں) تو آپ کو دو آدمی اس طرح لے کر میرے گھر آئے کہ آپؐ کے پائے مبارک (کے گھسٹنے سے) زمین پر لکیر بن رہی تھی (آپ کو لانے والے یہ دو آدمی) ایک ان میں سے عباس بن عبد المطلب تھے اور دوسرے ایک اور صاحب تھے ـــــ آگے حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف لے آئے تو (ایک دن) آپ کی تکلیف بہت بڑھ گئی، تو آپ نے ہم سے (یعنی ازواجِ مطہرات سے) فرمایا کہ مجھ پر سات ایسی مشکوں سے پانی چھوڑو جن کے بند کھولے نہ گئے ہوں، تاکہ (میری حالت بہتر اور پر سکون ہو جائے تو) میں (مسجد جاکر) لوگوں سے بطور وصیت کچھ ضروری باتیں کر سکوں ـــــ (حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں) کہ ہم نے آپ کو ایک ٹب میں بٹھایا جو آپ کی زوجۂ مطہرہ حفصہؓ کا تھا، پھر ہم نے (آپ کی ہدایت کے مطابق) آپ پر مشکوں سے پانی چھوڑنا شروع کیا۔ یہانتک کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے ہمیں اشارہ فرمایا کہ تم نے کام پورا کر دیا (حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آپ کو سکون ہو گیا)۔ چنانچہ آپ مسجد تشریف لے گئے پھر آپ نے نماز پڑھائی اور اس کے بعد خطاب بھی فرمایا (جس کا آپ کے دل میں خاص تقاضا تھا)　　(صحیح بخاری)

(تشریح) اس حدیث کا مضمون صحیح طور پر سمجھنے کے لئے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ حضورؐ کی نو ازواجِ مطہرات تھیں جن کے حجرات (چھوٹے چھوٹے گھر) الگ الگ تھے اور آپ کا دستور و معمول تھا کہ عدل و انصاف کے تقاضے کے مطابق باری باری ان سب کے ہاں ایک ایک رات قیام فرماتے آپ اس کی ایسی پابندی فرماتے تھے کہ بعض علمائے کرام نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ ایسا کرنا آپ کے حق میں فرض و واجب تھا۔ بہرحال ماہ صفر ۱۱ھ کی کسی تاریخ کو (جس کے بارہ میں روایات مختلف ہیں) آپ کے اس مرض کا سلسلہ شروع ہوا جس کا اختتام وفات ہی پر ہوا ـــــ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا۔ کے ہاں قیام تھا پھر اگلے دن

جن زوجہ مطہرہ کے ہاں قیام کی باری تھی آپ ان کے ہاں منتقل ہو گئے اور اس بیماری ہی کی حالت میں کئی دن تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا کہ جن زوجہ مطہرہ کے ہاں قیام کی باری ہوتی آپ ان کے ہاں منتقل ہو جاتے ۔ بیماری کی حالت میں روزانہ ایک گھر سے دوسرے گھر منتقلی آپ کے لئے سخت تکلیف کا باعث تھی، آپ کی خواہش تھی کہ اب آپ ایک ہی گھر میں قیام فرمائیں اور مختلف وجوہ سے اس کے لئے آپ کے دل میں حضرت عائشہؓ کے گھر کو ترجیح تھی ـــــ صحیح بخاری کی جو حدیث اوپر درج کی گئی ہے، اس کے الفاظ کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ حضورؐ نے خود ازواج مطہرات سے اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا اور ان سے اس کی اجازت چاہی لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اسی حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ابن سعد نے صحیح سند سے امام زہری سے نقل کیا ہے کہ امہات المومنین سے یہ اجازت حضورؐ کی طرف سے حضرت کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے لی تھی[1] ۔ بہر حال سب ازواج مطہرات اس پر راضی ہو گئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں پہنچا دیے گئے ـــــ خود حضرت صدیقہؓ کی روایت ہے کہ یہ دو شنبہ کا دن تھا یعنی وفات سے ٹھیک ایک ہفتہ پہلے ـــ آپ مرض کے اثر سے اس وقت تک اتنے ضعیف و نحیف ہو گئے تھے کہ آپ خود نہیں چل سکتے تھے، بلکہ دو آدمی اس طرح آپ کو لا رہے تھے کہ آپ کے پائے مبارک زمین پر گھسٹ رہے تھے ـــــ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان دو آدمیوں میں سے آپ کے چچا حضرت عباسؓ کا تو نام لیا اور دوسرے صاحب کا نام نہیں لیا، شارحین نے اسکی وجہ یہ لکھی ہے کہ حضرت عباس تو ایک طرف سے مستقل آپ کو اٹھائے ہوئے تھے اور دوسری جانب سے اٹھانے والے تبدیل ہوتے رہتے تھے، کبھی حضرت علیؓ اور کبھی حضرت عباس کے صاحبزادے فضل بن عباس اور کبھی حضرت اسامہؓ ـــــ بہر حال اس طرح آپ کو حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں پہنچا دیا گیا جس کو ہمیشہ کے لئے آپ کی آرامگاہ بننا مقدر ہو چکا تھا ـــ اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا یہ دو شنبہ کا دن تھا ۔

---

[1] فتح الباری ص ۱۰۲ ج ۱۸ طبع انصاری دہلی

آگے حدیث میں حضرت عائشہؓ کا جو بیان ہے کہ میرے گھر میں تشریف لانے کے بعد حضورؐ کی تکلیف میں شدت ہوگئی اور آپ کی ہدایت کے مطابق آپ کو غسل کرایا گیا اور سات مشکوں سے آپ پر پانی چھوڑا گیا جس کے بعد آپ کی حالت بہتر اور طبیعت ہلکی ہوگئی پھر آپ مسجد تشریف لے گئے اور نماز پڑھائی اور نماز کے بعد صحابہ کرامؓ سے خطاب فرمایا ـــــ تو یہ واقعہ اس دن کا نہیں ہے جس دن آپ حضرت صدیقہؓ کے گھر میں تشریف لائے بلکہ یہ تین دن کے بعد جمعرات کے دن کا واقعہ ہے جیسا کہ دوسری روایت میں اس کی صراحت ہے۔ اور یہ ظہر کی نماز تھی اور یہ حضورؐ کی زندگی کی آخری نماز تھی جو حضورؐ نے مسجد شریف میں پڑھائی اور اس کے بعد جو خطاب فرمایا وہ مسجد شریف میں آپ کی زندگی کا آخری خطاب تھا۔ اور یہ حضورؐ کی وہی نماز اور وہی آخری خطاب تھا جس کا ذکر حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں گزر چکا ہے۔ صحیح بخاری جزء سوم "باب انما جعل الامام لیؤتم بہ الخ" میں اس واقعہ سے متعلق حضرت عائشہ صدیقہؓ کی جو روایت ہے۔ اس میں صراحت ہے کہ یہ ظہر کا وقت تھا اور حضورؐ کی ہدایت کے مطابق حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اقتدا میں نماز شروع ہو چکی تھی، تو اس حالت میں حضورؐ نے سکون اور طبیعت میں ہلکا پن محسوس کیا اور آپ دو صاحبوں کے سہارے مسجد میں تشریف لے گئے، حضرت ابو بکرؓ جو نماز پڑھا رہے تھے ان کی نظر حضورؐ پر پڑی تو وہ اپنی جگہ سے پیچھے ہٹنے لگے، حضورؐ نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹو اپنی جگہ پر رہو اور جو دو حضرات آپ کو لے کر گئے تھے ان سے فرمایا کہ مجھے ابو بکر کے برابر ہی میں بٹھا دو، انھوں نے ایسا ہی کیا، اب اصل امام خود حضورؐ ہو گئے اور حضرت ابو بکر مقتدی ـــــ اس نماز کے بعد آپ نے وہ خطاب فرمایا جو حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے گزر چکا ہے اور وہیں صحیح مسلم کی روایت کے حوالے سے ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ جمعرات کا دن تھا۔ یہ وہی جمعرات تھی جس میں وہ واقعہ ہوا تھا جس کا ذکر حدیث قرطاس میں گزر چکا ہے۔

اس سلسلہ کی مختلف روایات سامنے رکھنے کے بعد واقعات کی ترتیب یہ معلوم ہوتی ہے کہ وفات سے پانچ دن پہلے جمعرات کے دن ظہر سے پہلے کسی وقت حضورؐ کے مرض اور تکلیف میں شدت ہوگئی، اس وقت آپ نے بطور وصیت کچھ لکھوانے کا ارادہ

فرمایا اور لکھنے کا سامان لانے کے لئے ارشاد فرمایا، پھر آپ کی رائے لکھوانے کی نہیں رہی (جیسا کہ حدیث قرطاس کی تشریح میں تفصیل سے بیان کیا جاچکا ہے) — لیکن آپ کے دل میں تقاضا رہا کہ وصیت کے طور پر کچھ ضروری باتیں صحابہ کرام سے فرمادی جائیں — چنانچہ جب ظہر کا وقت آیا تو آپؐ نے ازواج مطہرات سے فرمایا کہ مجھے غسل کراؤ اور سات ایسی مشکوں سے جن کے بند کھولے نہ گئے ہوں مجھ پر پانی چھوڑو[1]، ازواج مطہرات نے آپ کو ایک بڑے ٹب میں بٹھلا کر آپ کی ہدایت کے مطابق غسل کرایا - اس سے آپ کی حالت بہتر اور طبیعت ہلکی ہوئی تو آپ دو آدمیوں کے سہارے مسجد تشریف لے گئے اور جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے نماز بھی پڑھائی اور اس کے بعد منبر پر رونق افروز ہو کر خطاب بھی فرمایا —— اس خطاب میں جو کچھ آپ نے فرمایا وہ حضرت ابوسعید خدری کی روایت اور اس کی تشریح میں تفصیل سے بیان کیا جاچکا ہے۔ اس خطاب میں حضورؐ نے سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ امت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے امتیازی مقام کا ذکر فرمایا ہے اور یہ کہ امت میں جو مرتبہ ابوبکر کا ہے وہ کسی دوسرے کا نہیں ہے اور اپنی جگہ نماز کا امام تو آپ نے انکو پہلے ہی بنا دیا تھا —— ان سب چیزوں کو پیش نظر رکھ کر غور کیا جائے تو ایک حد تک یقین ہو جاتا ہے کہ آپ نے اسی دن ظہر سے پہلے تکلیف کی شدت کی حالت میں بطور وصیت لکھوانے کا جو ارادہ فرمایا تھا وہ حضرت ابوبکر کی خلافت و امامت ہی کا مسئلہ تھا، اگرچہ بعد میں خود آپکی رائے مبارک لکھوانے کی نہیں رہی لیکن آپ نے انکو اپنی جگہ امام نماز بنا کر اور مسجد شریف کے اس آخری خطاب میں ان کا امتیاز اور امت میں ان کا بلند ترین مقام بیان فرما کر ان کی خلافت و امامت کے مسئلہ کی طرف پوری رہنمائی فرمادی اور صحابہ کرام کے لئے وہ رہنمائی کافی ہوئی۔

عَنْ انس بنِ مالک اَنَّ المسْلِمِیْنَ بَیْنَا هُمْ فی صلاۃ الفجرِ مِنْ یوم الاثنینِ وَابُوْبکر یُصَلِّی لَهُمْ لم یَفْجَاهُمْ الاّ رسُوْلُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم قد کشَفَ سِتْرَ حُجْرَۃِ عَائِشَۃَ

---

[1] یہ ایک طریقہ علاج تھا جس کا اس زمانے میں حجاز مقدس میں رواج تھا اور ایک خاص قسم کے بخار میں یہ علاج نافع ہوتا تھا

فَنَظَرَ اِلَيْهِمْ وَهُمْ فِي صُفُوْفِ الصَّلٰوةِ ثُمَّ تَبَسَّمَ يَضْحَكُ فَنَكَصَ اَبُوْبَكْرٍ عَلٰى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ الصَّفَّ وَظَنَّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيْدُ اَنْ يَخْرُجَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَقَالَ اَنَسٌ وَهَمَّ الْمُسْلِمُوْنَ اَنْ يَفْتَتِنُوْا فِي صَلَاتِهِمْ فَرَحًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَشَارَ اِلَيْهِمْ بِيَدِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَتِمُّوْا صَلَاتَكُمْ ثُمَّ دَخَلَ الْحُجْرَةَ وَاَرْخَى السِّتْرَ ——— رواه البخاری

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ دوشنبہ کے دن (یعنی جس روز حضورؐ کی وفات ہوئی اسی دوشنبہ کے دن) مسلمان فجر کی نماز ادا کر رہے تھے، اور حضرت ابوبکرؓ امام کی حیثیت سے نماز پڑھا رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنی قیامگاہ) حضرت عائشہؓ کے حجرہ (کے دروازے) کا پردہ اٹھا کر ان پر نظر ڈالی جبکہ وہ صفوں میں کھڑے ہوئے نماز ادا کر رہے تھے۔ (یہ منظر دیکھ کر) آپؐ نے تبسم فرمایا اور چہرہ مبارک پر ہنسی کے آثار ظاہر ہوئے، آپ پر جب حضرت ابوبکرؓ کی نظر پڑی تو انھوں نے خیال کیا کہ حضورؐ نماز کے لئے تشریف لانا چاہتے ہیں، وہ پیچھے ہٹنے لگے تاکہ مقتدیوں کی صف میں شامل ہوجائیں (حدیث کے راوی حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کو دیکھ کر فرط مسرت سے مسلمانوں کا حال یہ ہوا کہ وہ نماز کی نیت توڑ دینے کا ارادہ کرنے لگے — تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ تم لوگ اپنی نماز پوری کرو، پھر آپ حجرہ کے اندر تشریف لے گئے اور آپ نے دروازہ کا پردہ گرا دیا — (صحیح بخاری)

تشریح) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے ایک بیان کی تشریح کے سلسلہ میں یہ بات پہلے ذکر کی جاچکی ہے کہ جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس دن صبح کو آپ کی حالت بظاہر بہت اچھی اور قابل اطمینان ہوگئی تھی حضرت انسؓ کی اس حدیث سے اس کی پوری تائید ہوتی ہے کہ آپ از خود اٹھ کر حجرہ کے

دروازہ پر تشریف لائے پردہ اٹھا کر دیکھا اور صحابہ کرام کو صف بستہ نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ کر آپ کو غیر معمولی خوشی ہوئی، چہرۂ مبارک کھل گیا اور جب ابوبکر صدیقؓ اپنی جگہ سے پیچھے ہٹنے لگے اور خطرہ پیدا ہوا کہ لوگ فرطِ مسرت سے نماز کی نیت نہ توڑ دیں تو آپ نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا کہ آپ لوگ جس طرح نماز پڑھ رہے ہیں اسی طرح ابوبکر کی اقتداء میں نماز پوری کریں ـــــ اس صبح کو حضورؐ کی طبیعت بظاہر اتنی اچھی ہوگئی تھی کہ حضرت ابوبکر مطمئن ہو کر اپنے مکان سنخ تشریف لے گئے جو مسجد شریف سے خاصے فاصلے پر تھا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کَانَ اِذَا اشْتَكٰى نَفَثَ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهٖ فَلَمَّا اشْتَكٰى وَجَعَهُ الَّذِىْ تُوُفِّىَ فِيْهِ طَفِقْتُ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِىْ كَانَ يَنْفُثُ وَاَمْسَحُ بِيَدِ النَّبِىِّ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم عَنْهُ ـ رواہ البخاری

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ مریض ہوتے تو "مُعَوِّذات" پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے اور جسم مبارک پر اپنا ہاتھ پھیرتے ـ پھر جب آپ اسی مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ نے وفات پائی (اور غلبۂ مرض اور ضعف کی وجہ سے خود معوذات پڑھ کر دم کرنا اور جسم مبارک پر خود ہاتھ پھیرنا آپ کے لئے مشکل ہوگیا) تو میں وہی معوذات پڑھ کر آپ پر دم کرتی تھی اور خود حضورؐ کا دست مبارک آپ کے جسم مبارک پر پھیرتی تھی ـ (صحیح بخاری)

(تشریح) حدیث میں مُعَوِّذات سے مراد بظاہر قرآن پاک کی آخری دو سورتیں (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) ہیں حضورؐ اکثر یہی دو سورتیں پڑھ کر دم کیا کرتے تھے۔ ان کے ساتھ وہ دعائیں بھی مراد ہو سکتی ہیں جن میں ہر طرح کے امراض و آفات اور ہر قسم کے شرور و بلیات سے حفاظت اور پناہ مانگی جاتی ہےؒ۔

اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ بیان بھی ہے کہ میں معوذات پڑھ کر حضورؐ کا دست مبارک اپنے ہاتھ میں لے کر حضورؐ کے جسم مبارک پر اس لئے پھیرتی تھی کہ جو برکت حضورؐ کے دست مبارک میں تھی وہ میرے یا کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں ہو سکتی تھی۔

ؒ یہ دعائیں "معارف الحدیث جلد پنجم" میں زیر عنوان "استعاذہ کی دعائیں" دیکھی جا سکتی ہیں

خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی

دوسری قسط

یہودیت اور ایرانی انقلاب

[جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے، اس مضمون کا اصل موضوع یہودیت اور ایرانی انقلاب کے مابین تعلقات کی اصل نوعیت پر پڑے ہوئے ان دبیز پردوں کو چاک کرنا ہے جو نہایت ہوشیاری اور روایتی یہودی مکاری کے ساتھ اس پر ڈال دیئے گئے ہیں اور امت کو پرانے شکاریوں کے نئے جال سے باخبر کرکے سنجیدہ غور و فکر کی دعوت دینا ہے

راقم الحروف نے جب اس موضوع پر لکھنے کا ارادہ کیا اور اس سلسلہ میں منتشر معلومات کو یکجا کرنے کا کام شروع کیا تو دل میں یہ احساس شدت سے بیدار ہوا کہ پوری دنیا میں ایسے مسلمان معدودے چندہی ہوں گے جو یہودیوں کے مزاج منصوبوں اور ان کے ماضی اور حال سے اور مستقبل کے ارادوں سے کما حقہٗ واقف ہوں گے، اسی طرح ایران اور یہودیت کے مابین قدیم تعلق اور ایرانی قوام کے ماضی اور حال سے صحیح واقفیت بھی خال خال ہی لوگوں کو ہوگی۔ اور ان دونوں موضوعات کے متعلق جتنی گہری بصیرت اور جتنی تفصیلی واقفیت حاصل ہوگی اسی قدر سہولت زیر بحث موضوع کو سمجھنے اور باور کرنے میں ہوگی۔

ان دونوں موضوعات کی جو اہمیت ہے، اور ان پر جتنا مواد مشرق و مغرب کے کتب خانوں میں موجود ہے ان کے لحاظ سے ان دونوں پر ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔ اور جو لوگ داخلی و بیرونی محاذوں پر اسلام اور امت مسلمہ کے ان بدترین دشمنوں کے ارادوں اور ان کی سازشوں سے واقف ہیں انھیں اس

ضرورت کا شدت سے احساس ہے کہ ان کے ان خطرناک ارادوں سے عام مسلمانوں کو باخبر کیا جائے، اور پھر صورتحال کو سامنے رکھ کر کتاب اللہ اور اسوۂ نبی کی روشنی میں کچھ کرنے کی دعوت دی جائے۔

اس مضمون کی گذشتہ قسط میں اسلام اور یہودیت کے درمیان تعلق کی ابتدائی تاریخ کا جائزہ لیا گیا ہے بعد کی صدیوں میں اس تعلق کی نوعیت کو سمجھنے کے لئے ذیل کی سطروں میں گذشتہ چودہ سو سال کی اسلامی تاریخ کے ایسے چند بڑے بڑے واقعات کا ذکر کیا جائے گا جو اسلام اور امت مسلمہ کی بیخ کنی کے مقصد سے برپا کئے گئے تھے اور جن کے پیچھے یقینی طور پر یہودی سازش کا ہاتھ تھا۔

۱۔ حضرت عمر فاروق رضؓ کی شہادت

عام طور پر تاریخ کی کتابوں میں حضرت عمر فاروق رضؓ کی شہادت کا سبب صرف یہ واقعہ قرار دیا جاتا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کے ایک پارسی غلام فیروز ابولولو نے ایک دن حضرت عمر رضؓ سے آکر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ بن شعبہ نے مجھ پر بہت بھاری محصول مقرر کر دیا ہے، آپ کم کرا دیجئے۔ حضرت عمر نے جب اس محصول کی مقدار پوچھی تو وہ بہت کم تھی، چنانچہ آپ نے اس کی درخواست منظور نہیں فرمائی بس اسی بات پر ناراض ہو کر دوسرے دن فیروز نے عمر رضؓ پر قاتلانہ حملہ کر دیا جس کے نتیجہ میں آپ شہید ہو گئے۔

لیکن تاریخ کے ذخیرہ میں موجود اس سلسلہ کی تمام کڑیوں کو ملایا جائے، اور اس دور کی صورتحال کو بھی سامنے رکھا جائے تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ معاملہ اتنا مختصر نہیں تھا۔

طبری کی روایت ہے کہ جس دن نماز فجر میں حضرت عمر پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا اسی دن تڑکے میں عبدالرحمٰن بن ابو بکر نے ابولؤلؤۃ، ہرمزان اور جفینہ کو خفیہ بات چیت کرتے ہوئے دیکھا تھا اور جیسے ہی ان تینوں کی نگاہ عبدالرحمٰن پر پڑی تھی ان سے ایک

خنجر بھی اچھوٹ کر گرا تھا۔

یاد رہے کہ ابولولوۃ اور ہرمزان دونوں ایران کے مجوسی تھے اور جفینہ عیسائی تھا، بلکہ ہرمزان ایرانی فوجوں کے ایک حصہ کا کمانڈر رہتا، جو آخر میں جب گرفتار کر کے حضرت عمرؓ کے پاس لایا گیا تھا تو اس نے اسلام قبول کر لیا تھا، پھر حضرت عمرؓ نے اسے مدینہ میں ہی ٹھیرا لیا تھا

اس روایت کی روشنی میں بعض مصنفین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت مجوسیت اور عیسائیت کی مشترکہ سازش کا نتیجہ تھی[1] پھر اس دور میں یہودیت کو جو حیثیت حاصل تھی اور یہودیوں کو جس درجہ کی دشمنی اسلام سے تھی اور پردہ کے پیچھے سے تخریبی کارروائیوں میں جو مہارت انھیں حاصل تھی، اس سب کو دیکھتے ہوئے بعض مصنفین نے حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کو بھی خفیہ یہودی سازش کا نتیجہ بتایا ہے[2] ہمارے نزدیک بھی اسے بعید از قیاس نہیں قرار دیا جا سکتا۔

۲۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت

ہمارے خیال میں یہ بات اتنی معروف و مشہور ہو چکی ہے کہ اس کے لئے کسی تفصیل یا حوالے کی ضرورت بھی نہیں رہی کہ جس بغاوت کے نتیجہ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت ہوئی تھی اس کے پیچھے بھی یہودی لیڈر عبداللہ بن سبا کا ہاتھ تھا چنانچہ پورے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت بھی یہودی سازش کا نتیجہ تھی۔ اس پوری سازش کی تفصیلات تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ہمارے زمانہ کے معروف شامی مصنف استاذ عبدالرحمٰن حسن جنبکہ نے اپنی کتاب مکائد یہودیہ میں اس یہودی سازش کا جامع اور مرتب تذکرہ کیا ہے۔ حضرت والد ماجد کی کتاب "ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت" میں ص ۱۰۴ سے ص ۱۰۷ تک ۴ صفحات میں اس یہودی سازش کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے مطالعہ سے بھی اس سازش

---

[1] مثلاً ڈاکٹر عبداللہ محمد الغریب مصنف "وجاء دور المجوس" ص ۵۵

[2] مثلاً ملاحظہ ہو مکائد یہودیہ عبر التاریخ از عبدالرحمٰن حسن جنبکہ ص ۱۶۱

کے بارے میں مزید کسی حد تک معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔

۲۔ حضرت علیؓ کے عہد میں یہودی سازش

یہودیوں نے عبداللہ بن سبا کی قیادت میں دورِ عثمانی میں جو سازش چھیڑی تھی اس کا ایک نقطہ، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف عام لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات اور بدگمانیاں پھیلا کر عام انتشار پھیلانا تھا، اور دوسرا نقطہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ غیر معمولی عقیدت و محبت کے جذبات عوام کے دل میں پیدا کر کے اور سادہ دل عوام اور اصحاب اغراض کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہلبیت نبوی کی محبت کے بہلانے سے خلیفۂ راشد سے توڑ کر امت کی اجتماعیت کو ختم کرنا تھا، حضرت عثمانؓ کو شہید کر کے انھوں نے اپنی تحریک کی ایک منزل سر کر لی تھی اب جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو اس یہودی سازش نے جو راستہ اختیار کیا اس میں زیادہ توجہ دینی تحریف اور خود اسلام کے حلیہ کو مسخ کر دینے اور اصلی قرآنی و نبوی اسلام کی جگہ ایک نئے دین کو وضع کرنے اور اسے لوگوں اور عام مسلمانوں کے ذہنوں میں راسخ کر دینے پر تھی، یہودیوں نے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ مسلمانوں کی اجتماعیت اسی وقت تک قائم ہے جب تک ان کے ذہنوں میں ختم نبوت کا صحیح مفہوم زندہ ہے اور خلافت اپنے حقیقی مفہوم کے ساتھ قائم ہے۔ لہٰذا انھوں نے انہی دونوں بنیادی عقیدوں کو منہدم کرنے کے لئے "امامت" کا منصب وضع کیا اور اس میں خلافت اور نبوت ہی کے نہیں بلکہ الوہیت کے بھی خصائص و لوازم جمع کر کے ان کا مصداق حضرت علیؓ کو قرار دینا شروع کیا۔

اسی دور میں یہ بات پہلی بار پھیلائی گئی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے لئے امام کی حیثیت سے حضرت علی کا تعین اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی ہو چکا تھا، اور تینوں خلفاء نے ان کا یہ حق جان بوجھ کر غصب کیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ حضرت علیؓ کے بعد کے لئے بھی ائمہ نامزد کئے جا چکے ہیں۔

ہم یہاں اس دور کی مفصل تاریخ نہیں لکھنا چاہتے ہیں، ہم صرف یہ عرض کرنا

چاہتے ہیں کہ ایک متوازی امت اور ایک مستقل دین کی تشکیل کی غرض سے عقیدۂ امامت کا اظہار و اعلان اسی دور میں شروع ہوا بلاشبہ یہ اسی طرح کی تحریفی کوشش تھی جس کے نتیجہ میں عیسائیت کا حلیہ بگاڑ اگیا تھا، اور اگرچہ اس سے امت مسلمہ کے اندر ایک ایسا فرقہ وجود میں آگیا جس نے ہر دور میں یہودیت کے اشاروں پر کام کیا اور اب تک اس سے جو نقصان پہنچا ہے بہت کم لوگوں کو اس کا صحیح اندازہ ہوگا، لیکن چونکہ تقدیر الٰہی میں طے ہو چکا تھا کہ اسلام کو مٹانے اور اس کو بگاڑ دینے کی کوئی کوشش سو فیصد کامیاب نہیں ہوگی اس لئے اسلام کو بالکلیہ بگاڑ دینے کی اور سطح زمین سے صحیح اسلام کو نیست و نابود کر دینے کی یہ یہودی سازش بھی کامیاب نہیں ہو سکی اور نہ انشاء اللہ ہوگی

یہاں ہم یہ بات بھی ذکر کر دیں کہ یہ بات کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا اور اس نے یہودی افکار و خیالات کو اسلام کا لباس پہنا کر اور کچھ نام بدل کر پھیلانا شروع کیا تھا صرف ہمارا دعویٰ نہیں ہے بلکہ چوٹی کے شیعہ علماء اور مورخین بھی عبداللہ بن سبا کی شخصیت کے بارے میں ان حقائق کو ظاہر کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

حضرت والد ماجد مدظلہ کی تصنیف " ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت میں شیعوں کی اسماء الرجال کی مستند ترین کتاب " رجال کشی کے حوالہ سے یہی باتیں لکھی گئی ہیں رجال کشی کے مصنف سے بھی زیادہ متقدم حسن بن موسیٰ نوبختی جو تیسری صدی ہجری کے مستند ترین شیعہ عالم ہیں نے اپنی کتاب فرق الشیعہ میں عبداللہ بن سبا کے بارے میں لکھا ہے :-

" وکان ممن اظہر الطعن علی	عبداللہ بن سبا، ابوبکر و عمر اور عثمان
ابی بکر و عمر و عثمان والصحابة	اور عام صحابہ کو برا بھلا کہنے والوں
وتبرأ منہم، وقال ان علیا	اور ان سے اظہار برأت کرنے والوں
علیہ السلام امرہ بذلک	میں سے تھا وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اسے
فاخذہ علی فسألہ عن قولہ	(اس طرز عمل کا حکم حضرت علی نے دیا
ھذا فاقر بہ فامر بقتلہ	ہے - چنانچہ علی نے اسے گرفتار

فصاح الناس الیہ یا امیر المومنین اتقتل رجلا یدعو الی حبکم اهل البیت والی ولایتك والبراءة من اعدائك ، فصیرہ الی المدائن وحکی جماعة من اهل العلم من اصحاب علی علیہ السلام ان عبد اللہ بن سبا کان یهودیا فاسلم ووالی علیا علیہ السلام وکان یقول وهو علی یهودیتہ فی یوشع بن نون بعد موسی علیہ السلام بمثل ذلك وهو اول من شهر القول بفرض امامة علی علیہ السلام واظهر البراءة من اعدائہ وکاشف مخالفیہ ، فمن هناك قال من خالف الشیعة ان اصل الرفض ماخوذ من الیهودیة "

کر کے اس سے اس بارے میں باز پرس کی تو اس نے ان باتوں کا اقرار کیا، حضرت علی نے اس کے قتل کا حکم جاری کر دیا تو لوگ چیخ پڑے (اور حضرت علی سے کہا کہ) اے امیر المومنین ! آپ ایک ایسے شخص کو قتل کرانا چاہتے ہیں جو اہل بیت نبوی کی محبت اور آپ کی "ولایت" اور آپ کے دشمنوں سے بے تعلقی کی دعوت دیتا ہے —— یہ سن کر حضرت علی نے (اسے قتل کرنے کا فیصلہ بدل دیا اور) مدائن بھیج دیا ، حضرت علی (علیہ السلام) کے ساتھیوں میں سے کچھ اہل علم کا بیان ہے کہ عبد اللہ بن سبا یہودی تھا اسلام لا کر علی علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے ہو گیا - جب یہودی تھا تب موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے زمانہ کے لئے یوشع بن نون کے متعلق اسی قسم کی باتیں کیا کرتا تھا، اسلام لانے کے بعد اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کے دور کے لئے علی علیہ السلام کے متعلق اسی قسم کی باتوں کو نشر کیں - علی علیہ السلام کی امامت کی تعیین کی بات کو سب سے پہلے پھیلانے والا اور ان کے مخالفوں کی کھلم کھلا تردید کرنے

والادہ پہلا شخص ہے ۔ اور شیعوں کے
مخالفین اسی بنیاد پر یہ کہتے ہیں کہ رفض کی بنیاد
یہودیت سے ماخوذ ہے ۔

۴۔ تحریک باطنیت

عبداللہ بن سبا کی تحریک کو سب سے زیادہ کامیابی کوفہ میں ملی تھی، تیسری صدی ہجری میں اس تحریک کو آگے بڑھانے کا کام بھی کوفہ میں شروع ہوا، جب کہ تحریک کے تخریبی و تخریبی منصوبوں کی توسیع و تکمیل کے لئے ۲۶۰ھ میں میمون بن دیصان قداح نامی ایک یہودی نے ٹھیک عبداللہ بن سبا کے طرز پر کام شروع کیا، اس کی اور اس کے ساتھیوں کی کوششوں نے باطنیت کی جس تحریک کو جنم دیا، اس نے اسلام اور امت مسلمہ کو جتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ اسکے تذکرہ کے لئے جلدیں درکار ہیں۔

اسلام کے دشمن خصوصاً یہود و نصاریٰ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ جب تک اس امت کا فکری و عملی رشتہ اسلام سے صحیح طور پر قائم ہے، اور اس امت کے اندر ایمان باللہ اور اعتصام باللہ کی بدولت اجتماعیت اور حقیقی وحدت کی طاقت موجود ہے اس کے قلعہ میں شگاف لگانے اور اس کا رخ بدلنے کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے شروع سے ان کی جد وجہد کا اصل نشانہ یہ رہا ہے کہ کسی طرح امت کا رشتہ اس کے اپنے سرچشمہ سے توڑ دیا جائے۔ اس کے لئے انھوں نے سب سے پہلے ختم نبوت کی بنیاد کو منہدم کرنے کی کوشش کی اور خلافت راشدہ کے نظام کو ختم کیا اور جب بھولے بھالے عوام اور اصحاب اغراض کی خاصی بڑی تعداد امامت اور ائمہ کے فرضی عنوان پر ان یہودی منافقوں سے وابستہ ہو گئی تو انھوں نے ایک قدم آگے بڑھا کر یہ بات پھیلانی شروع کی کہ دینی الفاظ و اصطلاحات کے جو مفہوم و معانی رائج ہیں وہ بالکل غلط اور صرف ظاہری ہیں، ان کے حقیقی اور باطنی مفہوم کا علم صرف ائمہ کو ہے مثلاً انھوں نے کہا کہ نماز کے معنی اپنے امام کی پیروی، حج کے معنی امام کی زیارت اور خدمت صوم کا مطلب امام کے راز کا افشا نہ کرنا، زنا کا مطلب بغیر عہد و پیمان لئے اپنے مذہب کا راز بتانا ہے، انھوں نے یہ بھی کہا کہ ملائکہ سے مراد ان کے مذہب کے داعی ہیں اور شیاطین سے مراد ان کے مخالفین ہیں اور جنت سے مراد دنیا کا آرام، اور عذاب سے مراد پابند شریعت

لوگوں کا نماز روزہ، حج اور جہاد میں مشغول ہونا ہے"

ان چند جملوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ باطنیت کی تحریک کے اس حصہ کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کے فکری و عملی نظام سے امت کے رشتہ کو توڑ کر اور الفاظ و اصطلاحات کے باہمی ربط کو منعدم کر کے امت کو ایسا بنا دیا جائے کہ وہ ہر دعوت اور ہر فلسفہ کا شکار ہو سکے اور اس کے سنگین قلعہ میں ہزاروں شگاف پیدا ہو سکیں ۔ انھیں یقین تھا کہ اس طرح اسلام کی پوری عمارت کو آسانی سے ڈائنامیٹ کیا جا سکتا ہے اور اسلام کے ظاہری خول کے اندر ریاست اندرون ریاست قائم کی جا سکتی ہے ۔

یہ تو تحریک کے اس حصہ کا تذکرہ تھا جس کا تعلق دین کی تحریف سے تھا، جہاں تک اجتماعی و سیاسی میدان میں اس تحریک کے مقاصد اور اس کی سازشوں کے منحوس نتائج کا تعلق ہے تو واقعہ یہ ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ روز اول سے لے کر آج تک (بلا مبالغہ آج تک) امت مسلمہ کے جسم پر جتنے زخم لگے ہیں اور انفرادی و اجتماعی طور پر جتنی آزمائشیں اور مصیبتیں اس امت پر آئی ہیں ان سب کے پیچھے اسی یہودی سازش کا ہاتھ ہے جو باطنیت کی آڑ میں سرگرم عمل رہی ہے تو اس میں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہیں ہے ۔ وہ باطنی تحریک ہی تھی جس نے پہلے تو عباسیوں کی حمایت کے پردے میں ایرانی قومیت و شعوبیت کی حمایت کی اور عربیت کو شکست دی جو اسلامیت کا دوسرا نام بھی تھی پھر جب بعض عباسی خلفاء نے ایرانی عنصر کی گرفت سے نکلنے کی کوشش شروع کی تو باطنی تحریک کی طرف سے خلافت عباسیہ کے خلاف بغاوتوں کی ہمت افزائی کا سلسلہ شروع ہو گیا جس کے نتیجہ میں اس کے خاتمہ کے بعد متعدد شیعی حکومتیں قائم ہو گئیں جو خلافت عثمانیہ کیلئے درد سر بنی رہیں اور مسلمانوں کے متحدہ محاذ کو سبوتاژ کرتی رہیں. باطنیوں کے حملوں میں جتنے بے گناہ مسلمانوں کا خون بہا ہے ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہو گی ۔ تیسری صدی سے ان کی قتل و غارتگری کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے اب تک ختم نہیں ہوا ہے ۔ اور خدا جانے کب تک جاری رہے گا؟ حجاج کے قافلوں کو لوٹنے اور انھیں تہ تیغ کرنے سے انھیں ہمیشہ خصوصی دلچسپی رہی ہے ۔

ہم اس مضمون میں ان کے مظالم کا مختصر سا جائزہ لینے سے بھی قاصر ہیں ۔ البتہ قارئین سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ کم از کم مولانا شمس تبریز خاں کا وہ مضمون ایک بار پھر پڑھ لیں

جو الفرقان کے نومبر و دسمبر ۱۹۸۴ء و جنوری و فروری ۱۹۸۵ء کے شماروں میں "تاریخ اسلام میں شیعیت و باطنیت کا منفی کردار" کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔

عظیم متکلم اسلام امام عبد القاہر بغدادی (م ۴۲۹ھ) نے اپنی کتاب "الفرق بین الفرق" میں بالکل صحیح لکھا ہے:

"جو نقصان مسلمانوں کو باطنیوں سے پہنچا ہے وہ براہ راست یہود اور نصاریٰ اور مجوسیوں کے نقصان سے بھی زیادہ ہے۔ بلکہ تمام دہریوں اور ہر قسم کے کافروں سے بھی، اور آخر زمانہ میں ظاہر ہونے والے دجال سے بھی کہیں بڑھا ہوا ہے، کیونکہ باطنی دعوت کے ظہور کے وقت سے اب تک اس کے ذریعہ گمراہ ہونے والوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے اس لئے کہ فتنۂ دجال تو کل چالیس دن رہے گا جبکہ باطنیوں کے دجل و فریب ریت کے ذروں اور بارش کے قطروں سے بھی زیادہ ہیں"

حافظ ابن قیمؒ نے اپنی کتاب "الصواعق المرسلہ" میں ان باطنیوں کے عروج اور اس کے اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے

"ان باطنیوں کی دعوت مشرق میں تو مضمحل ہو گئی اور مغرب میں رفتہ رفتہ اس کا ظہور شروع ہوا یہاں تک کہ وہ بڑی طاقتور دعوت بن گئی اور اس کے پنجے جم گئے اور اس کے علمبردار مغرب اقصیٰ کے شہروں پر قابض ہو گئے پھر انھوں نے آگے قدم بڑھایا اور مصر تک پہنچ گئے، انھوں نے اس پر قبضہ کر لیا اور قاہرہ کی بنیاد رکھی، انھوں نے اور ان کے حکام و قضاۃ نے کھلے طریقہ پر اپنی دعوت کا سلسلہ جاری رکھا، انہی کے زمانہ میں رسائل اخوان الصفا تصنیف ہوئے اور ابن سینا نے اشارات اور شفا اور دوسری تصنیفات کیں۔ خود ابن سینا کا بیان ہے کہ میرے والد حاکم بامر اللہ (فاطمی خلیفہ اور داعی) کے مبلغین میں سے تھے، ان باطنیوں کے دور میں سنت و آثار کا چلن موقوف ہوا اور کتب سنت بالائے طاق رکھدی گئیں، کہیں کوئی چھپ چھپا کر ان کو دیکھتا ہوگا اور عمل کرتا ہوگا، اس دعوت کا تمغۂ امتیاز اور بنیادی اصول یہ تھا کہ عقل کو انبیاء علیہ السلام کی وحی و تعلیمات پر ترجیح حاصل ہے۔

رفتہ رفتہ سارے ملک مغرب، مصر و شام و حجاز پر ان باطنیوں کا تسلط ہو گیا عراق پر

بھی سال بھر ان کا قبضہ رہا ، اہلسنت ان کے دور حکومت اور ان کی مملکت میں ذمیوں کی طرح رہتے تھے ، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ذمیوں کو وہ امن و امان اور عزت و اعتبار حاصل تھا جو اہلسنت کو نصیب نہ تھا ، کتنے علماء اس دور میں قابل گردن زدنی قرار پائے کتنے وارثین انبیاء ان کے قید خانوں میں پڑے پڑے دنیا سے چلے گئے"۔[1]

اس تحریک کے تعارف کے لئے آخر میں ہم ہالینڈ کے مورخ (De - Geote کا یہ بیان نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں :

"عرب اور اسلام سے سخت نفرت ہی وہ سبب تھا جس نے تیسری صدی کے نصف میں ایک شخص عبداللہ بن میمون نامی کو جو پیشے کی حیثیت سے قدّاح (معالج چشم) اور نسل کے اعتبار سے ایرانی تھا ایسی تجویز سجھائی جو بڑی دلیری اور چالاکی سے سوچی گئی اور غیر معمولی یقین اور قوت سے عمل میں لائی گئی ۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایسے ذرائع فراہم کئے گئے جو بجا طور پر شیطانی کہے جا سکتے ہیں ۔ انسانی کمزوری کے ہر پہلو پر حملہ کیا گیا ۔ ایمان لانے والوں کو جاں نثاری سکھائی گئی بے پروا اشخاص کو صرف رخصت ہی نہیں بلکہ آزادی کی تعلیم دی گئی ، عقلمندوں کو فلسفہ بتلایا گیا ، متعصبوں کو آخرت کی امیدیں دلائی گئیں اور عام لوگوں کو معجزے دکھائے گئے ۔ اسی طرح یہود کے سامنے ایک مسیح ، نصاریٰ کے روبرو ایک فارقلیط ، مسلمانوں کے لئے ایک مہدی اور ایرانی اور شامی مشرکوں کے لئے ایک فلسفیانہ مذہبی نظام پیش کیا گیا یہ نظام ایک ایسے خاموش استقلال کے ساتھ پیش کیا گیا جو ہمارے لئے حیرت انگیز ہے ، اور اگر ہم اس مقصد کو بھول سکیں تو ہماری تحسین کا مستحق ہے ۔"

(تاریخ فاطمین مصر حصہ دوم ص ۲۸۴)

اس تحریک کے صرف ضروری حد تک تعارف ، اور اس کی کارگذاریوں کے مختصر تذکرہ

---

[1] الصواعق المرسلہ ۔ ج ۱ ص ۲۳۳ ، ۲۳۴

کے لئے بھی، بلا مبالغہ جلدیں درکار ہیں، ہم اس وقت جس بات کی طرف اہل فکر ونظر کی توجہ مبذول کرنا چاہتے ہیں وہ یہ نقطہ ہے کہ اس تحریک کا بیج ایک ایرانی نژاد یہودی نے ڈالا تھا اور یہ تاریخ کی شہادت ہے کہ یہودیوں کو اپنے مفسدانہ منصوبوں کیلئے مشرقی ممالک میں ـــــ سب سے زیادہ مدد ایران سے ملی ہے ۔ اور جب بھی ایرانی مجوسیت اور یہودیت نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا ہے ۔ انسانیت اور مسلمانوں پر نت نئی مصیبتوں اور آفتوں کے پہاڑ ٹوٹے ہیں ۔

گذشتہ دو سال سے جب سے کہ راقم الحروف نے تاریخ اسلام کا کچھ مطالعہ شروع کیا ہے ہر لمحہ اس کا یقین اس بات پر بڑھتا جا رہا ہے کہ ان ہولناک واقعات اور خطرناک سازشوں کے پیچھے یہودی دماغ کا کردار سب سے زیادہ اہم رہا ہے ۔ دوسری اسلام دشمن طاقتیں جو ان سازشوں میں شریک رہیں بلکہ پیش پیش رہیں ان سے کام لینے اور انھیں استعمال کرنے کا مقام بھی یہودیوں ہی کو حاصل رہا ہے ۔

یہاں صرف اشاروں کی زبان میں اتنا عرض کیا جا سکتا ہے کہ جب کوئی صورت اسلام اور مسلمانوں کے استحکام کی ظاہر ہوئیں، یہودیوں نے فوراً اپنے خونیں پنجہ اور آتشیں دماغ کو حرکت دیکھ صورتحال کو بدلنے، اور اپنی بھڑاس نکالنے کی کوشش کی، خلافت راشدہ کے خلاف سازش کرنے والے وہی تھے ۔ خلافت بنی امیہ کو راستے سے ہٹا کر اور شعوبیت و عربیت کی لڑائی چھیڑ کر بنو عباس کے بہانے سے ایرانی عنصر کو تقویت دینے والے بھی وہی تھے، اور پھر جب بعض خلفائے بنو عباس نے اپنے اختیارات کو استعمال کرنے اور اسلامی مملکت کو ان مجرموں کے پنجے سے نکالنے کی کوشش شروع کی تو خلافت بنی عباس کے خلاف بغاوتوں کی ہمت افزائی کر کے بالآخر اسے درہم برہم کرنے والے بھی وہی تھے اندلس میں مسلمانوں کے استحکام کو ختم کرنے میں بھی ان کا حصہ تھا، خلافت عثمانیہ کو کمزور اور بالآخر اسے قصۂ پارینہ بنانے والے بھی وہی تھے، دونوں عظیم جنگوں کی آگ بھڑکانے والے بھی وہی تھے، اور فرانس اور روس کے انقلاب کے پیچھے بھی صرف

انہی کے منصوبے کام کر رہے تھے، اور عصر حاضر میں عالم اسلام اور پوری دنیائے انسانیت جن مصیبتوں میں گرفتار ہے ان سب کے پیچھے بھی یہودی سازش ہی کا ہاتھ ہے۔ برصغیر کے بہت کم مسلمان اس بات سے واقف ہیں کہ جن حالات سے اسلام اور مسلمان اس وقت اس علاقے میں دوچار ہیں ان کی منصوبہ بندی میں بھی بڑا حصہ یہودیوں کا ہے۔

راقم الحروف الفرقان کے صفحات کے ذریعہ اپنے بڑوں اور اہل فکر و درد کی خدمت میں اپنا یہ احساس رکھ دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ یہودیوں کے مقاصد، طرز عمل اور ان کی خطرناک سازشی ذہنیت کو جتنی شدت سے محسوس کیا جانا چاہیے، اور اس بارے میں کم سے کم ان لوگوں کو جتنا واقف ہونا چاہیے جن کی بات مانی جاتی ہے اور جنھیں عوام عقیدت یا اعتماد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، شاید اس کے لحاظ سے اس پہلو پر توجہ بہت کم دی جا رہی ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے اس بدترین دشمن سے واقف ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ مشرق و مغرب کے کتب خانوں میں سیکڑوں شہادتیں ایسی موجود ہیں جن کی مدد سے کم از کم ہم خود اپنے سب سے بڑے دشمن کو پہچان سکتے ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ ایرانی انقلاب نے شیعیت کی حقیقت اور یہودی سازشوں کی نوعیت ان دونوں چیزوں کے سمجھنے کا ایک ایسا موقع فراہم کیا ہے جسے کسی قیمت پر ضائع نہیں ہونے دینا چاہیے۔

یہاں اپنے موضوع سے ہٹ کر انتباہ کے طور پر ایک ضروری بات یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے جو کچھ سطور بالا میں عرض کیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امت پر جو جو حالات آئے اور جو حوادث پیش آئے ان کی ذمہ داری خود امت پر نہیں عائد ہوتی بلکہ وہ تو فلاں دشمن کی سازش کا نتیجہ ہیں۔ حاشا وکلا اس طرز فکر کو ہم خدا کے نظام سے ناواقفی کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ ہمارے حالات کی ذمہ داری سو فیصد خود ہم پر ہے اگر ہم نے قرآن مجید کی رہنمائی پر کما حقہٗ عمل کیا ہوتا، اور ایمان باللہ، اعتصام باللہ اور صبر و مصابرت اور رباط و تقویٰ کو اپنا شعار بنایا ہوتا تو ہرگز یہ حالات نہ ہوتے، اس لئے ان سازشوں سے اسلام اور امت مسلمہ کی حفاظت کے لئے

ہمیں کیا کرنا چاہیے ؟ انشاء اللہ اس مقالہ کے آخر میں اس بارے میں بھی اپنے خیالات واحساسات مختصراً عرض کر دیے جائیں گے ۔

اعلانِ حق اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ

ایک مرتبہ حضرتؒ نے فرمایا ۔ اجی حضرت کس کا راز اور کس کا اخفاء ۔ میں تو حق کو علی الاعلان پکار پکار کر بہانگ دہل ظاہر کرتا ہوں اور دین مبین و شرع متین کی صداقت کو واضح کرتا ہوں ۔ میں تو دین کے اصول اور فروع سب کھلم کھلا ظاہر کر دیتا ہوں ۔ اس زمانے میں اس کی ضرورت اور اور سخت ضرورت ہے ۔ ہزاروں اور لاکھوں قسم کی گمراہیوں اور تلبیسوں میں لوگ مبتلا ہو رہے ہیں اور لاکھوں راہزن اس راہ پہ لگے ہوئے ہیں اس لئے اظہار حقیقت کر کے ان کے مصنوعی منصوبوں کو خاک میں ملا دینے کی ضرورت ہے ، انھوں نے گمراہ کیا ہے اللہ کی مخلوق کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے ۔ آمین ۔

ماخوذ از مآثر حکیم الامت صـــ ۱۳۵ - ۱۳۶

مولانا عتیق احمد قاسمی
استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

خلافت عثمانیہ کیخلاف صفویوں کی سازشیں

ایرانی شیعوں کی سیاہ تاریخ کا ایک اہم باب

دولت عثمانیہ کا قیام

دولت عثمانیہ کے قیام کے وقت عالم اسلام خصوصاً بلاد عربیہ عیسائی اقوام کی زد میں تھے بلاد عربیہ کے ساحلی علاقوں پر صلیبیوں کی تاخت وتاراج جاری تھی، مصر کی مملوکی سلطنت تیزی سے روبہ زوال تھی، بلاد عربیہ خصوصاً حرمین شریفین کی حفاظت کا فریضہ ممالک مصر سے ادا نہیں ہو پا رہا تھا، پرتگال کے جنگی جہاز بحر احمر میں گھس کر جدہ پر غارت گری کرتے تھے دوسری طرف شام کے ساحلی شہر صلیبیوں کا خصوصی نشانہ تھے۔ یورپ کی مسیحی اقوام کا متفقہ فیصلہ تھا کہ جلد از جلد فلسطین پر قبضہ کر کے عیسائی حکومت قائم کر دی جائے اور مسلمانوں سے فتح ایوبی کا انتقام لیا جائے، عالم اسلام کی لامرکزیت اور خانہ جنگیوں نے صلیبیوں کے لئے توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل کا زریں موقع فراہم کر دیا تھا۔ لیکن عالم اسلام کے جغرافیہ پر دولت عثمانیہ کے ظہور اور عثمانی خلافت کے قیام نے صلیبیوں کے سارے عزائم خاک میں ملا دیئے اور عیسائیوں کو سامنے کے شکار سے محروم کر دیا۔ عثمانیوں نے اسلامی سرحدوں سے صلیبیوں کو مار بھگانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یورپ میں بڑی تیزی کے ساتھ پیش قدمی شروع کر دی عثمانی فتوحات سے پورے یورپ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ محمد الفاتح نے قسطنطنیہ فتح کر کے پورے یورپ میں صف ماتم بچھا دی کیونکہ ایشیا سے بے دخل کئے جانے کے بعد قسطنطنیہ صلیبیوں کا اہم مرکز تھا، قسطنطنیہ نے تقریباً نو صدیوں تک

اسلامی حملوں کا مقابلہ کیا تھا۔ فتح قسطنطنیہ نے یورپین صلیبیوں کے دل میں خونچکاں زخم پیدا کر دیا ایک فرانسیسی مصنف GUILLET نے ۱۴۸۱ء میں اپنی کتاب میں لکھا تھا کہ ہر عیسائی کو ہمیشہ یہ دعا کرتے رہنا چاہیئے کہ خدا پھر کوئی سلطان محمد ثانی نہ پیدا کرے[1] "جس نے قسطنطنیہ فتح کر کے سلطان فاتح کا لقب پایا تھا، قسطنطنیہ فتح ہونے کے بعد پورا یورپ عثمانی ترکوں کی زد میں آگیا عثمانی مجاہد آندھی کی طرح یورپ کو تسخیر کرتے ہوئے اور اسلام کا پرچم لہراتے ہوئے یورپ کے قلب وجگر میں اترتے چلے گئے حتیٰ کہ ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے اسٹریا کی راجدھانی ویانا[2] کے در و دیوار لرز نے لگے عثمانی بحری بیڑے نے یورپ کے متحدہ بحری بیڑے کو شکست دیکر سمندروں کی حکمرانی بھی صلیبیوں سے چھین لی۔

سلطان بایزید یلدرم اور محاصرۂ قسطنطنیہ

دولت عثمانیہ کا قیام ساتویں صدی ہجری کے نصف آخر میں عمل میں آیا اور آٹھویں صدی ہجری کے اواخر میں اس کی سرحدیں قسطنطنیہ کی دیواروں تک پہنچ گئیں، صلیبی طاقتیں دفاعی پوزیشن میں آگئیں، دولت عثمانیہ کے مجاہد وغازی سلاطین نے نہ صرف یہ کہ عیسائی طاقتوں کو ایشیا سے ڈھکیل دیا بلکہ یورپ کی سرزمین ان کی ترک تازیوں سے دہل اٹھی۔

بایزید اول یلدرم کے دور حکومت میں قسطنطنیہ کا زیرنگیں ہونا بالکل یقینی بن چکا تھا انگریز مورخ ہیرلڈلیمب بایزید یلدرم کے آخری محاصرہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "اسلام مکہ سے چل کر نصرانی قیصروں کے اس مشہور و معروف شہر کے گرد اپنی چھاؤنی ڈال چکا تھا مگر شہر کی اونچی فصیلیں اور سمندر کی طرف دول یورپ کے جہاز ابھی تک شہر کی حفاظت کرتے تھے۔ سلطان بایزید اس حفاظت کو توڑ کر اس پر قبضہ کرنے کے لئے بالکل آمادہ تھا"[3]

---

[1] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: دو ہفتے ترکی میں (لکھنؤ ۱۹۶۴) صفحہ ۹۱

[2] عثمانیوں نے دوبار ویانا کا محاصرہ کیا، پہلا محاصرہ سلیمان اعظم کے دور میں، دوسرا محاصرہ سلطان محمد رابع کے دور میں

[3] ہیرلڈلیمب: تیمور صفحہ ۳۱۹ ترجمہ محمد عنایت اللہ مطبع معارف اعظم گڑھ

یہی مورخ سلطان بایزید یلدرم کے بارے میں لکھتا ہے "اپنی فتوحات پر ناز کیا کرتا تھا اور فخریہ کہتا تھا کہ آسٹریا کو فتح کرکے فرانس پر لشکر کشی کرے گا، اور اپنے گھوڑوں کو سینٹ پطرس کی قربانگاہ پر لاکر دانہ کھلائے گا۔ سلطان بایزید درحقیقت قسطنطنیہ کا مالک ہو گیا تھا گو قیصر نہ کہلاتا تھا۔ بایزید کا علاقہ قسطنطنیہ کی فصیلوں تک آگیا تھا۔ اور اس شہر کی بہت سی عدالتوں میں بایزید کے قاضی مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے شہر میں دو مسجدیں بھی تعمیر ہو گئی تھیں۔ جن کی بنیادوں سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہو کر ترکوں کو نماز کے لئے بلاتی تھی۔ اس وقت قسطنطنیہ کا عیسائی قیصر مانیول تھا، یہ قیصر قسطنطنیہ پر قبضہ رکھنے کے معاوضے میں سلطان بایزید کو خراج ادا کرتا تھا، وینس اور جنیوا کی ریاستیں جو اس نواح میں قائم ہو چکی تھیں ان کا برتاؤ بھی سلطان بایزید کے ساتھ ایسا تھا کہ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ سلطان ایک دن ان کا بادشاہ ہونے والا ہے۔"[۴]

محاصرہ کی تفصیلات لکھنے کے بعد ہیرلڈ لیمب لکھتا ہے "قیصر مانیول اب بالکل دل شکستہ ہو گیا۔ قسطنطنیہ کے لوگ، محاصرہ کے زمانے میں فصیلوں پر چڑھ کر دوسری طرف اتر جاتے کہ ترکوں سے پیٹ کا ٹکڑا مانگیں، جب یہ نوبت پہنچی تو بوچی کاٹ بھی قسطنطنیہ کو خیرباد کہہ کر وہاں سے روانہ ہوا اور قیصر مانیول کا بھتیجہ جو اس وقت قسطنطنیہ میں موجود تھا شہر کو ترکوں کے حوالے کرنے کے لئے شرائط طے کرنے لگا، مگر بخت و اتفاق دیکھئے کہ اس جاں بہ لب اور مبتلائے جنگ شہر کو کچھ دن کے لئے امان نصیب ہو گیا یہ حالت تھی کہ بالکل خلاف توقع اور امید مشرق سے تاتاری نمودار ہوئے ایشیائے کوچک میں سلطان بایزید کے شہر سیواس کو حملہ کر کے فتح کیا اور فتح کرتے ہی وہاں سے کسی طرف غائب ہو گیا۔ بایزید گھبرایا قسطنطنیہ کا حصار اٹھا لیا اور عجلت سے ایشیائے کوچک میں آیا"[۵]

امیر تیمور، برق و طوفان کی طرح تباہی مچاتا ہوا دولت عثمانیہ کی حدود میں آیا اور ۸۰۴ھ

---

[۴] حوالہ بالا صفحہ ۳۱۹

[۵] حوالہ بالا صفحہ ۳۲۸، ۳۲۹

میں امیر تیمور اور بایزید یلدرم میں فیصلہ کن اور خونریز جنگ ہوئی جس نے بظاہر دولت عثمانیہ کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل کر دیا تاریخ اسلام کے اس اندوہناک حادثہ نے فتح قسطنطنیہ کو آدھی صدی کے لئے ملتوی کر دیا بایزید یلدرم کے دور میں قسطنطنیہ کا آخری محاصرہ ۸۰۳ھ میں[ٹ] ہوا تھا اور قسطنطنیہ کی فتح سلطان محمد الفاتح کے ہاتھوں ۸۵۷ھ میں[ث] عمل میں آئی۔

حملۂ تیموری میں اہل یورپ کا کردار

تیمور و بایزید کی جنگ کی تفصیلات اور اس کے اسباب و نتائج کے بارے میں مؤرخین نے تفصیلی گفتگو کی ہے لیکن تیمور کے حملے کے ایک بڑے سبب اور محرک کو عموماً نظر انداز کر دیا ہے، نظر غائر سے اس دور کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صلیبیوں کا منگول و تاتار حکمرانوں سے بڑا ربط تھا۔ اور صلیبی اپنی طاقت کے بل پر جب عالم اسلام کو زیر نہ کر سکے تو انھوں نے منگولوں اور تاتاریوں کا سہارا لیا انھیں عالم اسلام کی غارتگری پر آمادہ کیا اس طریقہ سے ان لوگوں نے دوہرا شکار کیا، اپنے ممالک کو تاتاری سیلاب سے بچایا اور عالم اسلام کی تباہی کا سامان فراہم کر دیا۔

ہلاکو خاں کے بارے میں محمد جمیل بیہم لکھتے ہیں "اسکی عیسائیوں پر خاص نظر عنایت تھی کیونکہ اس کی ماں اور بیوی اور سپہ سالار عیسائی تھے پاپائے چہارم نے اس کو عیسائیت کی دعوت دی اور مسلمانوں کے خلاف اس سے مدد چاہی[ش]"

تاریخ کے مطالعہ سے سراغ لگتا ہے کہ جب متحدہ مسیحی قوت کو بایزید نے شکست فاش دی قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تو مسیحی حکمرانوں نے بایزید کے خلاف تیمور سے مدد چاہی اور عثمانی مقبوضات پر حملہ کرنے کے لئے اسے آمادہ کیا، ہیرلڈ لیمب لکھتا ہے "جنیوا کے گماشتے

ٹ ڈاکٹر محمد عزیز: دولت عثمانیہ جلد اول (دار المصنفین اعظم گڈھ) صفحہ ۷۱، ۷۲

ث سید احمد بن زینی دحلان: الفتوحات الاسلامیہ صفحہ ۱۲۵، ۱۲۶

ش محمد جمیل بیہم: فلسفۃ التاریخ العثمانی (جلد اول، صفحہ ۷۲

دربار تیمور میں حاضر ہوئے ان گماشتوں نے عیسائی قیصر قسطنطنیہ کی ایک درخواست بایزید یلدرم کے مقابلہ میں مدد حاصل کرنے کے لیے خفیہ طور پر تیمور کے سامنے پیش کی اس وقت قیصر قسطنطنیہ کی قسمت بالکل سلطان کے ہاتھ میں آچکی تھی۔[۹]

خود تیمور نے سلطانیہ کے اسقف یوحنا کے ذریعہ شاہ فرانس چارلس ششم کے پاس ایک خط بھیجا جس میں لکھا "میں سلطان بایزید یلدرم کے مقابلہ کو اٹھا ہوں، جو تمھارا دشمن ہے ہماری اور آپ کی رعایا میں سے تجارت پیشہ لوگ ہم دونوں کے قلمرو میں تجارت کی غرض سے بے تکلف آمد و رفت رکھ سکتے ہیں یوحنا اسقف مذہب کے علاوہ اور تمام امور پر میری طرف سے آپ سے گفتگو کرے گا۔"[۱۰]

سلطان بایزید یلدرم کی شکست پر یورپ کا سفر

صلیبیوں نے تیمور و بایزید کو ٹکرانے میں انکے سیاسی اختلافات کے علاوہ مذہبی اختلافات سے بھی فائدہ اٹھایا کیونکہ بایزید تو پابند شریعت پکا سنی مسلمان تھا اور تیمور اور اس کی قوم احکام اسلام سے بے گانہ نومسلم قوم تھی یہ لوگ مذہباً شیعہ یا کم از کم شیعی رجحانات کے حامل تھے۔[۱۱]

جنگ انگورہ میں تیمور کی فتح اور بایزید یلدرم کی شکست سے یورپ میں مسرت کے شادیانے بجنے لگے "انگلستان کے بادشاہ ہنری پنجم نے امیر تیمور کو بڑی بے تکلفی کی ادا میں مبارکباد دی شاہ فرانس نے اسقف سلطانیہ یوحنا کو جو امیر تیمور کے پاس سے سفارت لایا تھا فوراً دربار میں مدعو کیا۔ اور اسے بہت سے خطوط اور تحائف دیکر تیمور کے پاس واپس بھیجا، قیصر قسطنطنیہ مانیول جواب تک یورپ میں سرگرداں و پریشاں پھر رہا تھا خوش ہوتا ہوا قسطنطنیہ واپس آیا اور ایک اطاعت نامہ مع وعدہ خراج حضرت صاحبقران کی خدمت

---

۹ ہیرلڈ لیمب: تیمور ترجمہ عنایت اللہ صفحہ ۳۰۹، ۳۱۰ ۔ ۱۰ حوالہ بالا صفحہ ۳۱۶

۱۱ سید محسن امین نے اعیان الشیعہ جلد سوم میں تیمور لنگ کا مفصل تذکرہ کیا ہے (صفحہ ۶۲۸ تا ۶۷۱) مطبوعہ بیروت ۔ احمد بن زینی دحلان نے لکھا ہے "کان رافضیا شدید الرفض" الفتوحات الاسلامیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰ مطبوعہ ۱۳۰۲ھ

ین روانہ کیا۔ گذشتہ قیصروں کے اس تہی دست نام لیوا کو امیر تیمور گاں جیسا سرپرست اور مربی ملا کہ یورپ کے بادشاہوں میں بھی کوئی بادشاہ نہ ملا تھا۔ لیکن یہ بات اسپین والوں کو نصیب ہوئی کہ امیر تیمور سے واقعی ارتباط پیدا کرییں[1]"

جنگ انگورہ کے بعد

جنگ انگورہ میں صرف بایزید یلدرم کی شکست نہیں ہوئی بلکہ بظاہر دولت عثمانیہ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔ تیمور نے اناطولیہ کی قدیم ریاستوں کا از سر نو احیاء کر کے انھیں ان کے امراء کے سپرد کر دیا، یورپ کی باج گذار ریاستیں خود مختار ہوگئیں س پر طرہ یہ ہوا کہ بایزید کے چاروں لڑکوں میں تاج و تخت کے لئے خانہ جنگی شروع ہو گئی اس سے دولت عثمانیہ کی رہی سہی ساکھ بھی ختم ہونے لگی۔ لیکن رب العالمین کی خلاقیت اور حیات بخشی کا نظارہ کیجئے کہ تیموری سیلاب خس و خاشاک کی طرح چند سالوں میں گذر گیا یک مختصر عرصہ کے بعد اس کے آثار و نشانات تلاش کرنے سے بھی نہیں مل سکتے تھے۔ اور دولت عثمانیہ کا لاشۂ بے جان پوری قوت و توانائی کے ساتھ دوبارہ ایشیا و یورپ و افریقہ ی سرزمین پر اٹھ کھڑا ہوا، اور سیکڑوں سال تک اس نے عالم اسلام کی صیانت و حفاظت، توسیع و استحکام کا فریضہ انجام دیا۔

ایران میں دولت صفویہ کا قیام

دسویں صدی ہجری کے اوائل میں ایران کی سرزمین پر صفویوں کی نئی طاقت نمودار ہوئی، شاہ اسماعیل صفوی نے اس سلطنت کی بنیاد رکھی، یہ سلطنت شیخ صفی الدین اردبیلی کی طرف منسوب ہے جو آٹھویں صدی ہجری کے مشہور صوفی اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ علامہ قطب الدین حنفی لکھتے ہیں "شیخ صفی الدین نے شیخ زاہد گیلانی سے تصوف و سلوک سیکھا اور شیخ زاہد گیلانی کا شجرہ طریقت چند واسطوں سے امام احمد غزالی تک پہنچتا ہے ۷۳۵ھ میں شیخ صفی الدین

---

[1] ہیرلڈ لیمب: تیمور ترجمہ محمد عنایت اللہ صفحہ ۳۵۱، ۳۵۲

کی وفات ہوئی [۱۳] ،، مشہور مورخ براؤن لکھتا ہے "شاہ اسمٰعیل جو سلطنت صفویہ کا اصل بانی تھا انکی چھٹی پشت میں تھا لیکن اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ شیعیت میں جو توغل شیخ صفی الدین کے اخلاف کو تھا وہی خود انھیں بھی تھا، اس باب میں جو کچھ تھوڑی بہت شہادت فراہم ہوسکتی ہے اس کی رو سے تو شیخ صفی الدین کو سنی کہا جا سکتا ہے ۔
ازبک سرداروں نے شاہ اسمٰعیل کے بیٹے شاہ طہماسپ کے نام جو خط ۱۵۲۹ء میں لکھا ہے اس میں وہ کہتے ہیں "ہم نے تو یہی سنا ہے کہ شیخ صفی الدین سنی تھے "۔۔۔۔ اور اس امر پر اظہار تعجب کرتے ہیں کہ "شما (شاہ طہماسپ) نہ روش حضرت علی مرتضیٰ را تابع اید نہ روش پدر کلاں را،، خواجہ علی صفی الدین کے پوتے اور شاہ اسمٰعیل کے پردادا کے والد' اس خاندان کے پہلے شخص ہیں جو شیعیت کی طرف بہت زیادہ مائل نظر آتے ہیں [۱۴] ،،

شاہ اسمٰعیل صفوی کے اجداد کا نکاح بھی سنی خانوادوں میں ہوتا رہا اس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسمٰعیل صفوی کے آباء کھلے ہوئے شیعہ نہیں تھے ۔

قطب الدین نہر والی لکھتے ہیں کہ شاہ اسمٰعیل صفوی نے لاہجان میں ایک سنار کے مکان میں پرورش پائی اور لاہجان کے علاقہ میں فرق ضالہ رافض حروریہ، زیدیہ وغیرہ کی خاص آبادی ہے، انھیں لوگوں سے شاہ اسمٰعیل صفوی نے روافض کا مذہب سیکھا کیونکہ اس کے آباء واجداد کا شعار تو اہل سنت کا مذہب رہا ہے اسمٰعیل صفوی کے آباء واجداد سنت رسول کے پیرو تھے شاہ اسمٰعیل صفوی کے علاوہ اس خاندان کے کسی فرد نے شیعیت کا اظہار نہیں کیا تھا [۱۵] ،،

---

[۱۳] علامہ قطب الدین حنفی : کتاب الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام صفحہ ۱۲۴ - ۱۲۵

[۱۴] پروفیسر ایڈورڈ۔ گ۔ براؤن : تاریخ ادبیات ایران در عہد جدید ترجمہ سید رہاج الدین احمد کنتوری صفحہ ۱۳ (انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۳۹ء)

[۱۵] قطب الدین نہر والی حنفی : الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام صفحہ ۱۲۶

شاہ اسماعیل اول کی فتوحات اور شیعیت کی اشاعت

۹۰۵ھ میں جب اسماعیل صفوی کی عمر ۱۳ سال تھی وہ اپنے مریدین و معتقدین کی فوج کے ساتھ شاہ شروان فرخ یسار سے اپنے باپ اور دادا کا انتقام لینے کے لئے نکلا، کیونکہ شروان کے حکمرانوں نے اسماعیل صفوی کے باپ دادا کو قتل کرایا تھا، اسماعیل صفوی نے شاہ شروان کو شکست دیکر اس خاندان سے بدترین انتقام لیا فرخ یسار کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے جلا دیا دشمن کے مقتولین کے سروں کا ایک مینار بنایا، شیروان کے قدیم شہروں کی قبریں مسمار کر دی گئیں۔ اور اسماعیل صفوی نے اس قدیم حکمراں کے خاندان کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل کر دیا، صفویہ سلطنت کا آغاز دراصل طوائف الملوکی کا زمانہ تھا تیمور کے بعد اس کی وسیع سلطنت خودمختار حکمرانوں میں بٹ گئی۔ عراق عرب وعجم، قندھار، قرمان اور کاشان کے دوسرے علاقوں میں خودمختار حکومتیں قائم تھیں۔ اسماعیل صفوی نے اپنے دوسرے حریفوں کو زیر کر کے سلطنت کا دائرہ وسیع تر کر لیا۔ صفوی سلطنت ایران کے حدود سے آگے بڑھ کر عراق کی سرحدوں میں داخل ہوگئی۔ اور اسماعیل صفوی نے عراق کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا ۹۰۷ھ میں اسماعیل صفوی شاہ ایران بن کر تخت سلطنت پر متمکن ہوا تخت نشینی کے بعد اسماعیل نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ایک اعلان کے ذریعہ شیعہ امامیہ مذہب کو ریاست کا سرکاری مذہب قرار دیا۔ براؤن لکھتا ہے "دو ایک سال کے اندر ہی وہ تبریز فتح کر کے تخت ایران پر متمکن ہوگیا اور اپنے مشیروں کے مشورے کے باوجود اس نے اپنی رعایا کے لئے مذہب شیعیت لازمی اور جبری قرار دیا، لوگوں نے ہر چند اسے سمجھایا کہ تبریز کی دو ثلث آبادی سنی ہے، اور نماز اور خطبوں کے درمیان ایسے فقروں کا اضافہ جو خصوصیت کے ساتھ شیعوں کا شعار ہے خاص کر پہلے تین خلفاء۔ ابوبکرؓ۔ عمر فاروقؓ۔ عثمانؓ پر تبرا بازی کہیں کوئی فتنہ نہ پیدا کر دے لیکن اس نے نہ مانا اور جواب دیا "خدائے جہاں ائمہ معصومین کے ساتھ میری مدد میں ہیں مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے اگر رعایا نے مخالفت میں ایک لفظ بھی کہا تو تلوار کھینچ کر ایک شخص کو

زندہ نہیں چھوڑوں گا چنانچہ اس نے جیسا کہا تھا ویسا کر دکھایا اور رعیت کو حکم دیا گیا کہ اگر تبرا پڑھتے وقت انھوں نے بہ آواز بلند "بیش باد کم مبادی" نہ کہا تو انھیں سزائے موت دی جائے گی[۱۶]

اسماعیل صفوی کے مظالم

مشہور مورخ ابن عماد حنبلی (متوفی ۱۰۸۹ھ) لکھتے ہیں

اسماعیل صفوی ایران کے تمام امرار پر حاوی ہوگیا اس نے خراسان، آذربائیجان، تبریز، بغداد، عراق، عجم فتح کر لیا ان علاقوں کے فرماں رواؤں کو مغلوب اور افواج کو قتل کر دیا۔ دس لاکھ سے زائد افراد کو اس نے قتل کیا، اسماعیل صفوی کی افواج اسے سجدہ کرتی تھیں اور اس کا ہر حکم مانتی تھیں، قریب تھا کہ یہ شخص الوہیت کا دعویٰ کر بیٹھے اس نے علماء کو قتل کیا، ان کی کتابیں اور مصاحف جلائے، سنی علماء واعیان کی قبریں کھدوا کر ہڈیاں نکلوائیں اور انھیں جلا کر خاکستر بنا دیا"[۱۷]

اسماعیل صفوی کے مریدین اور رعیت نے اسے کیا درجہ دے رکھا تھا؟ اس کا اندازہ اسماعیل صفوی کے ایک معاصر اطالوی تاجر کی اس عبارت سے لگایا جا سکتا ہے" اس صوفی کی عزت اور احترام اس کی رعایا خدا کی طرح کرتی ہے۔ خصوصاً سپاہیوں کی عقیدت کا تو یہ عالم ہے کہ ان میں سے اکثر بغیر کسی قسم کی زرہ بکتر پہنے ہوئے میدان کارزار میں پھاند پڑتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ہمارا آقا اسماعیل دوران جنگ میں ہماری حفاظت کرے گا .... سارے ایران میں خدا کا نام تو لوگ بھول ہی گئے ہیں فقط اسماعیل کا نام رہ گیا ہے"[۱۸]

---

۱۶ براؤن: تاریخ ادبیات ایران در عہد جدید صفحہ ۳۵، ۳۶

۱۷ ابن عماد حنبلی: شذرات الذہب جلد ۸ صفحہ ۱۴۴ (دار المسیرۃ بیروت)

۱۸ تاریخ ادبیات ایران در عہد جدید صفحہ ۸۲، ۸۳، براؤن
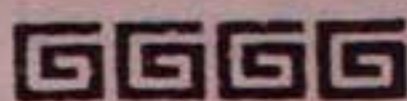
جلد - ۵۵ شمارہ - ۵

مئی ۱۹۸۷ء
مطابق
رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ

یہ شمارہ ۳/-

سالانہ چندہ

برائے ہندوستان ۳۰/- پاکستان ۴۰/-

برائے بیرونی ممالک

بحری ڈاک ۶۵/- (5/- پونڈ)

ہوائی ڈاک ۱۶۰/- (15/- پونڈ)

اگر اس دائرہ ◯ میں سرخ نشان

ہے تو اس کا مطلب یہ کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا اطلاع مہینے کے آخر تک موصول نہ ہونے کی صورت میں اگلا شمارہ بصیغہ وی پی روانہ ہوگا

خط و کتابت یا ترسیل کا پتہ

دفتر: ماہنامہ "الفرقان"
۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:
۱۰۱/۵ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور

محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی — لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلین

ــــــــــــ مدیر

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مشہور ارشاد ہے "عرفت ربی بفسخ العزائم" میں نے اپنے ارادوں کی ناکامی سے اپنے رب کو پہچانا، اپنے ارادوں اور منصوبوں کی ناکامی کا تجربہ ہر انسان کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں ہوتا رہتا ہے۔ تاکہ اپنی استطاعت کے حدود کا بار بار تجربہ اور لامحدود خداوندی قدرت کا بار بار مشاہدہ کر کے اللہ تعالیٰ کے غیبی نظام کو سمجھے اور اس پر یقین کے میدان میں آگے بڑھتا رہے۔

شاید یہی کچھ معاملہ ہمارے ساتھ ہوا ہے جس کے نتیجہ میں شعبان و رمضان کا مشترکہ شمارہ "جڑواں" شکل میں اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ رجب کا شمارہ اگرچہ کچھ تاخیر سے روانہ ہو سکا تھا، تاہم ہم لوگوں نے پروگرام بنایا کہ شعبان کا شمارہ اپنے وقت پر ہی روانہ ہو جائے، اور پھر رمضان مبارک کا شمارہ بھی اپنے وقت پر تیار کر دیا جائے۔ شب و روز محنت کر کے شعبان کا شمارہ تیار کر دیا گیا، لیکن پہلے کتابت میں دیر ہوئی، اور پھر پریس جا کر دیر پر دیر ہوتی گئی۔ شعبان کے مہینے میں اردو پریس والے کلینڈروں، روئدادوں، رسیدوں وغیرہ کے چھاپنے میں اس قدر مصروف ہوتے ہیں کہ رسالوں اور کتابوں سے ان کی رہی سہی رغبت بھی بالکل غائب ہو جاتی ہے ــــــ ادھر ہماری مجبوری یہ کہ الفرقان اس وقت جس تیکنک سے چھپ رہا ہے وہ فی الحال ہمارے یہاں صرف ایک ہی دو پریس والوں کے قابو میں ہے۔ لہٰذا سوائے انتظار اور صبر کے کوئی چارۂ کار ہمارے پاس نہ تھا۔ بالآخر شعبان کے آخری ہفتہ میں بھی جب شعبان کا شمارہ چھپنے کے مرحلہ میں نہیں آیا بلکہ ازراہ عنایت پریس والوں نے خود ہی یہ مشورہ دیا کہ رمضان کا شمارہ بھی اسی کے ساتھ جوڑ دیجیے اور یہ وعدہ کیا کہ یہ مشترک شمارہ رمضان کے بالکل آغاز میں ہم چھاپ دیں گے، تو ہم نے اسے غنیمت سمجھا اور پھر اس شمارہ کی تیاری میں منہمک ہو گئے ــــــ آج رمضان کا پہلا دن ہے۔ اور آج ہی نگاہِ اولین کی

یہ سطریں راقم الحروف بعجلت لکھ رہا ہے۔ پروگرام یہ ہے کہ رسالہ آج ہی پریس کے حوالہ ہو جائے تاکہ رمضان مبارک کے پہلے ہفتہ کے اختتام تک یہ روانہ ہو جائے ۔ یہ ہمارا پروگرام ہے ۔ اللہ بہتر جانے کہ ہونا کیا ہے ؟؟

شعبان کے شمارہ کی عجلت ہمیں خاص طور پر اس وجہ سے تھی کہ اس میں "نگاہ اولین" کے صفحات کے لئے مضمون حضرت والد ماجد دامت برکاتہم نے رویت ہلال کے موضوع پر تحریر فرمایا تھا، اسی لئے خاص طور پر ہم یہ چاہتے تھے کہ شعبان کے آخری ہفتہ تک یہ شمارہ قارئین تک ضرور پہونچ جائے ـــــ علاوہ ازیں اسمیں رمضان مبارک کے بارے میں بھی حضرت والد ماجد دامت برکاتہم کا ایک مضمون تھا، اس کی وجہ سے بھی ہمیں اسکی فکر تھی کہ رمضان کے آغاز سے پہلے ہی شعبان کا شمارہ قارئین تک پہنچ جائے، لیکن ہمارے چاہنے سے کیا ہوتا ہے ؟ اور کسی کے بھی چاہنے سے کیا ہے ؟ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔

رمضان مبارک کا شمارہ چونکہ ہنگامی طور پر تیار کرنا پڑا، اسی وجہ سے اس میں راقم الحروف کے مسلسل مضمون "ایرانی انقلاب اور یہودیت" کی تیسری قسط شامل نہیں کی جاسکی۔ انشاء اللہ شوال کے شمارہ میں پیش کی جاسکے گی ۔

بہر حال امید ہے کہ ہماری یہ تفصیلی روداد سن کر قارئین کرام ہمیں معذور قرار دیں گے ۔ اور یہ تو مہینہ ہی ہے عفو و کرم اور صبر و غمگساری کا، آپ سب حضرات سے عاجزانہ گذارش ہے کہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مبارک مہینے کی ایک، ایک ساعت کی کما حقہٗ قدر نصیب فرمائے ، بلا شبہ اس کا ہر دن قابلِ قدر ہے اور اس کی ہر شب لائق "قدر" ہے ۔

بات سے بات نکلتی ہے ، رمضان مبارک کا ذکر آگیا ہے تو جی چاہتا ہے کہ صرف حصولِ سعادت کی نیت سے یہ عاجز اپنے محترم قارئین سے بطور یاد دہانی یہ عرض کرے کہ وہ لوگ بہت سمجھ دار اور دانا و باہوش ہیں جو اس راز کو سمجھ گئے ہیں کہ یہ مبارک مہینہ پورے سال اور پوری زندگی کی ترتیب پر اثر انداز ہوتا ہے ۔ اور اسی لئے وہ اپنے تمام مشاغل، الجھنوں اور فکروں سے حتی الامکان یکسو ہو کر صرف اپنی اصلاح و تربیت اور اپنے اندر تعلق مع اللہ اور ایمان و یقین ، محبت و خشیت ، عبدیت و انابت اور ظاہری و باطنی طہارت و نظافت ، سخاوت و ہمدردی ، ایثار و احسان ، صبر و تحمل وغیرہ ایمانی و احسانی صفات و ملکات پیدا کرنے اور انھیں راسخ کرنے کی فکر و کوشش میں لگ جاتے ہیں ۔ اور اس کیلئے سازگار ماحول ، مناسب فضا اور دیگر اسباب اختیار کر کے جو کچھ کر سکتے ہیں خود کرتے ہیں پھر اپنی کوشش کو بالکل ہیچ جان کر اللہ تعالیٰ کے

سامنے عاجزانہ دست دعا دراز کرتے ہیں۔ بہت سے اہل طلب بندگان خدا ایسے ماحول کی تلاش میں جماعتوں میں نکل جاتے ہیں، اور بہت سے اللہ کے بندے اہل اللہ کی پرنور اور پرتاثیر صحبت اختیار کر لیتے ہیں، اور کچھ لوگ اپنی مسجدوں ہی میں، اللہ کی چوکھٹ پر پڑ جاتے ہیں ــــ اور بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی معذوری یا مجبوری کی وجہ سے اپنے مشاغل سے بالکلیہ یکسو نہیں ہو پاتے پھر بھی اپنا نظام الاوقات اس طرح بناتے ہیں کہ اس مبارک مہینے کی برکات سے اپنا حصہ لے ہی لیتے ہیں ــــ اور وہ لوگ جو اپنے اندر کوئی تبدیلی لانے کی فکر نہیں کرتے وہ بہت سنگین خطرہ میں ہیں، اور بہت بڑے خسارہ میں انھوں نے اپنے آپ کو ڈال دیا ہے۔ ان کو اس خطرہ و خسارہ سے نکالنے کی کوشش بھی ہمارے ذمے ہے ــ اللہ تعالیٰ ہمیں نفع عظیم سے بہرہ ور فرمائے اور خسارہ سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے ــ یہ ناچیز راقم سطور اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے آپ سب کی دعاؤں کا طالب اور محتاج ہے۔

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری دامت برکاتہم کے لئے
دعائے صحت کی درخواست

الفرقان کے اکثر و بیشتر قارئین حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری دامت برکاتہم سے یقیناً واقف ہوں گے، اولاً حضرت شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور پھر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے خصوصی اہل تعلق میں سے ہیں۔ علم و ذکر اور دعوت ان تینوں شعبوں کے لئے، ان کا وجود سراپا غنیمت اور عظیم خیر و برکت کا سرچشمہ ہے ــ حضرت والد ماجد مدظلہٗ سے نہایت گہرے تعلق کی بنا پر یہ ناچیز بھی ان لاکھوں چھوٹوں میں سے ایک ہے جو ان کی عجیب و غریب مشفقانہ خورد نوازی سے متمتع ہوتے رہتے ہیں ــ کچھ عرصہ پہلے ان پر لقوہ کا حملہ ہو گیا تھا۔ آجکل بمبئی میں زیر علاج ہیں۔ ان کے لئے تمام قارئین سے دعائے صحت و عافیت کے اہتمام کی گذارش ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں شفاء کاملہ عاجلہ عطا فرمائے اور انکے سایہ کو ہمارے سروں پر تا دیر قائم رکھے اور ہمیں اپنے بڑوں سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

مولانا احسان الٰہی ظہیر کے لئے
دعائے مغفرت کی درخواست!

مولانا احسان الٰہی ظہیر پاکستان کے سرگرم، فعال اور جوان عمر اہل حدیث عالم تھے، دینی فتنوں اور گمراہ کن افکار و خیالات کے خلاف شمشیر بے نیام تھے، بہت کم عمر میں انھوں نے کئی کتابیں لکھیں، خصوصاً شیعیت، اسماعیلیت و باطنیت، قادیانیت اور شرک و بدعت کے مقابلہ میں وہ بہت صاف گو تھے،

بڑی محنت و کاوش سے انھوں نے ان اسلام دشمن تحریکوں کے متعلق کئی کتابیں بھی لکھی تھیں، ۲۳ر مارچ ۸۷ء کو لاہور میں ایک جلسہ سے خطاب کر رہے تھے کہ اچانک ایک ٹائم بم پھٹا، اور مولانا اور ان کے کچھ رفقاء بری طرح زخمی ہوئے، کئی لوگ موقع ہی پر شہید ہو گئے، مولانا احسان الٰہی ظہیر ۲۹ر مارچ تک وہیں کے ایک اسپتال میں زیر علاج رہے۔ ۲۹ر کو سعودی حکومت کی پیشکش پر انھیں طیارہ کے ذریعہ ریاض منتقل کیا گیا جہاں کے فوجی اسپتال میں چوبیس گھنٹے زیر علاج رہنے کے بعد وہ جام شہادت نوش کر کے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے ــــ اسی دن ان کا جنازہ خصوصی ہیلی کاپٹر سے مدینہ منورہ لایا گیا اور ان کی غمزدہ اہلیہ کی خواہش کے مطابق انھیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا، نماز جنازہ بزرگ عالم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز نے پڑھائی۔

راقم الحروف مولانا سے غائبانہ ہی واقف تھا، میرے اور ان کے درمیان ایک رشتہ یہ بھی تھا کہ وہ بھی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فیض یافتہ تھے ــــ اس حادثہ کی خبر سنتے ہی دل پر بہت اثر پڑا، اور مولانا کی قدر و محبت دل میں بہت بڑھ گئی، امید ہے کہ صرف ۴۲ سال کی عمر میں شہادت کا جام پی کر اب وہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اور ان کے شہید رفقاء کے ساتھ خصوصی رحمت و مغفرت اور لطف و کرم کا معاملہ فرمائے اور جو لوگ اس حادثہ میں زخمی ہوئے تھے انھیں صحت، قوت اور ہمت و توانائی عطا فرمائے۔

رہی یہ بات کہ "کس کافر ادا کا غمزۂ خونریز ہے" تو اس سلسلہ میں ابھی تک کوئی واضح بات سامنے نہیں آئی ہے۔ اور نہ ابھی امید ہے کہ اس لئے کہ جس دنیا میں قاتل ہی معالج اور تیماردار بن کر سرہانے کھڑا ہو جائے اس دنیا میں قاتل کا پتہ عام لوگوں کو ہو جائے یہ کوئی آسان بات نہیں۔ بہر حال ہم اپنی بے بسی و عاجزی کو اپنے اللہ کے سامنے رکھتے ہیں اور ان مجرموں سے انتقام کو اسی کے علم و قدرت پر چھوڑتے ہیں ــــ ناظرین کرام سے مولانا کے لئے اور اس حادثہ کے دوسرے شہداء و مجروحین کے لئے دعا کی درخواست ہے۔ ــــ ان سب کے متعلقین و پسماندگان کے لئے صبر و اجر کی دعائیں بھی فرمائیں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

کتاب المناقب والفضائل (۸)

مرض وفات اور وفات (۴)

عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ مَرِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَدَّ مَرَضُهُ، فَقَالَ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، قَالَتْ عَائِشَةُ إِنَّهُ رَجُلٌ رَقِيقٌ إِذَا قَامَ مَقَامَكَ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، قَالَ مُرِي أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَعَادَتْ فَقَالَ مُرِي أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَإِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، فَأَتَاهُ الرَّسُولُ فَصَلَّى بِالنَّاسِ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مریض ہوئے اور پھر آپ کا مرض بہت بڑھ گیا (اور آپ مسجد تشریف لا کر نماز پڑھانے سے بالکل معذور ہو گئے) تو آپ نے فرمایا کہ (میری طرف سے) ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو (جو جماعت سے نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جمع ہیں) نماز پڑھا دیں تو حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ وہ رقیق القلب آدمی ہیں، جب وہ نماز پڑھانے کے لئے آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو (ان پر رقت غالب آجائے گی اور) وہ نماز نہیں پڑھا سکیں گے (حضورؐ نے حضرت عائشہؓ کی یہ بات سن کر بھی یہی) فرمایا کہ ابوبکر کو حکم پہنچا دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں (حضرت عائشہؓ نے پھر اپنی بات دہرائی اور پھر حضورؐ نے وہی فرمایا کہ ابوبکر کو حکم پہنچا دو کہ وہ نماز پڑھا دیں

(اسی کے ساتھ) آپؐ نے حضرت عائشہؓ کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا "فَاِنَّکُنَّ صَوَاحِبُ یُوسُفَ"
پھر حضورؐ کا قاصد (حضورؐ کا حکم لیکر) حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا (اور آپ کا پیام اور حکم)
ان کو پہنچایا تو پھر انھوں نے حضورؐ کی حیات مبارکہ میں (یعنی وفات تک برابر) لوگوں کو
نماز پڑھائی ——————— (صحیح بخاری و مسلم)

(تشریح) مرض وفات میں مسجد تشریف لے جا کر نماز پڑھانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل معذور ہوجانے کے بعد حضورؐ کے حکم سے حضرت ابوبکرؓ کے نماز پڑھانے کا یہ واقعہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں مختلف صحابہ کرام سے کہیں بہت اختصار کے ساتھ اور کہیں پوری تفصیل کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی جو حدیث یہاں درج کی گئی ہے وہ امام بخاری نے "باب اھل العِلمِ والفَضلِ اَحَقُّ بِالاِمَامَةِ" میں روایت کی ہے، اسی باب میں اسی واقعہ سے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اور اس سے اگلے باب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیثیں بھی امام بخاری نے درج فرمائی ہیں۔ ان سب میں یہ واقعہ بہت اختصار کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ اس کے تین باب آگے "باب اِنَّمَا جُعِلَ الاِمَامُ لِیُؤتَمَّ بِہٖ" میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اس واقعہ سے متعلق جو حدیث امام بخاری نے روایت کی ہے اس سے واقعہ کی پوری تفصیل معلوم ہوجاتی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات سے آٹھ دن پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں منتقل ہوجانے کے بعد بھی مرض کی شدت اور ضعف و نقاہت بہت زیادہ بڑھ جانے کے باوجود کئی دن تک ہر نماز کے وقت مسجد تشریف لے جا کر حسب معمول خود ہی نماز پڑھاتے رہے پھر اسی حال میں ایک دن ایسا ہوا کہ عشاء کی اذان ہوگئی اور لوگ جماعت سے نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جمع ہوگئے، لیکن اس وقت مرض کی شدت کی وجہ سے حضورؐ پر غشی اور غفلت کی سی کیفیت طاری ہوگئی جب اس کیفیت سے افاقہ ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے مسجد میں نماز ادا کر لی ہے؟ عرض کیا گیا کہ ابھی لوگوں نے نماز ادا نہیں کی ہے، وہ حضورؐ کے انتظار میں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے لئے ٹب میں پانی رکھو۔ آپؐ کا خیال تھا کہ

کہ غسل کرنے سے انشاء اللہ مرض کی شدت میں تخفیف ہو جائے گی اور میں مسجد جاکر نماز پڑھا سکوں گا
حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ ہم نے ٹب میں پانی رکھ دیا آپؐ نے غسل فرمایا اور اٹھ کر کھڑے
ہونے لگے۔ لیکن پھر وہی غشی اور غفلت کی کیفیت طاری ہوگئی۔ پھر جب اس کیفیت سے افاقہ
ہوا تو آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز ادا کرلی؟ عرض کیا گیا کہ ابھی نماز ادا نہیں
کی گئی لوگ حضورؐ کے انتظار میں ہیں، آپؐ نے پھر ٹب میں پانی بھرنے کا حکم فرمایا، اور پھر غسل
فرمایا اور پھر مسجد تشریف لے جانے کے لئے اٹھنے کا ارادہ فرمایا تو پھر وہی غشی اور غفلت کی
کیفیت طاری ہوگئی، پھر جب اس کیفیت سے افاقہ ہوا تو پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا
لوگوں نے نماز ادا کرلی؟ عرض کیا گیا کہ ابھی نماز ادا نہیں کی گئی لوگ آپ کے انتظار میں ہیں
تو آپ نے پھر ٹب میں پانی بھرنے کے لئے فرمایا اور غسل فرماکر مسجد جانے کے لئے اٹھنے کا ارادہ
فرمایا تو پھر وہی غشی اور غفلت کی کیفیت طاری ہوگئی۔ (غرض تین دفعہ ایسا ہی ہوا) اس کے بعد جب
افاقہ ہوا اور دریافت کرنے پر پھر آپ کو بتلایا گیا کہ ابھی مسجد میں جماعت نہیں ہوئی، لوگ حضورؐ کے
انتظار میں مسجد میں جمع بیٹھے ہیں، تو حضورؐ نے فرمایا کہ اب ابو بکر کو میری طرف سے کہدیا جائے
کہ وہ نماز پڑھادیں۔ (حضرت ابو موسیٰ اشعری کی جو روایت اوپر درج کی گئی ہے اس میں بھی
ہے اور اس واقعہ کی اکثر روایات میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس موقعہ پر عرض کیا کہ
میرے والد ابو بکر رقیق القلب ہیں وہ جب نماز پڑھانے کے لئے حضورؐ کی جگہ کھڑے ہوں گے
تو ان پر رقت غالب آجائے گی اور وہ نماز پڑھا نہیں سکیں گے۔ اس لئے بجائے ان کے
حضرت عمرؓ کو حکم دیدیا جائے وہ مضبوط دل کے آدمی ہیں۔ لیکن حضورؐ نے ان کی اس بات
کو قبول نہیں فرمایا اور جب انھوں نے دوبارہ وہی بات کہی تو حضورؐ نے ان کو ڈانٹ دیا
اور فرمایا کہ ابو بکر ہی کو میرا یہ پیام پہنچایا جائے کہ وہ نماز پڑھادیں) چنانچہ حضرت بلالؓ نے
حضرت ابو بکرؓ کو حضورؐ کا یہ حکم پہنچایا ــــ (ان کو معلوم نہیں تھا کہ حضرت عائشہ اس بارے میں
حضورؐ سے کیا عرض کرچکی ہیں، اور ان کو کیا جواب مل چکا ہے)۔ انھوں نے بھی اپنی قلبی کیفیت
کا خیال کرتے ہوئے حضرت عمرؓ سے کہا کہ تم نماز پڑھادو' انھوں نے کہا کہ حضورؐ نے
تمھارے لئے حکم فرمایا ہے تم ہی نماز پڑھاؤ ــــ چنانچہ حضرت ابو بکر نے نماز پڑھائی

—— اوپر یہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ یہ عشاء کی نماز تھی اور یہ پہلی نماز تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات میں حضورؐ کے تاکیدی حکم سے حضرت ابو بکرؓ نے پڑھائی اور اس کے بعد حضورؐ کی وفات تک آپ کے حکم کے مطابق وہی مسجد شریف میں نماز پڑھاتے رہے۔

آگے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اسی روایت میں یہ بھی کہ پھر ایک دن نماز ظہر کے وقت جبکہ مسجد شریف میں نماز باجماعت شروع ہو چکی تھی اور آپ کے حکم کے مطابق حضرت ابو بکر نماز پڑھا رہے تھے آپ نے مرض اور تکلیف میں تخفیف اور افاقہ کی کیفیت محسوس کی تو دو آدمیوں کے سہارے آپؐ مسجد تشریف لائے۔ حضرت ابو بکرؓ کو آپ کی تشریف آوری کا احساس ہو گیا وہ پیچھے ہٹنے لگے تاکہ مقتدیوں کی صف میں شامل ہو جائیں، آپ نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹو اپنی جگہ رہو۔ اور جو دو آدمی آپ کو سہارا دیکر مسجد لے گئے تھے ان سے فرمایا کہ مجھے ابو بکر کے پہلو میں بٹھا دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اب یہاں سے اصل امام حضور ہو گئے اور حضرت ابو بکر مقتدی ہو گئے لیکن ضعف و نقاہت کی وجہ سے حضورؐ کی تکبیرات وغیرہ کی آواز چونکہ سب نمازی نہیں سن سکتے تھے اس لئے تکبیرات وغیرہ حضرت ابو بکر ہی کہتے رہے بعض راویوں نے اس کو اس طرح تعبیر کیا ہے کہ ابو بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کر رہے تھے اور باقی تمام نمازی ابو بکر کی اقتدا کر رہے تھے، مطلب یہی ہے کہ عام نمازیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکبیرات وغیرہ کی آواز نہیں پہنچتی تھی ابو بکر ہی کی آواز پہونچتی تھی اور وہ اسی کے مطابق رکوع و سجدہ وغیرہ کرتے تھے۔ یہ ظہر کی وہی نماز تھی جس کا ذکر پہلے بھی متعدد روایات میں آچکا ہے اور یہ کہ اس نماز کے بعد آپ نے منبر پر رونق افروز ہو کر خطاب بھی فرمایا جو مسجد میں آپ کا آخری خطاب تھا۔ اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ابو بکر کو اپنی جگہ امام مقرر فرما دینے کے بعد حضور نے ظہر کی یہ نماز مسجد تشریف لاکر ادا فرمائی اس کے علاوہ بھی کوئی نماز ان دنوں میں مسجد تشریف لاکر ادا فرمائی یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس واقعہ سے متعلق متعدد روایات میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان ذکر کیا گیا ہے کہ میں نے جو حضورؐ سے بار بار عرض کیا کہ ابو بکر رقیق القلب ہیں وہ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ان پر رقت طاری ہو جائے گی اور وہ نماز نہ پڑھا سکیں گے تو اس کا اصل محرک میرا یہ خیال تھا کہ جو شخص حضور کی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھائے گا لوگ

اس کو اچھی محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے اس لئے میں چاہتی تھی کہ حضور ان کو نماز پڑھانے کا حکم نہ دیں۔ حضورؐ نے غالباً ان کے دل اور زبان کو اس فرق کو محسوس فرمالیا اسلئے ڈانٹا اور فرمایا "انکن صواحب یوسف" — حضرت عائشہ یہ نہ سمجھ سکیں کہ حضور اُن کو اپنی حیات میں امام نماز بنا کر اپنے بعد کے لئے امت کی امامت کبریٰ (خلافت نبوت) کا فیصلہ اپنے عمل سے فرمادینا چاہتے ہیں حضورؐ کو ان کے امام بنانے پر اصرار اسی مقصد سے تھا۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ يَا عَائِشَةُ! مَا أَزَالُ أَجِدُ أَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِي أَكَلْتُ بِخَيْبَرَ، وَهٰذَا أَوَانُ وَجَدْتُ انْقِطَاعَ أَبْهَرِي مِنْ ذٰلِكَ السُّمِّ"

(رواہ البخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض وفات میں مجھ سے فرماتے تھے کہ اے عائشہ! میں اُس (زہر آلود) کھانے کی کچھ تکلیف برابر محسوس کرتا رہا جو میں نے خیبر میں کھایا تھا، اور اب اس وقت میں محسوس کرتا ہوں کہ اس زہر کے اثر سے میری رگ جان کٹی جارہی ہے۔

(صحیح بخاری)

(تشریح) ۷ھ ہجری میں جب خیبر فتح ہوا اور جنگ کے خاتمہ پر معاہدہ بھی ہوگیا تو یہود کی طرف سے حضور کے لئے ایک بھنی ہوئی بکری ہدیہ کے طور پر بھیجی گئی، مشکوٰۃ المصابیح ہی میں ابوداؤد اور دارمی کی ایک روایت ہے جس میں یہ وضاحت اور صراحت ہے کہ اس بھنی بکری میں ایک یہودی عورت نے ایسا زہر ملا دیا تھا جس کو آدمی اگر کھائے تو فوراً ہی اس کی زندگی ختم ہوجائے۔ اور اس یہودی عورت نے کسی طرح یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ حضور دست کا گوشت زیادہ پسند فرماتے ہیں تو اس قتالہ نے اس بکری کی دست میں وہ زہر بہت زیادہ ملا دیا تھا بہر حال وہ بھنی بکری کھانے کے لئے حضورؐ کے سامنے رکھی گئی، آپ کے ساتھ چند اصحاب اور بھی اس کھانے میں شریک تھے، جیسے ہی حضورؐ نے اس بکری کے دست میں سے ایک

لقمہ لیا اور کھایا۔ فوراً ہاتھ روک لیا اور ساتھیوں سے بھی فرمایا کہ ہاتھ روک لو، بالکل نہ کھاؤ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ اسی وقت آپ نے اس یہودیہ کو بلوایا، آپ نے اس سے پوچھا کیا تو نے اس میں زہر ملایا ہے؟ اس نے کہا کہ آپ کو کس نے یہ بات بتلائی؟ — آپؐ نے فرمایا کہ یہ بکری کی دست جو میرے ہاتھ میں ہے اسی نے بحکم خدا مجھے بتلایا ہے کہ میرے اندر زہر ملایا گیا ہے"— یہودی عورت نے اقرار کر لیا کہ ہاں میں نے زہر ملایا تھا اور یہ میں نے اس لئے کیا تھا کہ اگر تم سچے نبی ہو گے تو تم پر زہر کا اثر نہیں ہوگا اور اگر تم جھوٹے مدعی نبوت ہو گے تو ختم ہو جاؤ گے اور تمھارے ختم ہو جانے سے ہمیں راحت اور چین حاصل ہو جائے گا۔ اور اب مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ سچے نبی ہیں۔ اسی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے اس کو معاف فرما دیا اس واقعہ سے متعلق مختلف روایات سے مزید تفصیلات بھی معلوم ہوتی ہیں، جن کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے

یہاں خیبر کے اس واقعہ کا ذکر صرف یہ بتلانے کے لئے کیا گیا ہے کہ خیبر میں زہر آلود لقمہ کے کھانے کا وہ واقعہ معلوم ہو جائے جس کا ذکر زیر تشریح حدیث میں کیا گیا ہے — جو زہر بکری کی دست میں ملایا تھا وہ ایسا ہی تھا کہ اس کا لقمہ کھا کر ہی آدمی ختم ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے قدرت کاملہ سے معجزانہ طور پر حضورؐ کو بچا لیا۔ لیکن اس کا کچھ اثر باقی رہا جس کی کچھ تکلیف کبھی کبھی آپ محسوس فرماتے تھے) اس میں حکمت الٰہی یہ تھی کہ جب دعوتِ حق، امت کی تعلیم و تربیت اور اعلاء کلمۃ اللہ کا وہ کام آپ کے ذریعہ پورا ہو جائے جس کے لئے آپ کی بعثت ہوئی تھی تو پھر اس زہر کا اثر پوری طرح ظاہر ہو کر آپ کی وفات کا وسیلہ بنے اور اس طرح آپ کو "شہادت فی سبیل اللہ" کی سعادت و فضیلت بھی حاصل ہو۔

اس تفصیل کی روشنی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ بالا حدیث کا مطلب و مفہوم پوری طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث میں حضورؐ کا جو ارشاد اور حال بیان کیا ہے وہ بظاہر اسی دن کا ہے جس روز حضورؐ کی وفات ہوئی اور تکلیف میں وہ شدت شروع ہوئی جس کا ذکر آئندہ درج ہونے والی بعض حدیثوں میں آئے گا۔

عن عائشۃَ، قالتْ: سَمِعتُ رسولَ اللّٰہِ صلی اللّٰہُ علیہ وسلّمَ یَقُولُ: مَا مِنْ نَبِیٍّ یَمْرَضُ الّا خُیِّرَ بَیْنَ الدنیا والآخرۃ" وکانَ فی شکواہُ الّذِی قُبِضَ اَخَذَتْہُ بُحَّۃٌ شدیدۃٌ، فسمعتُہ یقولُ: مَعَ الّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ مِنَ النّبِیّٖنَ والصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ، فَعَلِمْتُ اَنَّہٗ خُیِّرَ۔

(رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان کرتی ہیں کہ میں نے سنا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ فرماتے تھے (تندرستی کی حالت میں) کہ ہر نبی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ ہے کہ جب وہ مریض ہوتے ہیں (یعنی جب وہ مرض وفات میں مبتلا کیے جاتے ہیں) تو ان کو اختیار دیا جاتا ہے دنیا اور آخرت کے درمیان (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر دنیا میں ابھی کچھ مدت اور رہنا چاہیں تو رہیں اور اگر اب عالم آخرت کا قیام پسند کریں تو اس کو اختیار کریں۔ آگے حضرت صدیقہ بیان فرماتی ہیں کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے مرض وفات میں سانس کی سخت تکلیف ہوئی تو میں نے حضورؐ کو فرماتے ہوئے سنا "مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ" تو میں نے سمجھ لیا کہ آپؐ کو وہ اختیار دے دیا گیا (اور آپؐ نے عالم آخرت کو اختیار فرمالیا (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کے مضمون کی ضروری وضاحت اور تشریح ترجمہ کے ضمن میں کردی گئی ہے۔ اس حدیث میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضورؐ کے مرض وفات کے آخری مرحلہ کا یہ واقعہ بیان فرمایا ہے کہ جب سانس کی شدید تکلیف شروع ہوئی (جو گویا قرب وفات کی علامت ہوتی ہے) تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا کہ "مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ الخ" (اے اللہ اب اپنے ان مقبول بندوں کے پاس پہنچا دے جن پر تیرا خصوصی انعام ہوا ہے، انبیا علیہم السلام، صدیقین،

شہدار اور صالحین ۔ سورۂ نسار کی آیت ۶۹ میں ان چاروں طبقات پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعام کا ذکر فرمایا گیا ہے ___ آگے درج ہونے والی حدیث سے اس آخری وقت اور آخری گھڑی کی کچھ مزید تفصیلات معلوم ہوں گی

عن عائشۃ ، قالت ان من نعم اللہ علیَّ أنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، تُوُفِّیَ فی بیتی وفی یومی وبین سَحْرِی ونَحْرِی ، وانّ اللہ جمع بین ریقی وریقہ عند موتہ دخل علیَّ عبد الرحمٰن بن ابی بکر وبیدہ سواک وانا مُسْنِدَۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرأیتہ ینظر الیہ ، وعرفت أنہ یُحِبّ السواک ، فقلت آخذہ لک ؟ فاشار برأسہ أن نعم ، فتناولتہ فاشتدّ علیہ قلت : أُلَیِّنُہ لک ؟ فاشار برأسہ ان نعم فلیّنتہ ، فأمَرَّہ ، وبین یدیہ رکوۃ ، فیہا ماء ، فجعل یُدخل یدیہ فی الماء فیمسح بہما وجہہ ویقول : لا الٰہ الا اللہ انّ للموت سکرات "ثم نصب یدہ فجعل یقول فی الرفیق الاعلیٰ "حتی قُبض ومالت یدہ (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے ، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جن خاص نعمتوں سے نوازا ہے ان میں سے یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی میرے گھر میں اور میری ہی نوبت کے دن میں ، اور یہ بھی کہ آپ نے وفات پائی میرے سینہ اور میری ہنسلی کے درمیان (یعنی آپ نے اس حالت میں وفات پائی کہ آپ میرے سینہ اور ہنسلی سے لگے ہوئے تھے (اور اللہ تعالیٰ کی جو خاص الخاص نعمتیں مجھ پر ہوئیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے آپ کے آخری وقت میں میرا آب دہن اور حضورؐ کا آب دہن ملا دیا (یعنی آخری وقت میں آپ کا آب دہن

(تھوک) میرے حلق میں آیا اور میرا آب دہن آپ کے دہن مبارک میں گیا ۔ آگے حضرت صدیقہ اس کی تفصیل بیان فرماتی ہیں کہ میرے بھائی عبد الرحمٰن گھر میں آئے، ان کے ہاتھ میں مسواک تھی اور میں حضورؐ کو سینہ سے لگائے بیٹھی تھی (یعنی آپ تکیہ کے طور پر میرے سینے سے لگے ہوئے تھے) تو میں نے دیکھا کہ حضورؐ عبد الرحمٰن کی مسواک کی طرف نظر فرما رہے ہیں۔ اور میں نے جانا کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں، تو میں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ کیا میں عبد الرحمٰن سے یہ مسواک آپ کے لئے لے لوں؟ تو آپ نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا کہ ہاں لے لو، تو میں نے وہ مسواک عبد الرحمٰن سے لے کر آپ کو دیدی آپ نے اس سے مسواک کرنی چاہی تو وہ سخت محسوس ہوئی، میں نے عرض کیا کہ میں اس کو آپ کے لئے نرم کر دوں؟ تو آپ نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا کہ ہاں (اسکو میرے لیے نرم کردو) تو میں نے اس کو (چبا کر) نرم کر دیا، تو آپ نے اس کو اپنے دانتوں پر پھیرا (اس طرح اس آخری وقت میں حضور کا آب دہن میرے حلق میں اور میرا آب دہن حضور کے دہن مبارک میں چلا گیا ــــ آگے حضرت صدیقہ بیان فرماتی ہیں کہ اس وقت حضورؐ کے سامنے ایک برتن میں پانی رکھا ہوا تھا، آپ بار بار اس پانی میں اپنے دونوں ہاتھ ڈالتے، اور وہ ہاتھ چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے، اور اسی حال میں زبان مبارک سے فرماتے لا الٰہ الا اللہ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٍ " (صرف اللہ ہی معبود برحق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہاں موت کے لئے بڑی سختیاں ہیں" پھر آپ نے دست مبارک اوپر کی طرف اٹھایا اور فرمانے لگے " فِی الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی " (مجھ کو شامل کر لے رفیق اعلیٰ میں) اسی حال میں روح مبارک قبض کر لی گئی اور آپ کا اوپر اٹھا ہوا ہاتھ نیچے کی طرف آ گیا ۔

(صحیح بخاری)

(تشریح) اس حدیث میں حضرت صدیقہ نے صرف ان خاص الخاص انعامات کا ذکر فرمایا ہے، جو حضور کی زندگی کے آخری لمحات حیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ہوئے ــــ ایک یہ کہ حضورؐ نے میرے گھر میں وفات پائی، اور حسن اتفاق سے وہ دن میری نوبت کا تھا ــــ یعنی اگرچہ حضورؐ وفات سے آٹھ دن پہلے اپنی خواہش اور دیگر

ازواج مطہرات کی اجازت سے میرے گھر میں مستقل طور پر تشریف لے آئے تھے لیکن جس دو شنبہ کو وفات پائی وہ دن باری کے حساب سے بھی حضورؐ کے میرے ہاں قیام کا دن تھا ــــ اور دوسرا خصوصی انعام اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ فرمایا کہ جس وقت حضورؐ نے وفات پائی اس وقت آپ میرے سینہ اور ہنسلی کے درمیان تھے، یعنی حضورؐ کی کمر مبارک میرے سینہ سے لگی ہوئی تھی اور سر مبارک میری ہنسلی سے لگا ہوا تھا ــــ اور اللہ تعالیٰ کا تیسرا خاص انعام مجھ پر یہ ہوا کہ اس آخری وقت میں میرے بھائی عبد الرحمٰن گھر میں آ گئے ان کے ہاتھ میں مسواک تھی، ان کی مسواک کی طرف حضورؐ نے اس طرح دیکھا کہ میں نے سمجھا کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں، تو میں نے حضورؐ کا اشارہ پا کر وہ مسواک اپنے بھائی سے لے کر حضورؐ کو دیدی، آپ نے اس کو استعمال کیا تو وہ سخت محسوس ہوئی، میں نے عرض کیا کہ میں اس کو آپ کے لئے نرم کر دوں تو آپ نے سر سے اشارہ فرمایا کہ ہاں اس کو نرم کر دو، تو میں نے اس کو چبا کر اور نرم کر کے آپ کو دیا تو آپ نے اس کو حسب معمول دانتوں پر پھیرا، اسطرح اللہ تعالیٰ نے اس آخری وقت میں آپ کا آب دہن (تھوک) میرے حلق میں اور میرا آب دہن آپ کے دہن مبارک میں جمع فرما دیا ــــ واقعہ یہ ہے کہ ان خاص خاص انعامات الٰہیہ پر حضرت صدیقہ کو جتنی بھی خوشی اور جتنا بھی فخر ہو۔ بجا ہے ــــ آگے حضرت صدیقہ نے آخری وقت کا جو حال بیان فرمایا ہے اس میں اس آخری وقت کی شدت تکلیف کا ذکر ہے ــــ فرماتی ہیں کہ اس وقت حضورؐ کے سامنے ایک برتن میں پانی رکھا ہوا تھا آپ بار بار اس میں اپنے دونوں ہاتھ ڈالتے اور چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے اور اسی حال میں زبان مبارک سے فرماتے "لا الٰہ الا اللہ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٍ" مقربین کو اس طرح کی تکلیف ان کے رفع درجات کے لئے ہوتی ہے ــــ آگے حضرت صدیقہ بیان فرماتی ہیں کہ۔ اسی حال میں آپ نے ہاتھ اوپر اٹھایا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا "فی الرفیق الاعلیٰ" ــــ یوں سمجھنا چاہیئے کہ اس وقت وہ "اعلیٰ علیین" آپ کے سامنے کر دیا گیا تھا جو حضرات انبیاء علیہم السلام حضرات صدیقین، شہداء اور صالحین کا مقام و مستقر ہے آپ نے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کہ مجھے اسی رفیق اعلیٰ میں پہنچا دیا جائے ــــ چنانچہ

روح مبارک قبض کر لی گئی، اوپر اٹھا ہوا دست مبارک نیچے آگیا ـــــ قرآن پاک میں حضرات انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین پر اللہ تعالیٰ کے خاص انعامات کا ذکر کر کے فرمایا گیا ہے " وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيقًا " (سورہ نساء آیت ۶۹)
بہ ظاہر حدیث کے لفظ "فی الرفیق الاعلیٰ" سے یہی مراد ہے، اس سے پہلے صحیحین کے حوالہ سے حضرت صدیقہ ہی کی جو روایت ذکر کی گئی ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم
حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے، مستدرک حاکم وغیرہ کی ان روایات کا ذکر کیا ہے جن میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت وفات پائی اس وقت آپؐ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھے۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر نے ان روایات کے بارہ میں لکھا ہے " وکل طریق منها لا یخلو من شیعی فلا یلتفت الیهم " (یعنی ان تمام روایتوں کی سند میں کوئی نہ کوئی شیعہ راوی ہے اس لئے قابل التفات بھی نہیں ہیں) آگے حافظ ابن حجر نے ان تمام روایات کی سندوں پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ (فتح الباری ص۱۰۳ جز ۱۸ طبع انصاری دہلی)

عن عائشۃَ قالتْ إنَّ ابابکر اَقْبَلَ علیٰ فرسٍ من مسکنہٖ بالسُّنْحِ حتّٰی نزل، فدخل المسجدَ فلم یُکلّم الناسَ حتّٰی دَخَلَ علیٰ عائشۃ فتیمّم رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو مغشیٌّ بثوبِ حِبَرَۃٍ فکشف عن وجھہٖ ثمّ اَکبَّ علیہ فقبَّلہٗ وبکیٰ ثمّ قال بابی انتَ واُمّی واللہ لا یجمع اللہُ علیکَ موتتینِ أمّا الموتۃُ الّتی کُتِبَتْ علیکَ فقد متّھا۔ قال الزھریُ وحدّثنی ابوسلمۃ عن عبداللہ عباس انّ ابابکر خرج وعُمر یکلّمُ الناسَ فقال اجلس یا عمر فابیٰ عمر ان یجلس فاقبلَ الناسُ الیہ وترکوا عُمر فقالَ ابوبکر
اما بعد! من کان منکم یَعبُدُ محمّداً فانّ محمّداً قد مات ومن کان منکم یعبُدُ اللہَ فانّ اللہَ حیٌّ لا یموتُ

قال اللہ: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ الی الشّٰکِرِیْنَ، وقال: وَاللّٰهِ لَکَاَنَّ النَّاسَ لَمْ یَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ هٰذِهِ الْاٰیَةَ حَتّٰی تَلَاهَا اَبُوْبَکْرٍ فَتَلَقَّاهَا مِنْهُ النَّاسُ کُلُّهُمْ. فَمَا اَسْمَعُ بَشَرًا مِنَ النَّاسِ اِلَّا یَتْلُوْهَا۔ ــــــ رواہ البخاری

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی قیامگاہ سُنح سے آئے، گھوڑے سے اتر کر مسجد میں آئے، جو لوگ وہاں جمع تھے ان سے کوئی بات نہیں کی پہلے حضرت عائشہ کے گھر میں آئے اور سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے، آپ کو ایک دھاری دار یمنی چادر اڑھادی گئی تھی، حضرت ابو بکر نے چادر ہٹا کر چہرۂ مبارک کھولا، پھر آپ کے اوپر جھک پڑے اور بوسہ دیا، پھر کہا آپ کے اوپر میرے ماں باپ قربان! خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہیں فرمائیگا جو موت آپ کے لئے مقدر ہو چکی تھی وہ آپ پر وارد ہو گئی (یہاں تک حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت ہے جس کو امام زُہری نے ابو سلمہ کے حوالہ سے حضرت صدیقہ سے روایت کیا ہے)۔ آگے امام زہری ابو سلمہ ہی کے حوالہ سے (اسی موقع سے متعلق) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ بیان روایت کرتے ہیں کہ ــــ ابو بکر حضرت عائشہ کے گھر سے باہر آئے، اس وقت حضرت عمرؓ (اپنے خاص حال میں) لوگوں سے بات کر رہے تھے، حضرت ابو بکر نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ عمر بیٹھ جاؤ (اور جو بات کر رہے ہو وہ نہ کرو) لیکن حضرت عمرؓ نے (اپنے اس خاص حال میں) یہ بات نہیں مانی تو (حضرت ابو بکرؓ منبر کی طرف آئے) تو سب لوگ حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر حضرت ابو بکرؓ کی بات سننے کے لئے ان کی طرف آگئے، انھوں نے (منبر سے) خطاب کرتے ہوئے (حمد و صلوٰۃ اور توحید و رسالت کی شہادت کے بعد فرمایا)

اَمَّا بَعْدُ مَنْ کَانَ مِنْکُمْ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا	اما بعد تم میں سے جو کوئی حضرت محمد کی عبادت اور بندگی کرتا تھا تو وہ تو وفات

قد مات، ومن کان منکم یعبد الله فان الله حیٌّ لا یموت قال الله عزوجل۔

پا گئے، اور تم میں سے جو کوئی اللہ کی عبادت اور بندگی کرتا تھا تو وہ "حیّ لا یموت" ہے۔ اس کو کبھی فنا نہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے

وما محمدٌ الا رسولٌ قد خلت من قبلہ الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم ومن ینقلب علیٰ عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً ، وسیجزی اللہ الشٰکرین ۝

"اور محمد تو صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں، تو اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے اور جو کوئی الٹے پاؤں پلٹ جائے تو وہ خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا۔ اور اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو ضرور صلہ عطا فرمائے گا۔

(حدیث کے راوی) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ایسا معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ کے اس موقع پر یہ آیت تلاوت فرمانے سے پہلے گویا لوگوں نے جانا ہی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے (یعنی اس وقت لوگ اس آیت کے مضمون سے غافل ہو گئے تھے) پھر تو سب ہی لوگوں نے اسکو لے لیا، پھر تو ہر شخص کی زبان پر یہی آیت تھی، اور میں ہر شخص کو یہی آیت تلاوت کرتے ہوئے سنتا تھا۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) مندرجہ بالا بعض حدیثوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ جس روز حضورؐ نے وفات پائی اس کی صبح آپ کی حالت بہت بہتر اور قابل اطمینان ہو گئی تھی، اسی لئے حضرت ابو بکرؓ حضورؐ کی طرف سے بالکل مطمئن ہو کر اپنی قیامگاہ سنح چلے گئے تھے، وہ ابھی وہیں تھے کہ حضورؐ کا وصال ہو گیا، جن لوگوں کو اس کی اطلاع ہوئی وہ جمع ہونے شروع ہو گئے، ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے جو کسی طرح اس کے ماننے بلکہ سننے کے لئے بھی تیار نہیں تھے کہ حضورؐ وفات پا گئے۔ حافظ ابن حجر نے اسی حدیث کی شرح میں مسند احمد کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ جب حضورؐ وفات پا گئے اور میں نے حضورؐ کو چادر اڑھا دی حضرت عمر اور حضرت مغیرہ بن شعبہ آئے اور حضور کو دیکھنے کے لئے اندر آنے

کی اجازت چاہی، میں نے پردہ کر لیا اور ان دونوں کو اجازت دیدی تو وہ دونوں اندر آئے حضرت عمرؓ نے حضورؐ کو دیکھا اور کہا "واغشیاہ" (ہائے کیسی غشی ہے) اس کے بعد یہ دونوں باہر جانے لگے تو حضرت مغیرہ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ (غشی یا سکتہ نہیں ہے) حضورؐ وفات پا گئے۔ تو حضرت عمرؓ نے ان کو زور سے ڈانٹا اور کہا کہ حضورؐ اس وقت تک دنیا سے نہیں اٹھائے جائیں گے جب تک فلاں فلاں کام انجام نہ پا جائیں جو ابھی انجام نہیں پائے ہیں۔ بہرحال حضرت عمرؓ کا یہی حال تھا اور وہ پورے زور شور سے لوگوں سے یہی کہہ رہے تھے،

اسی حال میں حضرت ابوبکرؓ گھوڑے پر سوار ہو کر آ پہنچے، پہلے مسجد آئے جہاں لوگ جمع تھے لیکن کسی سے کوئی بات نہیں کی بلکہ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں پہنچے حضورؐ کے چہرۂ مبارک سے کپڑا اٹھایا اور روتے ہوئے بوسہ دیا اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، جو موت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لئے مقدر تھی وہ آچکی (صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اس موقع پر "انا للہ وانا الیہ راجعون" بھی کہا۔) ——— اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ باہر تشریف لائے یہاں حضرت عمرؓ اپنے خیال کے مطابق لوگوں کے سامنے تقریر کر رہے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے ان سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ (یعنی لوگوں سے جو بات کر رہے ہو نہ کرو)، لیکن حضرت عمرؓ اس وقت ایسے مغلوب الحال تھے کہ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کی بات نہیں مانی بلکہ اس وقت ماننے سے صاف انکار کر دیا، حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کو اسی حال میں چھوڑ کے مسجد میں منبر پر تشریف لائے، پھر سب لوگ حضرت عمرؓ کو چھوڑ کے انہی کے پاس آگئے حضرت ابوبکرؓ نے وہ خطاب فرمایا جو اوپر حدیث کے ترجمہ میں لفظ بہ لفظ نقل کر دیا گیا ہے۔ اور قرآن مجید کی سورۂ آل عمران کی آیت ۱۴۴ تلاوت فرمائی

حضرت ابوبکرؓ کے اس خطبہ اور اس آیت نے ہر صاحب ایمان کے دل میں یہ یقین پیدا کر دیا کہ حضورؐ ایک دن یقیناً وفات فرمانے والے تھے، وفات فرما گئے۔ اور ہم کو آپ کے تبلائے ہوئے راستہ پر چلتے ہوئے جینا اور مرنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ اس خاص موقع پر حضرت ابوبکرؓ سے یہ آیت سن کر سب کی زبان پر یہی آیت جاری تھی ہر ایک اسی آیت کی تلاوت کر کے اپنے نفس کو اور دوسروں کو اسلام

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر ثابت قدمی کا سبق دے رہا تھا۔

اسی واقعہ کے سلسلہ میں آگے امام زہری ہی نے سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ خود حضرت عمر فرماتے تھے کہ جب ابوبکر نے آیت "وما محمد الا رسول" الآیہ تلاوت کی تو اپنی غلطی کے احساس سے میرا یہ حال ہو گیا کہ گویا میں بے جان ہو گیا میری ٹانگوں میں دم نہیں رہا کہ میں کھڑا ہو سکوں میرے دل نے مان لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیشک وفات پا گئے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا قُبِضَ رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اختلفوا فی دَفْنِہٖ. فقال ابوبکر: سمعت من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم شیئاً قال: "مَا قَبَضَ اللّٰہُ نبیاً الّا فی الموضع الّذی یُحِبّ ان یُدْفَنَ فیہ" ادفنوہُ فی مَوضعِ فراشہٖ

——— رواہ الترمذی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو آپ کی تدفین کے بارے میں لوگوں میں رائے کا اختلاف ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں ایک بات سنی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی کو اسی جگہ وفات دیتا ہے جہاں وہ اس کا دفن کیا جانا پسند فرماتا ہے۔ لہٰذا آپ کو آپ کے بستر کی جگہ ہی دفن کیا جائے

(جامع ترمذی)

(تشریح) حدیث کا مطلب یہی ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد اس بارے میں صحابہ کی رائیں مختلف ہوئیں کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے۔ شارحین نے نقل کیا ہے کہ بعض حضرات کی رائے تھی کہ آپ کو بلد اللہ الحرام مکہ مکرمہ لیجا کر دفن کیا جائے بعض کی رائے تھی کہ مدینہ ہی میں بقیع میں دفن کیا جائے۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس بارے میں میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی ہے، آپ فرماتے تھے کہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ

یہ رہا ہے کہ ان کی وفات خاص اسی جگہ ہوتی ہے جہاں ان کا دفن ہونا اُن پیغمبر کو یا خود اللہ تعالیٰ کو پسند ہوتا ہے، لہذا حضورؐ کو آپ کے اسی بستر کی جگہ دفن کیا جائے جس پر آپ نے وفات پائی چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں اسی جگہ دفن کئے گئے جہاں بستر پہ آپ آرام فرماتے تھے اور جہاں آپ نے وفات پائی ــــــ کیسا خوش نصیب ہے زمین کا وہ قطعہ جس نے سید المرسلین خاتم النبیین محبوب رب العالمین کو قیامت تک کے لئے اپنی آغوش میں لے لیا ہے ۔ صلی اللہ علیہ وبارک وسلم دائماً ابداً ٥

مولانا عتیق احمد قاسمی

(دوسری قسط)

خلافت عثمانیہ کے خلاف صفویوں کی سازشیں

ایرانی شیعوں کی سیاہ تاریخ کا ایک اہم باب

دول یورپ سے صفویوں کے روابط

شاہ ایران اسماعیل صفوی نے ابتدا سلطنت ہی سے یورپ کی اسلام دشمن طاقتوں سے دوستانہ روابط قائم کئے۔ یورپ کی جن صلیبی طاقتوں سے دولت عثمانیہ برسرپیکار تھی ان سے صفوی سلطنت نے گہرے دوستانہ روابط قائم کئے۔ یورپ کے عیسائی ممالک دولتِ عثمانیہ کی تیز رفتار فتوحات سے خائف تھے، ان ممالک نے صفوی سلطنت کے قیام کو نعمت غیر مترقبہ تصور کیا اور اس نوزائیدہ مشرقی سلطنت سے اچھے تعلقات قائم کرنے میں بڑی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔ براؤن لکھتا ہے "عہد صفویہ کے دوران میں یا اس سے کچھ ہی پہلے جو کچھ متعدد سیاسی وفود یورپی دول کی طرف سے ایران بھیجے گئے، ان میں سے تقریباً ہر ایک غرض تھی کہ عثمانی ترکوں کی زبردست قوت کا مقابلہ ایران سے مدد لے کر کیا جائے"[1]

اسماعیل صفوی کے جانشینوں نے بھی ہمیشہ اس "یورپ نوازی" یا "یورپ پرستی" کی پالیسی کو ترقی دی اور دولت عثمانیہ کی دشمنی میں تمام اسلام دشمن ممالک سے دوستانہ روابط قائم کئے، اردو دائرہ معارف اسلامیہ کا مقالہ نگار لکھتا ہے "اسماعیل اول نے شروع ہی سے شیعی مسلک کو

---

[1] تاریخ ادبیات ایران در عہد جدید صفحہ ۱۸،۱۷

ایران کے سرکاری مذہب کا درجہ دے دیا، براؤن نے صفوی عہد میں ادبی تصانیف کے یکایک پست و بے مایہ رہ جانے کی وجہ اسی مذہبی تغیر کو قرار دیا ہے۔ ان حالات میں ایران گرد و پیش کے اسلامی ممالک سے بالکل کٹ گیا۔ دوسری طرف یورپ میں دولت عثمانیہ کے دشمنوں کو امید ہو گئی کہ دولت عثمانیہ کے بیخ کنی کے مشترکہ مقصد میں ایران ایک قابل قدر شریک کار ثابت ہوگا۔ یورپی طاقتوں مثلاً وینس اور ہسپانیہ سے دوستانہ تعلقات بڑھانے کا سبب یہی تھا۔[1]

دائرہ معارف اسلامیہ میں اسماعیل اول پر جو مقالہ ہے، اس میں تحریر ہے "بہر حال یہ شاہ اسماعیل تھا جس نے ایک باقاعدہ اور سوچے سمجھے منصوبے کے ماتحت یہ کوشش کی کہ لیو (LEO) دہم اور میکسیملین اول (MAXIMILIAN) سے دوستانہ تعلق قائم کرے۔ ۱۵۱۴ء یعنی چالدران کی شکست کے بعد اس نے چارلس پنجم (CHARLES) کو بھی اپنے ساتھ ملانا چاہا تاکہ دونوں متحد ہو کر اپنے مشترکہ دشمن (دولت عثمانیہ) سے انتقام لیں، لیکن اس وقت ان سفارتوں سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔"[2]

عثمانی سلاطین کی پالیسی عثمانی سلاطین نے ایشیا کی مسلم سلطنتوں سے نبرد آزما ہونے کے بجائے یورپ کو میدان جنگ بنایا، صلیبی طاقتوں کو مغلوب کرنے کے لئے مجاہدانہ سرگرمیاں جاری رکھیں، کیونکہ اسپین سے مسلمانوں کو بے دخل کرنے کی صلیبی کوششیں آخری مراحل میں داخل ہو چکی تھیں، بحر روم پر دوبارہ عیسائیوں کی بالادستی قائم ہو رہی تھی جس سے شمالی افریقہ کے سواحل پر واقع مسلم ممالک نیز مصر و شام کو خطرہ لاحق تھا، ان حالات کی بنا پر عثمانیوں نے ضروری سمجھا کہ قلب یورپ میں گھس کر صلیبی طاقتوں کو پسپا کریں تاکہ اسلام دشمن طاقتیں عالم اسلام کا رخ نہ کر سکیں اور غرناطہ کی مسلم سلطنت کے خلاف صلیبیوں کے سیاسی و فوجی دباؤ میں کمی آئے —— اگر امیر تیمور کی طرف سے جنگ انگورہ (۱۴۰۲ء) کا حادثہ پیش نہ آتا تو غالباً سقوط غرناطہ کا خونچکاں المیہ پیش نہ آتا، کیونکہ سقوط غرناطہ سے کافی پہلے دولت عثمانیہ کو وہ سطوت و شوکت، اثر و اقتدار حاصل

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۳ (دانش گاہ پنجاب لاہور) ص ۶۵۱ [2] کتاب مذکور ج ۲ ص ۳۹۔

ہو چکا ہوتا جو سلیمان قانونی کے دور عروج میں حاصل ہوا اور دولت عثمانیہ کے اس مضبوط پوزیشن میں آنے کے بعد بظاہر اس کا امکان نہ رہ جاتا کہ سرزمین اندلس سے آخری اسلامی سلطنت کا نام و نشان مٹایا جا سکے۔

صفوی سلطنت کے قیام سے عالم اسلام کو کیا ملا؟

ایران کی مردم خیز سرزمین پر دولت صفویہ کے ظہور و عروج سے اسلام اور عالم اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا اور دول یورپ کو غیر معمولی فائدہ پہنچا، صفوی سلطنت نے ابتدار قیام ہی سے سنیوں پر مظالم کے پہاڑ توڑے، سنیوں کا استیصال کیا، رافضیت کی جبری تبلیغ و اشاعت کی، دولت صفویہ کے اس رویے پر دولت عثمانیہ کے لئے خاموشی ممکن نہ تھی اس لئے مجبوراً دولت عثمانیہ کو مشرقی محاذ پر بھی برابر فوجی قوت صرف کرنی پڑی — اس نئے محاذ جنگ کی وجہ سے مغربی محاذ پر عثمانیوں کی پیش قدمی سست پڑ گئی، مسیحی طاقتوں کو سنبھلنے اور تیاری کرنے کا پورا موقع مل گیا۔ جب بھی مغربی محاذ پر صلیبیوں کے خلاف عثمانی فوجوں کا دباؤ بڑھتا، عیسائی سلاطین ایرانی فرماں رواسے کہہ سن کر ایران کے محاذ پر دولت عثمانیہ کے خلاف جنگ شروع کرا دیتے تاکہ دو محاذوں پر فوجی طاقت تقسیم ہو جانے کی وجہ سے دولت عثمانیہ فیصلہ کن جنگ نہ لڑ سکے۔

شاہ اسمٰعیل صفوی اور سلطان بایزید ثانی:

اسماعیل صفوی کے ہاتھوں جن دنوں دولت صفویہ کی بنیاد پڑ رہی تھی، ان دنوں دولت عثمانیہ کا حکمراں سلطان بایزید ثانی تھا (۸۸۶ھ سے ۹۱۸ھ) بایزید ثانی نسبۃً کمزور سلطان تھا۔ اس کے دور حکمرانی میں دولت عثمانیہ کی فتوحات میں رفتار میں خاصی کمی آئی، بایزید ثانی نے اسماعیل صفوی سے بہتر تعلقات قائم کرنا چاہے۔ براؤن لکھتا ہے۔

"تقریباً اسی زمانے میں عثمانی سلطان بایزید ثانی کے سفراء شاہ اسماعیل کی خدمت میں تسخیر عراق و فارس کی مبارکباد دینے اور شاہ کے "شایان شان تحائف اور ہدیے گذار نے کے لئے حاضر دربار ہوئے، شاہ اسماعیل نے انھیں خلعت دے کر رخصت کیا، اور دولت عثمانیہ کو اپنی دوستی کا یقین دلایا، لیکن روانگی سے پہلے ان سفیروں کو سزائے قتل کی کنجیر

وارداتوں کا عینی مشاہدہ کرایا گیا، انھیں میں سے ایک واقعہ شاید میر حسین میبذی کے قتل کا بھی تھا، جو ایک مشہور فلسفی اور قاضی تھے اور جن کا سارا قصور یہ تھا کہ وہ "سنی غالی" تھے ...... ترکی سفیروں کو اس طرح اپنی آنکھوں کے سامنے ایک جید سنی عالم کو قتل ہوتے ہوئے دیکھنا اور وہ بھی ان لوگوں کے ہاتھوں جنھیں وہ ملعون اور منافق سمجھتے تھے، جس قدر شاق گذرا کم ہے" [1]

بایزید ثانی کی طرف سے دوستی کا بڑھانے کا جواب اسماعیل صفوی نے اس گستاخانہ اور سفاکانہ انداز میں دیا کہ عثمانی سفراء کے سامنے ممتاز سنی علماء کو قتل کرایا، اس کے بعد بایزید ثانی ہی کے دور حکومت میں ایک واقعہ پیش آیا جس نے دولت صفویہ کے مقابلہ میں دولت عثمانیہ کو مضبوط موقف اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ــــ دولت عثمانیہ کے ایشیائی علاقوں خصوصاً اناطولیہ میں شیعوں کی معتدبہ آبادی تھی، بہت سے ترک قبائل بھی اسماعیل صفوی کے مرید و معتقد تھے۔ اسماعیل صفوی کے گماشتے اور خفیہ مبلغین بڑی رازداری اور سرگرمی سے اناطولیہ کے علاقے میں شیعیت کی نشر و اشاعت کر رہے تھے، رفتہ رفتہ دولت عثمانیہ کی ایشیائی مقبوضات میں اسماعیل صفوی کے مریدین کا حلقہ بڑا کافی وسیع ہو گیا، ایشیائے کوچک میں ان لوگوں نے شاہ قلی کے زیر قیادت علم بغاوت بلند کر دیا، بایزید ثانی کو یہ بغاوت فرو کرنے میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ قطب الدین نہروالی لکھتے ہیں۔ " بلاد روم میں اسماعیل صفوی کے متبعین میں ایک ملحد و زندیق شخص نمودار ہوا، جس کا نام "شیطان قلی" تھا، اس نے بڑی تباہی مچائی، پورے علاقے میں فساد و خونریزی کا بازار گرم کر دیا بے شمار گمراہوں نے اسکی پیروی کی اسی بڑی قوت و شوکت حاصل ہو گئی، اس باغی کی سرکوبی کے لئے سلطان بایزید نے اپنے وزیر اعظم علی پاشا کو بڑے لشکر کے ساتھ بھیجا، اس جہاد میں علی پاشا شہید ہو گئے، بالآخر شیطان قلی کو شکست ہوئی، اور وہ اپنے ابلیس صفت معتقدین کی ایک جماعت کے ساتھ قتل کر دیا گیا، ۹۱۵ھ میں یہ واقعہ پیش آیا" [2]

احسن التواریخ کی روایت کے مطابق یہ واقعات ۹۱۷ھ کے ہیں یعنی سلیم اول کی تخت نشینی سے ایک سال قبل کے، دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ شاہ قلی کے

---

[1] براؤن: تاریخ ادبیات ایران در عہد جدید ص ۹۲، ۹۳

[2] قطب الدین نہروالی: الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام ص ۱۲۰

فتنہ کا آغاز ۹۱۵ھ میں ہوا اور اس کا مکمل استیصال ۹۱۷ھ میں ہو سکا۔

سلطان سلیم اول نے ایران پر حملہ کیوں کیا؟

سلطان محمد الفاتح کے دور تک دولت عثمانیہ کی ایشیائی سرحدوں کو کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا، اس لئے عثمانی سلاطین نے یورپ کے محاذ پر پوری توجہ صرف کی، صفوی سلطنت کے قیام اور اسمٰعیل صفوی کی توسیع پسندانہ پالیسی کی بنا پر دولت عثمانیہ کی مشرقی سرحدیں مخدوش ہو گئیں۔ سلطان سلیم اول (۹۱۸ھ – ۹۲۶ھ) کو تخت نشینی کے فوراً بعد بھائیوں کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑا، صفوی سلطنت نے سلیم اول کے باغیوں کی مدد کی، اسماعیل صفوی نے تخت ایران پر مسلط ہونے کے بعد اپنی حدود سلطنت میں سنیوں کا قتل عام کیا، سنی علماء و مشائخ پر روح فرسا مظالم ڈھائے، اپنی رعایا کے لئے اثنا عشری مذہب لازم قرار دیا۔ اسماعیل صفوی کے قتل عام اور بے پناہ مظالم سے تنگ آکر ایران و عراق کے سنیوں نے سلطان سلیم اول کی خدمت میں داد رسی کے لئے درخواستیں اور وفود بھیجے، قطب الدین نہروالی کی روایت کے مطابق اسماعیل صفوی نے دس لاکھ سے زائد انسانوں کو تہ تیغ کیا۔[1] براؤن لکھتا ہے۔ "اسماعیل نے بازاروں اور گلیوں میں پہلے تین خلفاء راشدین پر تبرا بازی کا حکم دیا اور حکم عدولی کی سزا قتل قرار دی"۔[2] اسماعیل صفوی کے معاصر ایک وینسی تاجر نے شاہ اسمٰعیل صفوی کی سفاکیوں کی تفصیل بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: "میں سمجھتا ہوں کہ نیرو (NERO) کے وقت سے ایسا جلاد بادشاہ نہ پیدا ہوا ہوگا"۔[3]

ایران کے ممتاز سنی عالم خواجہ مولانائے اصفہانی نے سلطان سلیم اول کی خدمت میں دو نظمیں بھیجیں۔ اپنی ایک نظم میں انھوں نے سلطان سلیم اول کی تعریف کرنے کے بعد اسے اسماعیل صفوی پر حملہ کرنے کے لئے برانگیختہ کیا اور لکھا کہ ملحد و زندیق لوگ کب تک صحابہ کرام کو گالیاں دیتے رہیں گے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

---

[1] قطب الدین نہروالی: الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام ص ۱۲۶

[2] براؤن: تاریخ ادبیات ایران در عہد جدید ص ۵۸ [3] حوالہ بالا ص ۳۷

الا اے قاصد فرخندہ منظر — نیازم بر سوئے شاہ مظفر
بگو اے بادشاہ جملہ عالم — توئی امروز در مردی مسلم
مجدد گشت دیں از ہمت تو — جہاں در زیر بار منت تو
اگر ملک شریعت مستقیم است — ہم از دولت سلطان سلیم است
توئی امروز ز اوصاف شریفہ — خدا را و محمد را خلیفہ
روا داری کہ گبر و ملحد و دد — دہد دشنام اصحاب محمد
بیا از نصر دیں کسر صنم کن — بہ تخت روم ملک فارس ضم کن[1]

جنگ سے پہلے

ایران میں سنیوں پر ہونے والے مسلسل مظالم، ایشیائے کوچک میں اسماعیل صفوی کے بڑھتے ہوئے اثرات، اور دول یورپ کے ساتھ ایران کے ساز باز نے سلطان سلیم اول کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ اپنے یورپین دشمنوں سے وقتی طور پر صلح کر کے دولت عثمانیہ کی مشرقی سرحدوں کو مضبوط بنائے اور صفوی سلطنت کی سرکوبی کے لئے مشرق کو اپنی ترکتازیوں کا میدان بنائے ——
دولت عثمانیہ کے ممتاز علماء نے فتویٰ دیا کہ اسماعیل صفوی اور اس کا مذہب اختیار کرنے والے مرتد و زندیق ہیں، اگر یہ لوگ الحاد و زندقہ سے توبہ نہیں کرتے تو واجب القتل ہیں۔ سلطان سلیم اول نے اسماعیل صفوی کے نام ایک خط میں لکھا " ہمارے علماء و فقہاء نے تجھے ارتداد کی وجہ سے واجب القتل قرار دیا ہے اور ہر مسلمان کے لئے لازم قرار دیا ہے کہ اپنے دین کا دفاع کرے اور تیرے نیز تیرے بے وقوف مریدین کے غرور کو توڑے، لیکن جہاد شروع کرنے سے قبل ہم تیرے سامنے دین صحیح کی دعوت پیش کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں تیرے لئے ضروری ہے کہ ہمارے جن علاقوں کو غصب کر لیا ہے ان سے دستبردار ہو جاؤ، اگر تم نے ایسا کر لیا تو ہم تمھیں امن و سلامتی مہیا کرنے کو تیار ہیں"[2] ۹۲۰ھ میں لکھے ہوئے ایک خط کا ٹکڑا ہے "اپنے الحاد اور بداعمالیوں سے تائب ہو جاؤ، خصوصاً شیخین رضی اللہ عنہم کی سب و شتم بند کر دو، ورنہ حملہ کر دیا جائے گا"[3]

---

[1] براؤن: تاریخ ادبیات ایران در عہد جدید صفحہ ۱۲۷، ۱۲۸۔ [2] محمد عبد اللطیف البحراوی: فتح العثمانیین عدن صفحہ ۱۱۳ (دار التراث قاہرہ) [3] براؤن: تاریخ ادبیات ایران در عہد جدید صفحہ ۱۲۰، ۱۲۱۔

سلطان سلیم اول کا صفویوں پر حملہ اور اسکے اثرات : سلطان سلیم اول کے تیز و تند خطوط کے جوابات

اسماعیل صفوی نے اس سے زیادہ تیز و تند لہجے میں دیے۔ آخر کار دونوں کا تصادم ناگزیر ہوگیا، سلیم اول نے پہلے اناطولیہ کو اسماعیل صفوی کے مریدین سے پاک کرلینا چاہا۔ صفوی مبلغین کی دعوت سے جن لوگوں نے شیعیت اختیار کرلی تھی، ان کی مکمل فہرست بنوائی۔ انھیں الحاد و زندقہ سے تائب ہو کر دین صحیح قبول کرنے کی دعوت دی، انکار کرنے والوں کو تہہ تیغ کر دیا، اس کے بعد ۹۲۰ھ میں لشکر جرار کے ساتھ اسماعیل صفوی کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ عثمانی افواج ینی شہر سے ایران کے دارالسلطنت تبریز کی جانب روانہ ہوئیں۔ تبریز کے قریب چالداران کے مقام پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، بڑی خونریز جنگ کے بعد عثمانی فوجیں فتحیاب ہوئیں۔ ایرانی پچاس ہزار لاشیں میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگے، تبریز میں کچھ دنوں قیام کے بعد سلطان سلیم اول فوجوں کے ساتھ استنبول لوٹ آیا، دیار بکر اور کردستان کے صوبے مستقل طور پر دولت عثمانیہ میں شامل کرلئے گئے۔ سلیم اول کی جانب استنبول روانگی کے کچھ دنوں بعد اسماعیل صفوی پھر تبریز آگیا اور عنانِ سلطنت سنبھال لی، لیکن اسکی اولوالعزمی اور توسیع پسندی رخصت ہوگئی، بلاد عربیہ اور جزیرۃ العرب کی جانب شیعیت کا جو سیلاب بڑھ رہا تھا اس پر روک لگ گئی۔ پروفیسر عبدالعزیز محمد شناوی لکھتے ہیں " دولت عثمانیہ کا سرکاری مذہب سنی مذہب تھا۔ دولت عثمانیہ کے فرماں روا اپنے کو سنی مذہب کا محافظ سمجھتے تھے، اسی دولت عثمانیہ نے ایشیا و افریقہ کے عرب صوبوں میں شیعی مذہب کو نہیں پھیلنے دیا۔ اس کلیہ سے صرف عراق مستثنیٰ ہے، کیونکہ دولت عثمانیہ کے عراق فتح کرنے سے پہلے ایران کی دولت صفویہ عراق میں شیعیت کی نشر و اشاعت کرچکی تھی۔ شاہ اسمٰعیل صفوی نے عراق میں شیعیت پھیلانے کے لئے ظلم و زیادتی بلکہ دہشت گردی کے طریقے اپنائے تھے۔ اور سنیوں کے ممتاز علماء و مشائخ کو قتل کرا دیا تھا۔ علاوہ ازیں عراق کے بہت سے اہم علاقوں میں شیعی مذہب کی جڑیں بڑی گہری تھیں۔ کیونکہ عراق ہی کی سرزمین پر نجف، کربلا، سامرا، وغیرہ میں شیعوں کے عتبات مقدسہ تھے، جہاں ائمہ شیعہ کی قبریں ہیں۔ عراق میں سنیوں، شیعوں کی آبادی تقریباً برابر تھی،

دولت عثمانیہ نے اس صورت حال کو باقی رکھا۔[1]

آج کل بلاد عربیہ کو شیعیت سے جو شدید خطرہ لاحق ہے، اس خطرے کے بادل دسویں صدی ہجری کے اوائل ہی میں منڈلا رہے تھے، دولت عثمانیہ کا عالم عربی پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے صلیبی خطرہ کی طرح شیعی خطرہ سے بھی کم و بیش چار صدیوں تک عالم عربی کو محفوظ رکھا۔

سلطان سلیمان قانونی کے کارنامے

تبریز کی فتح کے بعد چھ سال تک سلیم اول زندہ رہا اور اسماعیل صفوی دس سال تک زندہ رہا لیکن ان دونوں کے دور میں دوبارہ عثمانیوں اور صفویوں میں صف آرائی کی نوبت نہیں آئی، ۹۲۶ھ م ۱۵۲۰ء میں سلیم اول کی وفات کے بعد سلیمان اعظم قانونی تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ ادھر ایران میں اسماعیل صفوی کی وفات کے بعد دولت صفویہ کی باگ ڈور ۹۳۰ھ/۱۵۲۴ء میں شاہ طہماسپ کے ہاتھوں میں آئی۔ سلطان سلیم اول نے اپنے دور میں دولت عثمانیہ کی مشرقی سرحدوں کو کافی مستحکم کر دیا تھا اس لئے سلیمان قانونی نے مسند خلافت پر آتے ہی مغربی محاذ پر پورے زور و قوت کے ساتھ جہاد کا عمل جاری کیا، کچھ ہی عرصے میں اس نے یورپ کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا۔ اس کی ترکتازیوں سے آسٹریا کی راجدھانی ویانا کی دیواریں مسمار ہوتے ہوتے رہ گئیں۔

قرطبہ کی اسلامی سلطنت کو فنا کرنے کے بعد اسپین و پرتگال کے عیسائی ایک طرف باقی ماندہ مسلمانوں کا قتل عام کر رہے تھے دوسری طرف شمالی افریقہ کی ساحلی پٹی سے مسلمانوں کو بے دخل کر کے اپنا اثر و اقتدار قائم کرنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ بحر روم سے مسلمانوں کا رہا سہا اقتدار زائل ہو جائے، شمالی افریقہ کے مسلمانوں نے سلیمان قانونی سے مدد چاہی اور شمالی افریقہ کے ساحلی علاقوں کو دولت عثمانیہ کی شامل کر دی کی درخواست کی۔ سلیمان قانونی نے اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہوئے شمالی افریقہ کے مسلمانوں کی پوری مدد کی اور صلیبی طاقتوں کے استعماری عزائم خاک میں ملا دیے، بحری بیڑے کو اتنی ترقی دی کہ بحر روم پر

---

[1] پروفیسر عبدالعزیز محمد شناوی: "الدولۃ العثمانیۃ" دولۃ اسلامیۃ مفتری علیہا جزء ۲ ص ۹۶۴ (مکتبۃ الانجلو المصریۃ)

[2] اسکی تفصیل فرانسیسی مصنف موسیو سیدیو کی تاریخ عرب شائع کردہ الناظر بک ایجنسی کے صفحات ۳۲۵ تا ۳۲۷ مطبوعہ ۱۹۸۰ء پر دیکھی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر صلاح العقاد کی کتاب المغرب العربی میں بھی اچھی تفصیل ہے۔

دولت عثمانیہ کا تسلط قائم ہو گیا۔

سلیمان قانونی کے زمانہ میں یورپ پر عثمانی افواج کا اتنا شدید دباؤ تھا کہ جب سلیمان قانونی کو ایران کے محاذ پر فوجیں بھیجنی پڑیں تو مسیحی طاقتوں کو بڑی مسرت ہوئی اور انھوں نے ایران کو اپنا نجات دہندہ سمجھا۔ براؤن لکھتا ہے: سلیمان قانونی کے وآنا فتح کرنے میں تھوڑی سی کسر رہ گئی تھی، یورپی مدبروں پر ترکی کا رعب اتنا غالب تھا اور وہ اس سے اس قدر خائف تھے کہ بس بیک (BUSECQ) نے جو شاہ فرڈی نینڈ کی طرف سے دربار سلطان سلیمان میں سفیر تھا۔ اس کے متعلق یہ الفاظ کہے تھے "صرف ایران ہی ہمیں تباہی سے بچائے ہوئے ہے، ترک تو کب کا ہم پر چڑھائی کر چکا ہوتا لیکن ایران ہی اسے روکے ہوئے ہے۔ اس کی ایران کے ساتھ یہ جنگ ہمارے لئے صرف ایک مہلت سکون کا حکم رکھتی ہے، اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہم بالکل ہی بچ جائیں گے"[1]۔

شاہ طہماسپ اور دول یورپ

شاہ طہماسپ کے دور میں دولت صفویہ کے روابط دول یورپ سے مضبوط و مستحکم ہوئے۔ ڈاکٹر محمد عبداللطیف بحراوی لکھتے ہیں: "ایران نے یورپ کے ان ممالک سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی جو دولت عثمانیہ سے برسر جنگ تھے .... شاہ طہماسپ نے شاہ ہنگری اور شاہ جرمنی سے رابطہ قائم کر کے جنگی اور دفاعی معاہدہ کرنا چاہا، برطانیہ کا پہلا سفیر انتھونی جنکنس شاہ طہماسپ کی خدمت میں حاضر ہوا[2]"۔

علی حسون لکھتے ہیں: "اسپین و پرتگال کے صلیبی جزیرۃ العرب کے جنوبی سواحل اور مقامات مقدسہ کے لئے خطرہ بنے ہوئے تھے۔ ۹۲۱ھ میں عدن و عمان پر پرتگیزوں کا قبضہ اس بات کا قوی محرک ثابت ہوا۔ کہ عثمانی افواج ان اسلامی ممالک کا رخ کریں اور انھیں دولت عثمانیہ میں شامل کر لیں، تاکہ پرتگالی سامراج کے چنگل سے ان علاقوں کو محفوظ رکھا جا سکے۔ خصوصاً اس لئے کہ اندلس سے مسلمانوں کو بے دخل کرنے میں پرتگالیوں کا اہم کردار رہا ہے۔ ادھر ایران و عراق کے صفوی فرمانرواؤں اور پرتگالی سامراج کے درمیان بہترین تعلقات استوار ہو چکے تھے"[3]۔

---

[1] براؤن: تاریخ ادبیات ایران در عہد جدید ص۱۸ [2] محمد عبداللطیف بحراوی، فتح العثمانیین عدن ص۱۱۵ [3] ڈاکٹر علی حسون: تاریخ الدولۃ

یادِ رفتگان

ایک عظیم محدث ایک مثالی شخصیت

مولانا حکیم محمد ایوب سہارنپوری رحؒ

از ——— مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی

حضرت مولانا حکیم محمد ایوب صاحب کی سانحۂ وفات کی اطلاع مجھے ان کے صاحبزادے جناب مولانا محمد عاقل صاحب صدر مدرس مظاہر علوم سہارن پور کے خط سے ہوئی، حضرت حکیم صاحب سے اس عاجز کا نیازمندانہ تعلق تھا، الفرقان میں ان کے بارے میں کچھ لکھنا میرے لئے ضروری تھا، میں نے مولانا محمد عاقل صاحب سے حکیم صاحب کے حالات کے بارے میں بعض چیزیں دریافت کیں، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، انھوں نے مجھے وہ معلومات فراہم کر دیئے، لیکن ان دنوں مسلسل طبیعت ناساز رہی۔ اس کے علاوہ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ حکیم صاحب پر جیسا لکھنا چاہیئے میں اپنے موجودہ حال میں غالباً ویسا نہیں لکھ سکوں گا عزیز مکرم مولوی نور الحسن راشد کاندھلوی زیدت معالیہ سے فرمائش کی کہ وہ میری طرف سے یہ کام انجام دے دیں اور مولانا محمد عاقل صاحب سے جو معلومات فراہم ہوئے تھے وہ بھی انھیں بھیجدیئے انھوں نے جو مضمون لکھ کر بھیجا وہ ذیل میں بعینہٖ شائع کیا جا رہا ہے، یہ واقعہ ہے کہ میں خود اگر لکھتا تو ہرگز ایسا نہ لکھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے انھوں نے واقعتہً حکیم صاحب کے تعارف کا حق ادا کر دیا ہے۔

محمد منظور نعمانی

مولانا حکیم محمد ایوب سہارنپور کے ایک قدیم خانوادۂ سادات کے چشم و چراغ تھے، یہ خاندان بعض روایات کے مطابق شاہجہاں کے عہد میں بخارا سے ہندوستان آیا اور سہارن پور میں مقیم ہوا،

اس خاندان کا علم اور علماء سے رشتہ پرانا ہے خصوصاً حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت حاجی امداد اللہؒ سے بہت گہرا ربط اور قریبی روابط رہے ہیں اور اس خاندان کے بعض بزرگوں مثلاً مولانا حکیم مغیث الدین اور مولوی حکیم محمد حسینؒ کو حضرت سید صاحب سے اجازت بیعت حاصل تھی۔ اسی گھرانے میں جو علم و معرفت کے چشموں سے فیضیاب تھا تقریباً ۱۳۱۸ھ میں حکیم محمد ایوب کی ولادت ہوئی۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے:

"محمد ایوب بن مولوی حکیم محمد یعقوب بن احمد حسین بن سید ابوالحسن بن حافظ امام بخش فقیہ بن حافظ محمد حسین بن سید نور الدین بن سید شاہ عالم بن سید ولی محمدؒ۔"

آٹھ سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا، اس کے بعد ۱۳۲۶ھ میں مدرسہ مظاہر علوم میں داخل کئے گئے اور فارسی کی ابتدائی کتابوں کی تعلیم شروع کی ۱۳۳۳ھ تک مدرسہ میں پڑھتے رہے ۱۳۳۴ھ میں مدرسہ ضابطہ کا تعلق ترک کر کے حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مولانا کی نگرانی و تربیت میں انکے خاص اصول اور نصاب تعلیم کے مطابق تعلیم کا سلسلہ شروع کیا مگر ابھی مولانا سے استفادہ کا زیادہ موقع نہ مل سکا تھا کہ مولانا ۱۳۳۴ھ میں رحلت فرما گئے، مولانا محمد یحییٰ کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد الیاس اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سے شرف تلمذ استوار ہوا اور مشکوٰۃ تک تمام درسی کتابیں ان کی نگرانی میں مکمل کیں ۱۳۳۶ھ میں مظاہر علوم میں دوبارہ داخلہ لیا اور ۱۳۳۸ھ تک فقہ ادب اور طب کی کتابیں پڑھتے رہے ۱۳۳۹ھ میں صحاح ستہ (دورۂ حدیث) کی تکمیل ہوئی اور حضرت مولانا خلیل احمد سے شرف تلمذ حاصل ہوا ۱۳۴۰ھ میں تفسیر بیضاوی، تفسیر مدارک، ہدایہ اخیرین وغیرہ پڑھیں اور درس نظامیہ کا منتہیانہ نصاب مکمل کیا۔

دینیات کے بعد طب کی تعلیم پوری کرنے کا خیال ہوا جو حکیم ایوب کے اہل خاندان کا آبائی قدیم مشغلہ اور اس زمانہ میں ایک معزز ذریعہ معاش تھا، مظاہر علوم کے ایام تعلیم میں طب پڑھنے کی ابتداء ہو چکی تھی۔ سدیدی اور اقصرائی وغیرہ پڑھ چکے تھے۔ مظاہر علوم سے اجازت و سند حاصل کرنیکے بعد تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں داخلہ لیا اور طب یونانی کا نصاب پورا کیا اور سند پائی اور وطن واپس آکر سہارنپور میں مطب میں مصروف ہو گئے۔ ممکن تھا کہ طب سے خاندانی شغف اور آبائی دواخانہ کی نگہداشت ذریعہ میں تمام اوقات بسر ہوتے مگر توفیق الٰہی نے دستگیری فرمائی اور حکیم صاحب نے علمی مشغولیات کے بالکل ابتدائی زمانہ سے ہی اپنے اوقات کا ایک حصہ مطالعہ حدیث اور خصوصاً حضرت

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے ایماء و مشورہ پر شرح معانی الآثار طحاوی کی تصحیح و تحقیق کے لئے وقف کر دیا اور پھر رفتہ رفتہ اس میں اس قدر انہماک اور مصروفیت ہوئی کہ یہی کام اصل ذوق اور اوقات کا بہترین مصرف قرار پایا، جس کے نتیجہ میں شرح معانی الآثار کی تصحیح اور تحقیق کی وہ عدیم المثال خدمت سرانجام پائی جو ایک عرصہ سے علمائے احناف کے ذمہ قرض چلی آرہی تھی۔

حکیم صاحب حضرت مولانا خلیل احمد سے بیعت ہوئے اور سلوک و تربیت کے ابتدائی مراحل طے کئے، حضرت سہارنپوری کی وفات کے بعد اولاً حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے اور پھر حضرت شیخ الحدیث سے رجوع ہوئے، آخر میں حضرت تھانوی کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا محمد اسعد اللہ رام پوری سے مجاز ہوئے۔

حکیم صاحب کو انتظامی معاملات اور تعمیرات کے فن سے خاص مناسبت تھی غالباً ان ہی خصوصیات کی بنا پر ۱۳۷۱ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی مجلس سرپرستان کے رکن قرار پائے، اور تقریباً تیس سال تک اہل مدرسہ کے مشیر اور انتظامی تعمیری معاملات میں دخیل رہے اور خوش اسلوبی کے ساتھ متعلقہ خدمات سرانجام دیتے رہے اور اہل مدرسہ نیز اہل الرائے لوگوں کی تصویب و تحسین سے شاد کام ہوئے، لیکن شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی وفات کے بعد جب مظاہر علوم میں بعض منازعات رونما ہوئے اور ناخوشگوار واقعات پیش آئے تو حکیم صاحب مجلس سرپرستان کی رکنیت سے سبکدوش ہو گئے اور اس کے بعد سے رفتہ رفتہ اور دنیاوی علائق بھی کم کرتے گئے، مطب صاحبزادگان کے حوالہ فرما دیا اور اپنے تمام اوقات عبادات و طاعات میں صرف کئے، اور اسی گوشہ نشینی اور یکسوئی کے عالم میں طویل علالت کے بعد ۲۷ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ۳۰ دسمبر ۱۹۸۶ء کو منگل کے دن وفات پائی۔ رحمہ اللہ رحمۃ الابرار الصالحین

حکیم صاحب نے اپنے اوقات کچھ اس طرح مرتب اور تقسیم کر رکھے تھے کہ صبح سے شام تک مختلف النوع مشاغل جاری رہتے کثرت کار اور اختلاف امور کے باوجود سب اپنے اپنے وقت پر پورے ہوتے تھے۔ مطب کی مصروفیات خدمت حدیث میں حارج نہیں تھیں انتظامی مشاغل بھی معمولات اور اوراد و وظائف کی تکمیل میں رکاوٹ نہیں بنے، بچوں کی تعلیم و تربیت اور گھریلو امور کی نگہداشت مدرسہ کے کاموں پر اثر انداز نہیں تھیں۔ اور تصنیف و تالیف اور مطالعہ د

تعلیق سے مطب کی کارگزاری متاثر نہیں ہوئی، تمام امور اپنے اپنے اوقات پر پابندی سے سرانجام پاتے رہے، اور ان سب کے ساتھ ایک اہم کام جو خاصے دقت اور توجہ کا طلب گار ہوتا ہے روزانہ کی مفصل یادداشت اور روزنامچہ کی تحریر و ترتیب تھی جس میں اپنے، مدرسے کے، اہل شہر کے اور مختلف قسم کے واقعات تفصیل سے لکھے جاتے تھے، برہا برس سے اس روزنامچہ کی تحریر و کتابت کا سلسلہ تھا جو غالباً آخری ایام تک جاری رہا۔

حکیم صاحب موصوف کو سہارن پور اور نواح سہارنپور میں ایک باکمال حاذق طبیب کی حیثیت سے جانا جاتا تھا، اور حضرت شیخ سے محبت و تعلق رکھنے والے ان کو حضرت کے ایک عزیز کی حیثیت سے اور کچھ افراد سرپرست مدرسہ مظاہر کے عنوان سے جانتے تھے مگر واقعہ یہ ہے کہ ایسے حضرات بہت کم ہیں جو ان کی اصل خصوصیت و کمال اور خادم حدیث نبوی کی حیثیت سے پہچانتے ہوں، وہ ایک جید عالم، فن حدیث کے محقق و مبصر اور خصوصاً رجال میں مرجع و سند کی حیثیت رکھتے تھے، مگر یہ ایک تقدیری بات ہے کہ ان کی زندگی میں ان سے بہت کم لوگوں نے استفادہ کیا اور ان کو وہ شہرت و ناموری حاصل نہ ہوئی جس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے، مگر امید ہے کہ اب ان کے علمی کارنامے خصوصاً معانی الآثار کی تصحیح و تعلیق ان کی زندۂ جاوید سدابہار یادگار بن کر باقی رہے گی اور ہمیشہ خادمان حدیث کے مشام جان کو معطر و مشکبار کرتے رہیں گے اور اپنے مؤلف کے لئے رحمت و مغفرت کی دستاویز اور نجات و سلامتی کا پروانہ ثابت ہوگی اور امید ہے کہ حکیم صاحب خود کو نامور علماء و محدثین کے جلو میں دیکھ رہے ہوں گے اور ان کی جانب سے اس علمی خدمت پر خوشنودی اور مبارک سلامت کی سوغات پا رہے ہوں گے۔

حکیم صاحب کی تصنیفات تین طرح کی ہیں۔

اول جو معانی الآثار کی تصحیح و تحقیق اور اس کے متعلق تنقیدی مباحث پر مشتمل ہیں۔

دوم، جو رجال حدیث کی تحقیق خصوصاً حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی تصنیفات، تہذیب التہذیب اور تقریب التہذیب نیز خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال کے اغلاط و اوہام کی نشاندہی کرتی ہیں۔

سوم، جو اوراد و وظائف یا طب وغیرہ علوم پر مشتمل ہیں۔
قسم اول کے تحت تصحیح الاغلاط الکتابیۃ الواقع فی نسخ الطحاویۃ۔ حواشی شرح معانی الآثار۔ تراجم الاحبار من رجال معانی الآثار اور الفتح (الس. دی) فی تحقیق مولد الطحاوی کا ذکر ہوگا۔
قسم ثانی کی تصنیفات میں تصویب التقلیب الواقع فی تہذیب التہذیب اور تصحیح و تعلیق بر تقریب التہذیب وخلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال کا ذکر ہوگا۔
اور قسم ثالث کی تالیفات میں ترجمۃ الحزب الاعظم اور بعض طبی بیاضوں کا نام شامل ہے۔
شرح معانی الآثار طحاوی کی جلالت شان اور خصوصاً علمائے احناف کے لئے اس کی اہمیت محتاج تعارف نہیں، یہ کتاب گذشتہ سو سال سے ہندوستان کے درسی علمی حلقوں میں معروف و متداول ہے اور مختلف مطابع سے مختصر حواشی و تعلیقات کے ساتھ شائع ہوتی رہی ہے، مگر درحقیقت اس کا متن اس قدر غلط اور سند کے رجال و رواۃ کی تعیین میں اس قدر اوہام و اغلاط تھے کہ اکثر روایتوں کی صورت کچھ سے کچھ ہو گئی تھی۔ اس غلط در غلط متن سے استفادہ دشوار اور اس کے دلائل پر اعتماد مشکل ہو گیا تھا، محدثین احناف کی خواہش تھی کہ اس کتاب کی تصحیح و تحقیق ہو اور یہ کتاب اپنی اصل شکل و صورت میں نمودار ہو۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت مولانا محمد یحیٰی کاندھلوی نے توجہ فرمائی اور طحاوی پر کچھ لکھنا شروع کیا، اور اس سلسلہ میں اپنے منصوبہ کا اعلان بھی کر دیا، اور اسی زمانہ میں معانی الآثار کی اردو میں شرح لکھنے کی خدمت حضرت مولانا محمد الیاس کے سپرد فرمائی۔ حضرت مولانا نے بھی کام کا آغاز کر دیا تھا اور اردو شرح کا کچھ حصہ مرتب فرما لیا تھا مگر مولانا محمد یحیٰی کی اچانک وفات کی وجہ سے یہ دونوں منصوبے ناتمام اور تشنۂ اشاعت رہے۔ مولانا محمد یحیٰی کی وفات کے بعد شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نے اس کام کو آگے بڑھانا چاہا مگر اوجز المسالک کی تصنیفی مشغولی اور بعد میں گوناگوں مصروفیات کے سبب اس کا موقع نہ آسکا تو حضرت شیخ نے مولانا حکیم محمد ایوب گجراتی کو جو ان کے اور ان کے والد ماجد کے شاگرد تھے۔ معانی الآثار کی تصحیح اور تحقیق رجال کی طرف متوجہ فرمایا، اور اس خدمت کے لئے مامور کیا اور قدم قدم پر حکیم صاحب کی مدد و معاونت فرماتے رہے۔
حکیم صاحب نے متن معانی الآثار کی تصحیح اور رجال معانی الآثار کی تحقیق و تنقید کا سلسلہ بیک وقت

شروع کیا، اس عظیم علمی منصوبہ کا ۱۳۴۱ھ میں آغاز ہوا اور تقریباً اٹھاون سال بعد ۱۳۹۸ھ میں دو کتابوں اور متعدد جلدوں میں یہ کام مکمل ہوا۔ دونوں کا نسبتہً تفصیلی تعارف درج ذیل ہے:

تصحیح الاغلاط الکتابیۃ الواقعۃ فی نسخ الطحاویۃ۔ یہ کتاب معانی الآثار کے ہندوستان میں معروف مطبوعہ نسخوں کی اغلاط کی بہت مفصل فہرست یا اشاریہ (INDEX) ہے جس میں مطبوعہ نسخوں کے ایک ایک صفحہ کی ہر ہر سطر کی تمام اغلاط بقید صفحہ و سطر درج ہیں، اور ہر موقع پر صحیح عبارت کی نشاندہی کی گئی ہے، جس کے بعد معانی الآثار کے صحیح متن تک رسائی ممکن ہوئی، اور امید ہے کہ طحاوی کے آئندہ تمام نسخوں کی تحقیق و ترتیب کے وقت اس فہرست سے استفادہ کیا جائے گا۔

تصحیح الاغلاط الکتابیہ دو جلدوں پر مشتمل ہے، اور اصل طحاوی کے جہازی سائز کے پونے دو سو صفحات پر مشتمل ہے جس میں تقریباً دو ہزار غلطیوں کی تصحیح کی گئی ہے اور دلائل کی روشنی میں صحیح لفظ کی وضاحت کی گئی ہے۔ پہلی جلد ۱۳۶۹ھ میں چھپی، اور دوسری جلد ۱۳۸۵ھ میں نکلی۔ اس کتاب کا علمی حلقوں میں شایان شان استقبال ہوا، برصغیر ہند و پاکستان کے محدثین کرام اور جلیل القدر علماء نے اس کی بے حد پذیرائی کی، تحسین و تصویب سے نوازا، اور اس میں جو کاوش اور دیدہ ریزی کی گئی ہے۔ اس پر صدائے آفریں بلند کیں۔ محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ العالی نے اس پر مفصل تبصرہ لکھا جو الفرقان میں شائع ہوا، نیز حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی، اور مولانا بدر عالم میرٹھی مؤلف ترجمان السنۃ وغیرہ متعدد علماء نے اس گراں مایہ تحفہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اور کہا:

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

مولانا بدر عالم نے طحاوی سے غایت تعلق اور حکیم صاحب کی اس خدمت پر انتہائی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے غایت شوق میں یہاں تک فرمایا کہ اگر اس کتاب کی دوسری جلد میری زندگی میں شائع نہ ہو سکے میری وفات کے بعد چھپے تو میری قبر پر آکر خوشخبری سنا دینا۔

(۲) تراجم الاحبار من رجال معانی الآثار: معانی الآثار کی صحیح تدوین اس کی استنادی حیثیت اور فقہ حنفی کے مآخذ و مستدلات میں اس کا صحیح مقام متعین کرنے کے لئے ضروری تھا کہ حدیث کے روات

اور رجال سند کا مفصل جائزہ لیا جائے، ان کے ضبط و اتقان اور جرح و تعدیل کے متعلق ائمہ فن کی آراء معلوم ہوں، ان کے اساتذہ و تلامذہ کی تفصیل نظر میں ہو اور طحاوی کی روایات کا حدیث کی کتابوں کی انجمن میں صحیح مقام متعین کیا جا سکے اور اس کی اہمیت واضح ہو، اس مقصد کی تکمیل کے لئے حکیم محمد ایوب مرحوم نے تراجم الاحبار پر کام شروع کیا اور برسوں کی سخت محنت و جستجو اور طویل ریاض و مطالعہ کے بعد رجال معانی الآثار پر زیر تعارف کتاب مرتب و مکمل کی۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ رجال حدیث کا فن کس قدر وسیع نازک اور نہایت دشوار و صبر آزما فن ہے، اس میں ایک ایک شخص سے متعلق صحیح معلومات و تعارف کے لئے کیسے کیسے مشکل مراحل سے گذرنا ہوتا ہے، ایک ایک نام کے سیکڑوں افراد ہیں اور پھر ان میں سے بعض کے خاندان، آبائی نسبتوں، القاب و کنیتوں اور علاقائی تعارفی لاحقوں میں اس قدر مشابہت و مماثلت ہوتی ہے کہ متعلقہ راوی کے صحیح نام و نسب کی تعیین اور اس کے مالہ و ماعلیہ کی دریافت میں دانتوں پسینہ آجاتا ہے، اس کتاب کی تالیف کے دوران مؤلف تراجم الاحبار بارہا ان حوصلہ شکن مراحل سے گذرے ہوں گے، عاجز آکر قلم رکھ رکھ دیا ہوگا، مگر خدمت حدیث کی امنگ نے پھر نیا حوصلہ بخشا ہوگا اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نے کس طرح حوصلہ افزائی اور تعاون فرمایا ہوگا، اور ایسے واقعات نجانے کتنی بار پیش آئے ہوں گے تب کہیں تراجم الاحبار وجود میں آئی ہوگی۔ مؤلف کی دقت نظر اور موضوع کی نزاکت کا اس سے بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بائیس سو صفحات کی کتاب کی ترتیب و تالیف تقریباً ستاون سال میں مکمل ہوئی۔

تراجم الاحبار کا پہلا ایڈیشن جو چار جلدوں پر مشتمل ہے، سہارن پور سے شائع ہوا ہے۔ ایک اور عمدہ ایڈیشن کی پاکستان میں اشاعت متوقع ہے۔

(۳) حواشی معانی الآثار، اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ معانی الآثار کا متن اور سند دونوں اغلاط سے پُر تھیں۔ تصحیح اغلاط الکتابیہ کے ذریعہ معانی الآثار کے اغلاط کا پردہ فاش ہوا اور صحیح متن کی جانب رہنمائی ہوئی اور تراجم الاحبار سے اس کی سند اور رجال کی تحقیق و تعیین ممکن ہوئی اس کے بعد ضرورت تھی کہ ان تمام تحقیقات کی روشنی میں معانی الآثار کا ایک نیا اور مکمل نسخہ مرتب اور شائع ہو، توفیق الٰہی شامل حال ہوئی اور یہ ہفت خواں بھی خود حکیم صاحب کے ذریعہ طے ہوا،

حکیم صاحب نے اس موضوع پر اپنے تمام مطالعہ وتحقیقات کا عطر کشید کر کے معانی الآثار کا نیا قالب تیار کیا، متن وسند کی تحقیق وتصحیح، روایات کی تخریج اور علامہ طحاوی کی اصطلاح وقال قوم آخرون کے مشار الیہ کی تعیین کی اور معانی الآثار کے حل مطالب اور متعلقات کتاب کی گرہ کشائی کی کوشش کی گئی ہے۔ اس نسخہ کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ طحاوی کا ایک ایسا صحیح نسخہ وجود میں آگیا ہے جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ معانی الآثار کے اس نسخہ کی پہلی جلد عمدہ کتابت وطباعت کے ساتھ مکتبہ امدادیہ ملتان سے شائع ہو چکی ہے۔ دوسری زیر طباعت ہے۔

(۴) الفتح السماوی فی مولد الطحاوی: امام طحاوی (احمد بن محمد بن سلامہ متوفی ۳۲۱ھ) کے متعلق ایک مشہور روایت یہ ہے کہ وہ ۲۲۹ھ میں تولد ہوئے مگر یہ روایت درست نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ ان کی ولادت ۲۳۹ھ میں ہوئی۔ حکیم صاحب نے زیر تعارف رسالہ میں مؤخر الذکر روایت کو اہل سیر وتاریخ کے اقوال کی روشنی میں آئینہ کیا ہے، یہ رسالہ اردو میں ہے اور شائع نہیں ہوا مگر اس کا عربی خلاصہ معانی الآثار مطبوعہ ملتان میں شامل ہے۔

(۵) تصویب التقلیب الواقع فی تہذیب التہذیب: رجال طحاوی کی تالیف کے دوران حکیم محمد ایوب صاحب کو حافظ ابن حجر عسقلانی کی تہذیب التہذیب سے بار بار رجوع اور استفادہ کی ضرورت پیش آتی تھی، اسی وقت تہذیب التہذیب کی بعض فروگذاشتیں معلوم ہوئیں حکیم صاحب نے ایسے تمام مقامات کی تحقیق کی اور مطالعہ وجستجو کے بعد تہذیب التہذیب کے حواشی پر اس کی تصحیح کرتے رہے، رفتہ رفتہ اس قسم کے حواشی کا ایک خاصا ذخیرہ ہوگیا تو ان تمام حواشی کو یک جا کر کے تصویب التقلیب کے نام سے مرتب کر لیا۔ یہ کتاب سہارن پور سے شائع ہو چکی ہے۔ اور دنیائے اسلام کے نامور عالم ومحقق شیخ عبد الفتاح ابوغدہ اس کو اضافات وتعلیقات کے ساتھ مرتب کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ یہ نسخہ شائع ہوگا تو ہندوستانی علماء کی کلاہ افتخار میں ایک اور کلغی کا اضافہ ہوگا۔

(۶) تصحیح اغلاط تقریب التہذیب خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال:

تہذیب التہذیب کی طرح حافظ ابن حجر کی ایک اور معروف تصنیف تقریب التہذیب میں بھی بعض فروگذاشتیں جگہ پا گئی ہیں۔ حکیم صاحب نے ان کی صحت وتحقیق پر بھی توجہ کی اور تذہیب تہذیب الکمال

بھی استدراک و حواشی لکھے، یہ کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔

(۷) ترجمہ حزب الاعظم: حزب الاعظم دعاؤں کی ایک مشہور کتاب ہے، حکیم صاحب نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی تعمیل ارشاد میں اس کا اردو ترجمہ کیا تھا جو مکمل مگر ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔

(۸) طبی بیاضیں: طب اور معالجات حکیم صاحب کا آبائی مشغلہ اور ذریعہ معاش تھا، حکیم صاحب نے ان بیاضوں میں اپنے اور اپنے بزرگوں کے اہم نسخے اور مجربات نقل اور جمع کئے ہیں، اور اپنے بعض معرکۃ الآرا طبی کارناموں کی تفصیلات بھی قلمبند کی ہیں۔ یہ تمام بیاضیں بھی اشاعت سے محروم ہیں ـــــ ممکن ہے مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ بھی حکیم صاحب کی کچھ اور تصنیفات ہوں۔ مگر راقم سطور کو ان کا علم نہیں۔

مولانا اصغر حسین گیاوی علیہ الرحمۃ

از محمد منظور نعمانی

اس سیہ کار بندہ پر اس کے رب کریم کے عظیم انعامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بہت سے مخلص بندے جن کو یہ عاجز مومنین صالحین میں سے جانتا ہے ایسا حسن ظن رکھتے اور ایسی للہی محبت کرتے ہیں جس کا فی الحقیقت یہ بندہ کسی طرح مستحق نہیں، انہی محبین فی اللہ میں سے ایک شہر گیا (صوبہ بہار) کے مولانا اصغر حسین علیہ الرحمہ بھی تھے، اب سے قریباً ۲۵ سال پہلے جبکہ یہ عاجز اس دینی دعوت کے سلسلہ میں جو تبلیغ کے نام سے معروف ہے جماعتوں کے ساتھ دورے کرتا تھا کلکتہ کے قریب ایک بستی مگرا ہاٹ میں اس دینی دعوت کے سلسلہ کا اجتماع ہوا تھا، راقم سطور بھی اس میں شریک تھا، وہاں سے میرے بارے میں ایک جماعت کے ساتھ صوبہ بہار کے بعض علاقوں کا دورہ کرنا طے ہوا، اس جماعت کے ایک رفیق یہ مولانا اصغر حسین صاحب بھی تھے، جہاں تک یاد آتا ہے اس سے پہلے ان سے کوئی تعارف نہیں تھا، یہ مظاہر علوم سہارنپور کے ذی استعداد فاضل تھے (اب سے نصف صدی پہلے کے اکابر اساتذۂ مظاہر علوم حضرت حافظ عبد اللطیف صاحب، حضرت مولانا عبد الرحمٰن کاملپوری، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا وغیرہم سے شرف تلمذ حاصل تھا) بہت تھوڑے وقت بس چند روز کے لئے جماعت کے ساتھ چلنے پر آمادہ ہوئے تھے، لیکن دو ہی چار دن ساتھ رہ کر دعوت کے کام سے اور اس عاجز سے ایسا انس ہوا کہ اس پورے سفر میں ساتھ رہے اور اس عاجز کے ساتھ لکھنؤ آگئے ـــ یہ تعلق کا آغاز تھا، اس کے بعد اس دینی دعوت کے سلسلہ کے سفروں میں تو غالباً دو چار ہی دفعہ ساتھ ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اس سیہ کار کی ایسی محبت ڈال دی جس کی مثالیں کم ہی دیکھی ہیں، راقم حروف ہی کے مشورہ سے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ سے بیعت ہوگئے تھے

میں چونکہ انکو علمائے صالحین اور عباد مقبولین میں سے سمجھتا تھا اس لیے ان کی اس للّٰہی محبت کو اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت جانتا تھا ــــ معاش کا ذریعہ کپڑے کی دوکان تھی، عمر ۷۰ سال سے اوپر ہی ہوگی، ادھر کئی سال سے دوکان لڑکوں کے حوالے کر کے خود کو خالص دینی کاموں اور سفر آخرت کی تیاری کے لئے فارغ کر لیا تھا۔ ایک دو دفعہ ہارٹ اٹیک بھی ہوا تھا خطوط سے معلوم ہوتا تھا کہ بہت ضعیف ہو گئے ہیں۔ کل ۲۸ شعبان کو ان کے بڑے صاحبزادے اختر حسین کا ۲۳ شعبان کا لکھا ہوا خط ملا جس میں انھوں نے مولانا کے حادثہ رحلت کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> والد صاحب حسب معمول عشا کی نماز مسجد میں ادا کر کے گھر تشریف لائے کھانا تناول فرمایا، رات میں ۱۲ ½ بجے قلب پر دورہ پڑا اور تھوڑی ہی دیر میں کلمہ طیبہ اور درود شریف پڑھتے ہوئے ہم سبھوں کو غموں کے اتھاہ سمندر میں ڈال کر اپنے مالک حقیقی کے پاس جا پہونچے ــــ انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ خبر سن کر ایک نہایت مخلص دوست اور اللہ کیلئے محبت کرنے والے ایک ساتھی کی جدائی کا جو طبعی صدمہ ہونا چاہئے تھا وہ ہوا اور اتنا ہوا کہ اس کے اظہار کے لئے اس عاجز کے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ لیکن الحمد للہ کہ دل و دماغ اس بات سے بہت مطمئن ہے کہ انشاء اللہ وہ اب وہیں ہوں گے جہاں کی تیاری میں عمر گذری تھی، اور اس سے بہتر حال میں ہوں گے جسکا انھیں اشتیاق تھا ــــ اس عاجز کو بھی عنقریب اسی مرحلہ سے گذرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی بھی مدد فرمائے اور جانے والوں کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ فرمائے

مولانا حفیظ الرحمٰن واصف دہلوی الیٰ رحمۃ اللہ

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کے صاحبزادے مولانا حفیظ الرحمٰن واصف صاحب بھی گذشتہ ماہ شعبان میں انتقال کر گئے، مولانا مرحوم گوناگوں کمالات کے حامل تھے، علوم دینیہ سے لیکر اردو ادب تک پر انکی گہری نظر تھی، خطاطی اور املاء کے فنی ماہر تھے۔ لیکن اپنی مخصوص افتاد طبع کی وجہ سے ان کی باکمال شخصیت صحیح طور پہ پہچانی نہ گئی۔ موجودہ زمانہ میں اجتماعی کاموں میں جو اندرونی خرابیاں ہیں ان کی وجہ سے انھوں نے ہمیشہ اپنے کو الگ تھلگ رکھا اور یہ بہت قابل تقلید بات ہے کہ اتنے عظیم والد کے فرزند ہونے کے باوجود انھوں نے کہیں خود کو نمایاں مقام دینے کی کوشش نہیں کی ــــ اس عاجز سے بہت گہرا اور مخلصانہ تعلق رکھتے تھے۔ اور یہ عاجز یہ محسوس کرتا تھا کہ مفتی صاحبؒ کی مزاجی خصوصیات انھیں ورثہ میں ملی ہیں۔ ان کی بہت بڑی دینی و علمی خدمت یہ ہے کہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ کے فتاویٰ جو مختلف رسائل و اخبارات اور رجسٹروں میں منتشر تھے انھوں نے انھیں نہایت سلیقہ سے مدون و مرتب فرما کر کفایت المفتی کے نام سے ۹ جلدوں میں شائع کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ ان تینوں حضرات کے ساتھ خصوصی رحمت و مغفرت کا معاملہ فرمائے، اور اعلیٰ درجات سے نوازے، یہ عاجز بھی اپنے قارئین سے ان تینوں حضرات کیلئے دعاء مغفرت اور ایصال ثواب کے اہتمام کی گذارش کرتا ہے۔

ہماری مطبوعات ایک نظر میں

از: مولانا محمد منظور نعمانی

اسلام کیا ہے عام ایڈیشن -/8 اعلیٰ -/10
دین و شریعت -/15
قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟ -/25
معارف الحدیث مکمل مجلد، جلدیں -/250
تذکرہ مجدد الف ثانیؒ -/25
ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ -/15
شیخ محمد بن عبد الوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ 8/50
تصوف کیا ہے؟ -/10
کلمہ طیبہ کی حقیقت 3/50
نماز کی حقیقت مجلد -/8
برکات رمضان 4/50
نماز اور خطبہ کی زبان 3/50
آپ حج کیسے کریں؟ 10/50
آسان حج 3/50
منتخب تقریریں -/18
آپ کون ہیں کیا ہیں اور آپ کی منزل کیا ہے -/3
میری طالب علمی -/1
قرب الٰہی کے دو راستے -/2
مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت -/15
تبلیغی جماعت جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات -/6
بوارق الغیب -/22
فیصلہ کن مناظرہ -/4
شاہ اسماعیل شہید اور معاندین اہل بدعت کے الزامات -/5
عقیدہ علم غیب قرآن حدیث اور ارشادات صحابہ کی روشنی میں -/3
قادیانی کیوں مسلمان نہیں -/8
قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ 2/50
کفر و اسلام کی حدود اور قادیانیت 2/50
مسئلہ حیات النبی کی حقیقت -/3
ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت
اردو -/20 انگریزی -/30

دیگر مصنفین کرام کی گرانقدر تصانیف

از۔ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی
تجلیات ربانی تلخیص و ترجمہ مکتوبات مجدد الف ثانی
مکمل ۲ حصے -/45
مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ -/20
تذکرہ خواجہ باقی باللہ مع خلفاء و صاحبزادگان -/12
تذکرہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ -/4
وصایا شیخ شہاب الدین سہروردی -/2

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

صحبتے با اہل دل (نیا عکسی ایڈیشن) -/28
تبلیغ دین کے لئے ایک اہم اصول 1/50
تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ
الفرقان کا حضرت جی نمبر } -/14
تذکرہ شیخ الحدیث (الفرقان کا شیخ نمبر دوم) -/16
تاریخ میلاد (مولانا حکیم عبد الشکور مرزاپوری) -/12
دربار نبوت کی حاضری (مولانا مناظر احسن گیلانیؒ) -/5
بریلوی فتنہ کا نیا روپ (مولانا محمد عارف سنبھلی) -/13
انقلاب ایران اور اس کی اسلامیت۔ مولانا عتیق الرحمن سنبھلی
-/8
رہنمائے تلاوت (سید محمود حسن ایڈوکیٹ) -/12
انیس نسواں (بیگم سید اصغر حسین) -/4
قرآنی علاج (مولانا اشرف علی تھانوی) 2/50
معمولات یومیہ (حضرت ڈاکٹر عبد الحی) 1/50
صبح و شام کی دعائیں (مولانا عبد الغفور عباسی) -/2
احکام نماز (نماز کی ۲۰ احادیث کا مجموعہ) -/1

الفرقان بکڈپو

(۳۱ - نیا گاؤں مغربی)
نظیر آباد — لکھنؤ 226018

ALFURQAN MONTHLY
31 NAYA GAON WEST
LUCKNOW-226 018 (INDIA)

Regd.No.LW/NP-62
Vol. 55 No.4, 5
April- 1987
MAY

سرپرست:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

مدیر:

خلیل الرحمن سجاد ندوی

Rs. 3/

اگر آپ نے اب تک نہ پڑھی ہو تو ضرور پڑھیے اور دوسروں کو ترغیب دیجیے
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی عظیم اور مقبول تصنیف
ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت
★ اس کتاب کا انداز جارحانہ اور اس کا مقصد بحث و مناظرہ نہیں بلکہ ان تینوں موضوعات کے بارے میں بنیادی حقائق کی بے کم و کاست وضاحت ہے۔
★ اس کتاب میں جو کچھ کہا گیا ہے۔ خود خمینی صاحب کی تصانیف اور ان کی مسلمہ شیعہ مذہب کی مستند ترین کتابوں کے حوالوں سے کہا گیا ہے۔
★ پوری دنیا میں اس کتاب کے لاکھوں نسخے پہونچ چکے ہیں۔
★ خمینی صاحب کے حامی حلقوں اور شیعیت کی دنیا میں تہلکہ مچا دینے والی امت کو بہت بڑے فریب اور دین کو خطرناک تحریف سے محفوظ کرنے والی۔
یہ کتاب اب انگریزی میں بھی تیار ہے
(عربی، فارسی اور فرانسیسی ایڈیشن بھی عنقریب شائع ہونے والے ہیں)
قیمت اردو ایڈیشن ۲۰/-
قیمت انگریزی ایڈیشن ۳۰/-
منیجر الفرقان بکڈپو، ۳۱ نیا گاؤں مغربی نظیر آباد، لکھنؤ
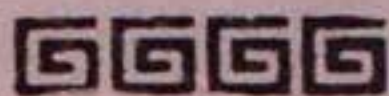
جلد — ۵۵ ، شمارہ ۶

جون ۱۹۸۷ء
مطابق
شوال المکرم ۱۴۰۷ھ

فی شمارہ (-/۳)
سالانہ چندہ
برائے ہندوستان -/۳۰ پاکستان -/۴۰
برائے بیرونی ممالک
بحری ڈاک -/۵۵ (-/5 پونڈ)
ہوائی ڈاک -/۱۶۰ (-/10 پونڈ)

اگر اس دائرہ ◯ میں سرخ نشان

ہے تو اس کا مطلب یہ کہ آپکی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا اطلاع مہینے کے آخر تک موصول نہ ہونے کی صورت میں اگلا شمارہ بصیغہ وی پی روانہ ہوگا

خط و کتابت یا ترسیل کا پتہ

دفتر:- ماہنامہ "الفرقان"
۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ
پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:
ادارہ اصلاح و تبلیغ، آسٹریلین بلڈنگ لاہور

محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی۔ لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہ اولیں

مدیر

یہ دنیا مسلسل تبدیلیوں اور پیہم انقلابات کا نام ہے۔ اس کارخانۂ عالم میں کسی شئے کو ثبات و دوام نہیں۔ افراد کا معاملہ ہو یا قوموں کا کوئی بھی تغیر و تبدل کے اس قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ زندہ قومیں ہر لمحہ انقلابات پر نگاہ رکھتی ہیں اور اپنے رخ اور راستہ پر مضبوطی سے گامزن رہتی ہیں۔ نہ وہ تبدیلیوں سے بیجا خوش فہمی میں مبتلا ہوتی ہیں اور نہ ان سے سراسیمہ ہوکر بے حسی کی زندگی پر قناعت کرتی ہیں

اس برصغیر میں مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو اس میں کتنے ہی نشیب و فراز ملیں گے، اسلام نے ہمیں ساری دنیا میں پھیلنے بڑھنے اور شرق تا غرب چھا جانے کی بشارت دی تھی، اور ہمیں یہ باور کرایا تھا کہ تمھیں وہ کام سونپا گیا ہے جو کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے انبیاء و رسل کو سونپا جاتا تھا۔ لہٰذا تمھیں اپنی ساری توجہ اس کام پر مرکوز کرنی ہوگی اس کے لئے تمھیں ہمیشہ اپنے مزاج کو مزاج نبوت کے ماتحت رکھنا ہوگا، دنیا کے تمام انسانوں اور قوموں کے ساتھ تمھارا تعلق اسی دعوت و ہدایت کے تقاضوں کے مطابق ہوگا، تمھیں اس کی عادت ڈالنی ہوگی کہ تم ہمیشہ نبوت کے مزاج سے سوچو اسی کے مطابق قدم اٹھاؤ، تمھیں انہی چیزوں پر خوش ہونا ہوگا جو ایک نبی کے لئے باعث مسرت ہوتی تھیں

اور ان پہلوؤں کے لئے بےچین و بے قرار ہونا ہوگا جو ایک نبی کے لئے بےچینی و بے قراری کا سبب ہوا کرتی تھیں ـــ اور اس کے لئے تمہیں اپنے کو ایک مخصوص رنگ میں رنگنا اور ایک الگ سانچے میں ڈھلنا پڑے گا صبغۃ اللہ و من احسن من اللہ صبغۃ

جب تک ہم مسلمانوں میں، بحیثیت مجموعی یہ روح جاری وساری رہی ہم خیر و برکت بن کر پھیلتے بڑھتے اور ساری دنیا پر چھاتے چلے گئے، اور دنیا میں ہماری حیثیت قائدانہ وداعیانہ رہی اور جب سے ہم اپنے آپ کو بھول گئے اور ہم نے اپنا وہ کام چھوڑ دیا جو فطری طور پر ہمیں ایک مخصوص طرز فکر عطا کرتا ہے تب سے ہم نے اپنی انفرادیت کھودی، اور اپنا سب کچھ گنوا دیا یہاں تک کہ انیسوی صدی کے وسط میں انگریز حاکموں نے ہمیں اپنا آلہ کار بنانے کے لئے اکثریت اور اقلیت کا ایک نیا فلسفہ ایجاد کیا۔ انھوں نے ہمیں باور کرایا کہ ہم کم تعداد میں ہیں اس لئے زیادہ تعداد والے لوگوں سے ہماری ہر چیز کو خطرہ ہے اس حقیقت کے باوجود کہ کم تعداد میں ہوتے ہوئے بھی ہم اس سرزمین میں سات سو سال ممتاز حیثیت کے ساتھ رہے ہم نے انگریزوں کی سجھائی ہوئی یہ بات بھی تسلیم کرلی کہ ہمیں اپنی پسندیدہ چیزوں کی حفاظت کے لئے ایک ایسے خطۂ ارض کی ضرورت ہے جہاں ہم غالب تعداد میں ہوں۔ یہ فلسفہ ایک زخم تھا، لیکن ہم نے اسے مرہم سمجھ کر اپنے سینے سے لگایا، اور زمین پر ایک مصنوعی لکیر کھینچ کر اس فریب کا شکار ہوگئے کہ اُس طرف سب غیر محفوظ اور اِس طرف سب محفوظ۔ لیکن، اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! جہاں سب کچھ محفوظ سمجھا تھا وہاں ایک ایک چیز کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ ۴۰ سال گذرنے کے باوجود وہاں ابھی یہ ہی طے نہیں ہو پایا ہے کہ یہ الگ خطۂ ارض کیوں لیا گیا تھا، اور اس کا رخ کیا ہونا چاہیئے، بھانت بھانت کی بولی وہاں بولی جارہی ہے۔

اور دیوار کے اِس پار کا حال تو ہم خود ہی دیکھ رہے ہیں ـــ ۴۷ء کے بعد یہاں ساری امیدیں اس پارٹی سے وابستہ کی گئیں جو سب سے زیادہ مضبوط، بااختیار اور صاف ستھری ذہنیت کی حامل سمجھی جاتی تھی، چند سالہ تجربوں سے ایک ایک امید ٹوٹتی ہوئی نظر آئی تو مرکزی و صوبائی حکومت پر نہ جانے کتنے افراد اور کتنی پارٹیوں

سے امیدیں قائم کی گئیں، سمجھوتے کئے گئے، عہد و پیمان ہوئے لیکن اب تک ہر تجربہ الٹا ہی پڑا ہے اور جس سے جیسی توقعات وابستہ کی گئیں، اس نے اسی حساب سے کچوکے لگائے

کسی کو غلط فہمی نہ ہو، یہ باتیں کسی شکوے شکایت کی غرض سے نہیں کہی جارہی ہیں ان سطور کے لکھنے والے کا یہ ایمان ہے کہ یہ جو کچھ ہوا اس کائنات میں جاری خدا کے نظام کے عین مطابق ہوا، جو قوم بھی دوسروں کے سہارے جینے کا راستہ اختیار کرتی ہے اسے انہی حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے ــــ اور پھر معاملہ جب قوم رسولِ ہاشمی کا ہو جس کا مزاج مخصوص اور جس کا راستہ الگ ہے تب تو صورتحال اور بھی زیادہ سنگین ہو جاتی ہے۔

۴۰ سالہ تجربوں کے بعد اب ایک نئے تجربہ کا مشورہ دیا جارہا ہے۔ کہا جارہا ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ فلاں کمزور اور مظلوم طبقہ کے ساتھ جڑ کر اپنے حقوق کی بازیابی کی جدوجہد کریں۔ صحافت، سیاست، تعلیم اور اقتصادیات وغیرہ ہر شعبے میں ان کے ساتھ وابستگی کو بہتر مستقبل کا ضامن قرار دیا جارہا ہے۔

ہمارا احساس یہ ہے کہ ۴۰ سالہ تجربوں کے بعد اب مسلمانوں کی جو نسل میدانِ عمل میں ہے اسے خود اعتمادی و خود شناسی اور اپنی مدد آپ کرنے کا سبق دیا جانا چاہیئے ضرورت اس کی ہے کہ قوم کے ایک ایک فرد کے اندر سے مایوسی، خوف و ہراس انفرادی طرزِ فکر کو نکالا جائے ہمت و استقلال اور حوصلہ و جرأت اور پیدا کرنے کی کوشش کی جائے ــ اللہ تعالیٰ کی قدرت و طاقت کا صحیح یقین و استحضار ایک ایک دل میں جانے کی انتھک کوشش کی جائے، ایک ایک ذہن میں یہ بات راسخ کی جائے کہ ہم لیڈروں کے نہیں، انبیاء علیہم السلام کے پیروکار ہیں اور انہی کے مزاج اور طرزِ عمل کو اپنانے ہی میں ہماری کامیابی مضمر ہے، دوسروں کے سہارے روٹی کپڑے مکان کے مسائل کا حل ہمارا راستہ نہیں بلکہ دوسروں کو دنیا و آخرت کی سعادتوں سے ہم کنار کرنے کے لئے سب کچھ قربان کر دینا ہمارا شعار رہے

امت مسلمہ کے جسم پر دعوت و ہدایت کا لباس زیادہ موزوں ہے۔ ہمیں دوسری قوموں کے ساتھ تعلق اولاً و آخراً اسی رشتے کے اعتبار سے قائم کرنا چاہیئے۔ دنیاوی مسائل کے حل کے لئے اگر ہم ان کی مدد مانگتے رہے تو ہم اقوام عالم کو دین حق کی طرف کیسے کیوں کر اور کب بلائیں گے؟ دعوت الی اللہ اور شہادت علی الناس کا فریضہ چھوڑ کر دنیا کی عام قوموں کے راستے پر چل کر اور عام سیاسی تدبیریں اختیار کر کے ہمارے مسائل نہ اب تک حل ہوئے ہیں نہ آئندہ حل ہوں گے۔

مسلمانوں کو کوئی مشورہ دینا کوئی معمولی اور آسان کام نہیں ہے۔ کہ سرسری طور پر کر ڈالا جائے۔

جس امت کے برپا کرنے میں اس کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی تربیت یافتہ جماعت صحابہ نے زبردست قربانیاں دی ہیں اس کو مشورہ دینے میں بہت لحاظ اس کا ضروری رکھنا ہے کہ یہ مشورہ اس کے رخ اور اس کے مزاج و منصب کے مطابق ہے یا نہیں؟

ہمیں اپنے دین کے تحفظ کے لئے بھی اور اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لئے بھی خود ہی جدوجہد کرنی ہوگی، اور نبیوں کے مزاج اور طرز عمل کے مطابق جدوجہد کرنی ہوگی۔ اور دنیا کی دوسری قوموں سے مدد مانگنے کے بجائے جس دلدل میں اس وقت اقوام عالم پھنسی ہوئی ہیں اس سے انھیں نکالنے کے لئے ان کی طرف مدد کا ہاتھ بڑھانا ہوگا۔ یہ کام ایک شب و روز میں نہیں ہو پائے گا، بلکہ اس کے لئے سخت طویل اور صبر آزما جدوجہد کر کے قوم کے اندر ذہنی و اخلاقی استعداد پیدا کرنی ہوگی اور پوری قوم کے مزاج کو نبیوں کے داعیانہ و ناصحانہ رنگ میں رنگنے کے لئے زبردست محنت کرنی ہوگی ـــــ اور اس کے لئے کسان کے حوصلے، کسان کے صبر و انتظار اور کسان کی مشقت سے کام لینا ہوگا۔ جس نے ہمیں یہ راستہ بتایا ہے اور اس راستہ پر کامیابی کا وعدہ کیا ہے وہ

بہت طاقت والا ہے اور تاریخ میں ہزاروں مرتبہ اس نے اس راستہ پر چلنے والوں کو محیر العقول کامیابیوں سے ہمکنار کیا ہے۔ وہی ہماری امیدوں کا بھی مرکز ہے ــــ اور وہی کارساز ہے۔ نعم المولیٰ ونعم النصیر

حال ہی میں ڈربن (جنوبی افریقہ) سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا نام ہے:

ISLAMIC RESURGENT MOVEMENTS IN THE INDO-PAK SUBCONTINENT, (A CRITICAL ANALYSIS OF THE EIGHTEENTH AND NINETEENTH CENTURIES)

کتاب کا موضوع جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے "اٹھارویں وانیسویں صدی میں برصغیر ہندوپاک میں اسلامی تجدیدی تحریکیں" مصنف کتاب ڈاکٹر سید حبیب الحق ندوی، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فاضل، ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ کے سند یافتہ ہیں، کراچی یونیورسٹی اور ہارورڈ یونیورسٹی میں تدریسی خدمات بھی انجام دی ہیں۔ اور آجکل ڈربن یونیورسٹی میں عربی، اردو، و فارسی شعبہ جات کے سربراہ ہیں۔

اس کتاب میں حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ رح، سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، مدارس عربیہ، بالخصوص دارالعلوم دیوبند و ندوۃ العلماء لکھنؤ، تحریک علیگڈھ کے بارے میں ہزاروں صفحات کا نچوڑ آگیا ہے۔ ساتھ ہی مرزا غلام احمد قادیانی اور بریلی کی تکفیری مہم کے بارے میں بھی نہایت اہم اور مستند معلومات جمع کر دی گئی ہیں۔ شیخ محمد بن عبد الوہاب کی تحریک اصلاح اور شیخ جمال الدین افغانی اور مصر کے شیخ محمد عبدہ کے متعلق بھی بہت مفید معلومات ضمناً آگئی ہیں۔ علامہ

اقبال کا تعارف بھی آگیا ہے۔

ادارہ الفرقان اس کتاب کی تصنیف پر فاضل مصنف کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہے۔ اور امید کرتا ہے کہ برصغیر کے علمی و دینی حلقے اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں گے، اور دنیا کے علمی مراکز میں اسے اپنے موضوع پر مستند ترین ماخذ کی حیثیت حاصل ہوگی۔ شاید اس کتاب کے بعض مضامین کا ترجمہ ہم آئندہ کسی موقع پر اپنے ناظرین کی خدمت میں پیش کریں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

کتاب المناقب و الفضائل (۹)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر مختلف عنوانات سے حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت بلکہ افضلیت اور امت میں ان کے امتیازی مقام کا ذکر خاص اہتمام سے فرمایا ہے۔ آپ کے مرض وفات کے سلسلہ میں متعدد ایسی حدیثیں گزر چکی ہیں جن سے بغیر کسی شک وشبہ کے یقین کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آپ کی امت کے افضل ترین فرد حضرت ابوبکر تھے، اور آپؐ کے بعد آپ کی قائم مقامی یعنی خلافت نبوت کے لئے وہی آپؐ کی نظر میں متعین تھے۔ ان زبانی ارشادات کے علاوہ آپؐ نے اپنے مرض وفات میں (جس کے بارہ میں آپ کو منجانب اللہ معلوم ہو چکا تھا کہ اسی مرض میں میری وفات مقدر ہو چکی ہے) اصرار اور تاکید کے ساتھ حضرت ابوبکر کو اپنی جگہ امام نماز بنا کر اس طرف امت کو واضح رہنمائی بھی فرما دی تھی۔

حضورؐ کے مرض وفات کے سلسلہ کی ان حدیثوں کے علاوہ چند اور حدیثیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت اور افضلیت کے بارے میں ذیل میں درج کی جا رہی ہیں ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی ہیں اور بعض اکابر صحابہ کی شہادتیں بھی

عن ابی هریرة، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مَا لِاَحَدٍ عِنْدَنَا یَدٌ اِلّا وَقَدْ کَافَیْنَاهُ، مَا خَلَا اَبَابَکْرٍ، فَاِنَّ لَهُ عِنْدَنَا یَدًا یُکَافِیْهِ اللّٰهُ بِهَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَمَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ، وَلَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَکْرٍ خَلِیْلًا، اَلَا وَاِنَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلُ اللّٰهِ رواه الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک موقع پر) ارشاد فرمایا کہ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس نے ہمارے ساتھ حسن سلوک کیا ہو کچھ ہم کو دیا ہو اور ہم نے اس کی مکافات نہ کر دی ہو، سوائے ابوبکر کے، انھوں نے ہمارے ساتھ جو حسن سلوک کیا اسکی مکافات اللہ تعالیٰ ہی کرے گا قیامت کے دن۔ اور کسی شخص کا بھی مال کبھی اتنا میرے کام نہیں آیا جتنا ابوبکر کا مال کام آیا، اور اگر میں (اپنے دوستوں میں سے) کسی کو خلیل (جانی دوست) بناتا تو ابوبکر کو بناتا، اور معلوم ہونا چاہیے کہ میں بس اللہ کا خلیل ہوں (اور میرا حقیقی دوست و محبوب بس اللہ ہے) (جامع ترمذی)

تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی آپ کو ہدیہ پیش کرتا تو آپ اس کو قبول فرمالیتے اور اسی وقت یا بعد میں کسی وقت اسے اتنا ہی یا زیادہ کسی شکل میں عطا فرماکر مکافات فرما دیتے۔ زیر تشریح حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ ابوبکر کے سوا جس کسی نے بھی ہمارے ساتھ حسن سلوک کیا ہم نے دنیا ہی میں اسکی مکافات کردی، لیکن ابوبکرؓ نے جو حسن سلوک کیا اسکی مکافات آخرت میں اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا حضرت ابوبکر کے نواسے حضرت عروہؓ کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق دین کی خدمت میں خرچ ہو گئے۔ سات ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور ان کے کافر و مشرک مالک و آقا اسلام قبول کرنے

ہی کے ہجوم میں انکو ستاتے اور مظالم کے پہاڑ توڑتے تھے۔ حضرت بلالؓ بھی انہی میں سے تھے، ــــ حضرت ابو بکرؓ نے حضورؐ سے عرض کر دیا تھا کہ میں اور میرا سارا مال گویا آپ کی ملک ہے جس طرح چاہیں استعمال فرمائیں، چنانچہ حضورؐ ایسا ہی کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں اپنے آخری خطاب میں بھی حضرت ابو بکرؓ کی اس خصوصیت اور امتیاز کا ذکر فرمایا تھا۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے وہ خطاب صحیح بخاری و صحیح مسلم کے حوالہ سے ذکر کیا جا چکا ہے اور اس میں حضورؐ کے بعد ان کے خلیفہ ہونے کی طرف بھی واضح رہنمائی ہے۔

عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ اَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ امْرَأَۃٌ فَکَلَّمَتْہُ فِیْ شَیْئٍ فَاَمَرَھَا اَنْ تَرْجِعَ اِلَیْہِ قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اِنْ جِئْتُ وَلَمْ اَجِدْکَ؟ کَاَنَّھَا تُرِیْدُ الْمَوْتَ ـ قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدِیْنِیْ فَاْتِیْ اَبَا بَکْرٍ ــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کسی چیز اور کسی معاملہ کے بارے میں اس نے حضورؐ سے گفتگو کی، آپ نے اس کو فرمایا کہ پھر (بعد میں کبھی) آئیو اس عورت نے عرض کیا کہ یہ تبلائیے کہ اگر میں آئندہ آؤں اور آپ کو نہ پاؤں؟ ــــ حدیث کے راوی جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ غالباً اس عورت کا مطلب یہ تھا کہ اگر میں آئندہ آؤں اور حضورؐ دنیا سے رحلت فرما چکے ہوں، تو میں کیا کروں تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابو بکر کے پاس آجانا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت مدینہ منورہ سے دور کے کسی مقام کی رہنے والی تھی، اس نے حضورؐ سے شاید کچھ طلب کیا تھا جو آپ اس وقت عنایت نہ فرما سکے، یہ فرما دیا کہ آئندہ کبھی پھر آنا ــــ اس نے عرض کیا کہ اگر آئندہ میں آؤں اور

آپ کو نہ پاؤں، آپ دنیا سے رحلت فرما چکے ہوں تو میں کیا کروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس صورت میں تم ابو بکر کے پاس آنا —— اس حدیث میں آنحضرتؐ کی وفات کے بعد متصلاً بلا فصل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کی طرف کھلا اشارہ ہے

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه وسلم "لَا يَنْبَغِي لِقَوْمٍ فِيهِمْ أَبُو بَكْرٍ أَنْ يَؤُمَّهُمْ غَيْرُهُ" رواه الترمذی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی قوم (کسی ایسی جماعت اور گروہ) کے لئے جس میں ابو بکر موجود ہوں درست اور مناسب نہیں ہے کہ ابو بکر کے سوا کوئی دوسرا شخص ان کا امام ہو (جامع ترمذی)

(تشریح) یہ حدیث کسی تشریح کی محتاج نہیں، اس کا صریح مقتضیٰ اور مفاد یہ ہے کہ امت میں جب تک ابو بکر رہیں اہل ایمان انھیں کو اپنا امام بنائیں، ان کے سوا کسی کو امام بنانا صحیح نہ ہوگا۔ بلاشبہ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات میں سے ہے جن کے ذریعہ حضورؐ نے اپنے بعد کے لئے حضرت ابو بکر کی خلافت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلى اللّٰه عليه وسلم قَالَ لِأَبِي بَكْرٍ: "أَنْتَ صَاحِبِي فِي الْغَارِ صَاحِبِي عَلَى الْحَوْضِ" رواه الترمذی

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ سے ارشاد فرمایا کہ تم غار میں میرے ساتھی تھے، اور آخرت میں حوض کوثر پر بھی میرے ساتھی ہوگے۔ (جامع ترمذی)

تشریح معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو تین دن تک مکہ مکرمہ کے قریب ثور پہاڑی کے ایک غار میں روپوش رہے تھے، اس

غار میں حضرت ابوبکرؓ ہی آپ کے ساتھ تھے، ہجرت کے اس سفر میں اور خاص کر اس غار میں حضورؐ کے ساتھ رہنا (جس میں آخری حد تک کے خطرات تھے) وفاداری اور فدائیت کا بے مثال عمل تھا اسی لئے حضورؐ نے خاص طور سے اس کو یاد رکھا (قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر فرمایا گیا ہے "ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" ، سورہ توبہ آیت ۴۰) اردو زبان میں یار غار کا لفظ قرآن پاک کی اسی آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سلسلہ کے ارشادات ہی سے آیا ہے۔ غار کی اس تین روزہ رفاقت میں حضرت ابوبکرؓ نے جس فدائیت کا ثبوت دیا اس کا کچھ حال آگے درج ہونے والے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک بیان سے معلوم ہوگا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ فَاَخَذَ بِیَدِیْ، فَاَرَانِیْ بَابَ الْجَنَّةِ الَّذِیْ یَدْخُلُ مِنْهُ اُمَّتِیْ "فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ، یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَدِدْتُ اَنِّیْ کُنْتُ مَعَكَ حَتّٰی اَنْظُرَ اِلَیْهِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ "اَمَا اِنَّكَ یَا اَبَا بَکْرٍ! اَوَّلُ مَنْ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِیْ "۔ رواہ ابوداؤد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل امین میرے پاس آئے، میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھلایا جس سے میری امت کا جنت میں داخلہ ہوگا۔ ابوبکرؓ نے (حضورؐ سے یہ سن کر عرض کیا کہ) حضور! میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ میں بھی اس وقت حضورؐ کے ساتھ ہوتا اور میں بھی اس دروازہ کو دیکھتا —— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میری امت میں سب سے پہلے تم جنت میں داخل ہوگے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح اس حدیث میں حضورؐ نے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے کہ جبرئیل امین آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کے اپنے ساتھ لے گئے اور جنت کا وہ دروازہ دکھلایا جس سے میری امت جنت میں داخل ہوگی ـــــ ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ شب معراج کا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی دوسرے موقع پر جبرئیل بحکم خداوندی حضورؐ کو جنت کا وہ دروازہ دکھانے کے لئے لے گئے ہوں یہ معراج کی طرح کا ملاً اعلیٰ کا سفر بھی ہوسکتا ہے اور مکاشفہ بھی ہوسکتا ہے۔ بہرحال جب حضرت ابوبکرؓ نے آپ سے یہ سن کر عرض کیا کہ حضرت میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش میں بھی اس وقت آپ کے ساتھ ہوتا اور میں بھی جنت کا وہ دروازہ دیکھتا تو حضورؐ نے ان کو بشارت سنائی کہ تم جنت کا دروازہ دیکھنے کی آرزو کرتے ہو میں تم کو اس سے بڑی خداوندی نعمت کی خوشخبری سناتا ہوں، یقین کرو کہ میری امت میں سے سب سے پہلے جنت میں تم داخل ہوگے۔ بلاشبہ یہ اس کی روشن دلیل ہے کہ امت میں سب سے افضل اور عالی مرتبت حضرت ابوبکر صدیق ہی ہیں ـــ رضی اللہ عنہ وارضاہ

عَنْ عُمَرَ قَالَ : اَبُوْبَكْرٍ سَيِّدُنَا وَخَيْرُنَا وَاَحَبُّنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رواه الترمذی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ ابوبکرؓ ہمارے سیّد (سردار) ہیں ہم میں سب سے بہتر و افضل ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم میں سے سب سے زیادہ محبوب ہیں (یعنی ان کو حضورؐ کی محبوبیت کا جو مقام حاصل ہے وہ ہم میں سے کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔

(تشریح) حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت اور بلند مقامی کے بارے میں یہ حضرت عمرؓ کا بیان ہے، جسکی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور ان کے ساتھ آپؐ کے طرز عمل کے مشاہدہ پر ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ، قَالَ : قُلْتُ لِاَبِيْ : اَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟ قَالَ : اَبُوْبَكْرٍ، قُلْتُ ثُمَّ مَنْ ؟ قَالَ : عُمَرُ. وَخَشِيْتُ اَنْ يَقُوْلَ : عُثْمَانُ قُلْتُ

ثم انت؟ قال ما انا الا رجل من المسلمین۔

رواہ البخاری

حضرت محمد بن حنفیہ سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد (حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) سے دریافت کیا کہ امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر و افضل کون ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ ابو بکر۔ میں نے کہا ان کے بعد کون؟ تو انھوں نے فرمایا کہ عمر۔ (محمد بن الحنفیہ کہتے ہیں) پھر مجھے خطرہ پیدا ہوا کہ (اگر میں اسی طرح دریافت کروں کہ عمر کے بعد کون؟) تو یہ نہ کہدیں کہ عمر کے بعد عثمان (اسلئے میں نے سوال اسطرح کیا) پھر عمر کے بعد آپ؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمانوں میں کا ایک آدمی ہوں۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) محمد بن الحنفیہ حضرت علی کے صاحبزادے ہیں، حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے بطن سے نہیں بلکہ حضرت علی کے حرم میں داخل ایک دوسری خاتون حنفیہ سے جن کا اصل نام خولہ تھا اپنے قبیلہ کی نسبت سے حنفیہ کے نام سے معروف ہیں حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ خلافت میں نبوت کے جھوٹے مدعی مسیلمہ کذاب اور اس کے ساتھیوں سے جو جہاد ہوا تو فتح کے بعد جنگی قانون کے مطابق جو مرد اور عورتیں گرفتار ہو کر آئے ان میں یہ خولہ بھی تھیں، یہ حضرت علی کے حوالہ کر دی گئیں اور ان کے حرم میں داخل ہو گئیں۔ محمد بن الحنفیہ انہی کے بطن سے حضرت علی کے صاحبزادے ہیں۔ علم اور صلاح و تقویٰ اور دوسری صفات کمال کے لحاظ سے بلند مقام تابعین میں سے ہیں۔ انہی کا یہ بیان ہے کہ میں نے والد ماجد حضرت علی مرتضیٰؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں کون افضل ہے؟ تو انھوں نے پہلے نمبر پہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا اور دوسرے نمبر پہ حضرت عمر کا نام لیا۔ اور اپنے بارے میں فرمایا کہ میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمانوں میں کا ایک آدمی ہوں۔ ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ نے بطور تواضع و انکسار فرمایا ورنہ امت میں اس وقت سب سے افضل خود حضرت علی مرتضیٰ ہی تھے، حضرت عثمانؓ اس سے پہلے شہید کئے جا چکے تھے۔ یہ روایت

تو محمد بن الحنفیہ کی ہے۔ محدثین کے نزدیک حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے تواتر کے ساتھ روایت ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت میں سب سے افضل اور بلند مرتبہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ہیں اور یہ کہ جو کوئی مجھے ان دونوں سے افضل قرار دیگا میں اس پر حد (شرعی سزا) جاری کردوں گا۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ، قَالَ: کُنَّا فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا نَعْدِلُ بِاَبِیْ بَکْرٍ اَحَدًا، ثُمَّ عُمَرَ، ثُمَّ عُثْمَانَ، ثُمَّ نَتْرُکُ اَصْحَابَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا نُفَاضِلُ بَیْنَهُمْ ——— رواہ البخاری

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے تھے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ابوبکر کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے، ان کے بعد عمر، اُن کے بعد عثمان۔ پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کو چھوڑ دیتے تھے، ان کے درمیان ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضورؐ کا طرز عمل دیکھ کر ہم یہ سمجھتے تھے کہ سب سے افضل حضرت ابوبکرؓ ہیں، ان کے بعد حضرت عمرؓ، ان کے بعد حضرت عثمانؓ، یہ تینوں حضرات سن رسیدہ تھے، اہم امور میں حضورؐ اکثر ان ہی سے مشورہ فرماتے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ حضورؐ کی حیات میں کم عمر تھے وہ اس وقت اس صف میں نہیں تھے اگرچہ ان تین حضرات کے بعد وہ بلاشبہ امت میں سب سے افضل ہیں۔ اور بعض خصوصیات میں بہت اعلیٰ و بالا ہیں۔

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا یہ بیان شخصیات کے بارہ میں ہے طبقات اور صفات کے لحاظ سے صحابہ کرام میں جو درجات و مراتب کا فرق ہے اس سے حضرت ابن عمر نے تعرض نہیں کیا ہے — مثلاً عشرہ مبشرہ، اصحاب بدر اور اصحاب بیعت رضوان، سابقین اولین من المہاجرین والانصار (رضی اللہ عنہم اجمعین)

حضرت ابن عمرؓ کے اس بیان میں ان کے فضائل کی نفی نہیں ہے۔ انھوں نے جو فرمایا اس کا تعلق، اس خاص فضیلت سے ہے جو ان تین بزرگوں کو حضورؐ کے زمانہ میں حاصل تھی واللہ اعلم۔

عَنْ عُمَرَ، قَالَ: اَمَرَنَا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان نَتَصَدَّقَ، وَوَافَقَ ذالِکَ عندی مالاً، فقلتُ: اَلیومَ اَسْبِقُ ابا بکرٍ اِنْ سَبَقْتُہٗ یومًا. قال فجئتُ بنصفِ مالی، فقال رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: "ما اَبْقَیْتَ لِاَھْلِکَ؟ فقلت: مِثْلَہٗ. واَتی ابوبکرٍ بکلِّ ما عندہٗ: فقال یا ابا بکر ما اَبْقَیْتَ لاھلکَ؟" فقال اَبْقَیْتُ لَھُمُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ. قُلْتُ لا اسبقہٗ الی شَیْئٍ اَبَداً.

——— رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو صدقہ کرنے (یعنی راہ خدا میں مال پیش کرنے) کا حکم فرمایا اور یہ حکم ایسے وقت فرمایا جبکہ (حسن اتفاق سے) میرے پاس مال بڑی مقدار میں تھا، تو میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ اگر میں کبھی ابوبکرؓ کے آگے نکل سکتا ہوں تو آگے نکل جاؤں گا (حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ) میں گھر آیا اور گھر میں میں جو کچھ مال تھا میں نے اس میں سے پورا آدھا لاکر حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے اپنے اہل وعیال کے لئے کیا باقی چھوڑا ہے؟ میں نے عرض کیا (ٹھیک اتنا ہی جتنا یہ لیکر آیا ہوں اتنا ہی گھر والوں کے لئے باقی چھوڑا ہے ——— حضرت عمرؓ فرماتے ہیں ؟ اور ابوبکرؓ وہ سب کچھ لے آئے جو ان کے پاس تھا۔ تو حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ ابوبکرؓ اپنے اہل وعیال کے لئے کیا باقی چھوڑا۔ انھوں نے (اپنے دل سے) عرض کیا کہ گھر والوں کے لئے میں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کو باقی چھوڑا ہے

(حضرت عمرؓ کہتے ہیں) کہ میں نے کہا کہ میں کبھی بھی کسی چیز میں ابوبکرؓ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ (جامع ترمذی وسنن ابی داؤد)

تشریح ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ جو اپنی کل دولت کا نصف لائے تھے، وہ مقدار میں حضرت ابوبکرؓ کے لائے ہوئے سے زیادہ ہو مگر حضرت ابوبکرؓ کا یہ عمل اور حال کہ انھوں نے گھر والوں کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا بس اللہ ورسول پر ایمان اور ان کی رضا جوئی کو سب کچھ سمجھ کر اس پر قناعت کر لی بلاشبہ یہ مقام بہت بلند ہے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

تیسری و آخری قسط

خلافت عثمانیہ کے خلاف

صفویوں کی سازشیں

ایرانی شیعوں کی سیاہ تاریخ کا ایک اہم باب

پرتگالی خطرے کا مقابلہ

۸۵۷ھ میں محمد الفاتح نے قسطنطنیہ فتح کیا، اس کے بعد بہت جلد ترکوں نے بحر روم پر مکمل تسلط قائم کر لیا، سلطان سلیم اول نے مصر و شام وغیرہ پر قبضہ کر لیا، اس طرح مشرق و مغرب کے درمیان تجارت کے دونوں اہم راستے قسطنطنیہ و اسکندریہ عثمانیوں کے قبضہ میں آگئے اندلس کی عظیم الشان اسلامی سلطنت کو مٹانے کے بعد مغربی یورپ کے باشندوں خصوصاً اہل اسپین و پرتگال میں جہاز رانی اور مہم جوئی کا شوق بہت بڑھ گیا تھا، فتح قسطنطنیہ کے بعد ہی سے یہ قومیں جنوب مشرقی ایشیا کے زرخیز ممالک خصوصاً ہندوستان اور مجمع الجزائر ملایا کے تجارت کے کسی ایسے راستے کی تلاش میں سرگرداں تھیں جن میں انھیں مسلمانوں کا دست نگر نہ ہونا پڑے، بالآخر پرتگالی جہاز راں واسکوڈی گاما کو ۹۰۴ھ میں اس[۳۵] مہم میں کامیابی ہوئی، مشہور عرب ناخدا احمد بن ماجد کی رہنمائی میں اس نے نیا بحری راستہ دریافت کر لیا واسکوڈی گاما پرتگال سے چل کر مغربی افریقہ کے سواحل پر سے گھوم کر بحر محیط کو عبور کرتا ہوا راس امید کے راستے بحر ہند میں وارد ہوا اور احمد بن ماجد کی رہنمائی میں کالیکٹ (مدراس) کے ساحل پر لنگر انداز ہوا ۔ راس امید ہوتے ہوئے یورپ سے مشرقی ممالک کا نیا بحری

---

۳۵ علامہ سید سلیمان ندوی : عربوں کی جہاز رانی (مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۳۵۲ھ) .

راستہ دریافت ہونے سے پہلے بحر ہند سے لے کر بحر چین تک ساحلی علاقوں اور جزیروں میں عرب ملاحوں اور تاجروں کی آبادیاں تھیں، اس طویل سلسلۂ سمندر پر عربوں کا قبضہ تھا، عرب ملاح اور تجار ہی مشرق و مغرب کے درمیان تجارت کا واسطہ تھے، ابتداءً پرتگیزوں نے، اس کے بعد یورپ کی دوسری جہاز راں قوموں نے بحر ہند اور بحر عرب سے عربوں کی بالادستی ختم کرنے کے لئے پورا زور لگا دیا، بحر ہند وغیرہ میں عرب تاجروں کے تجارتی مراکز یورپین قزاقوں کے نے بڑی بے دردی سے اجاڑے، ان حالات کی منظر کشی علامہ سید سلیمان ندوی کے قلم بلاغت رقم نے کی ہے:

"اکتشاف ارضی اور توسیع تجارت کے نام پر یہ بحری لٹیرے بحر ہند میں ادھر ادھر جہازی گھوڑے دوڑاتے پھرتے تھے، عرب اور ہندوستان کے ساحلی مقامات ان کی لوٹ مار سے برباد ہو رہے تھے، ساحلوں اور جزیروں میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا اور مسجدیں لوٹ کر کلیسا بن رہی تھیں، موپلہ جو عرب، مصر اور ہندوستان کے درمیانی بیوپاری تھے اور کالیکٹ (مدراس) ان کا مرکز تھا۔ ان کے تجارتی کاروبار توڑے پھوڑے جا رہے تھے، کالیکٹ کے راجہ کو اس پر مجبور کیا گیا کہ وہ مسلمانوں کو عرب آنے جانے سے روک دے، اس نے اس کو نامنظور کیا اور اس کی خاطر اس کو لڑائی لڑنا پڑی، پرتگالیوں نے کوچی (ساحل ہند) پر قبضہ کیا اور مسلمانوں کو قتل کیا اور مسجد کو کلیسا بنا لیا، پھر رفتہ رفتہ عرب کے سواحل پر عدن ہرمز، یریم وغیرہ کو اور ہندوستان کے سواحل میں گوا، جیبول، دابل، دیو اور دمن وغیرہ کو تاخت و تاراج کرنے لگے، ۹۱۵ھ میں کالیکٹ پر حملہ کر کے شہر کو لوٹ لیا اور وہاں کی جامع مسجد کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا، یہی حال انھوں نے عرب کے ساحلی شہروں کا کر رکھا تھا، حاجیوں کے جہازات ان کے حکم اور اجازت کے بغیر ہندوستان کے ساحلوں سے جنبش نہیں کر سکتے تھے۔"[۳۶]

عالم اسلام کا محاصرہ　پرتگالیوں کی دراندازیوں سے ایک طرف عرب تاجروں اور جہاز رانوں

۳۶ؔ علامہ سید سلیمان ندوی: خلافت اور ہندوستان (مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۳۴۰ھ) صفحہ ۸۹، ۹۰

کی معیشت خطرہ میں پڑ گئی، دوسری طرف بحر روم، بحر احمر پر واقع تجارتی مراکز اور منڈیاں ویران ہونے لگیں جس سے تمام بلاد عربیہ کے باشندوں خصوصاً مصر وشام کے لوگوں کا زبردست مالی نقصان ہونے لگا، پرتگیزوں نے خلیج فارس اور بحر احمر میں اپنی بالادستی قائم کرنے کے لئے زبردست جد وجہد کی انھیں اس مقصد میں کسی حد تک کامیابی بھی حاصل ہوگئی، بحر احمر کے ساحلی علاقے پرتگیزی جہاز رانوں کی بازیگاہ بن گئے، بحر احمر کے دروازے پر واقع عدن پر قبضہ کر کے پرتگالی قزاقوں نے بحر احمر کی ناکہ بندی کر دی بحر احمر میں پرتگیزی دراندازیوں سے مقامات مقدسہ (مکہ، مدینہ) کو سنگین خطرہ لاحق ہوگیا، مصر کے مملوک سلاطین نے پرتگالی خطرہ کا مقابلہ کیا لیکن اس کا سدباب نہ کر سکے بلاد عربیہ فتح کرنے کے بعد عثمانی سلاطین نے مملوکوں کی جگہ لی تو انھوں نے پرتگالی فتنہ کی بیخ کنی کو اپنی اہم ذمہ داری تصور کیا، یہ سلطان سلیمان اعظم قانونی کا دور حکومت تھا۔

عثمانی بیڑہ بحر احمر اور بحر ہند کے محاذ پر

سلطان سلیمان قانونی نے بحر روم کے محاذ کی طرح بحر احمر اور بحر ہند کے محاذ پر بھی اپنی ذمہ داری کا پورا احساس کیا، خادم الحرمین الشریفین کا مقام بلند حاصل ہونے کے بعد بلاد عربیہ خصوصاً حرمین شریفین کی صیانت وحفاظت کے سلسلے میں عثمانی سلطان کی ذمہ داری دوچند ہوگئی تھی، اور بلاد عربیہ کی حفاظت کے لئے بحر احمر سے پرتگیزوں کو بید خل کرنا از حد ضروری تھا، چنانچہ سلیمان قانونی نے عدن سے پرتگالیوں اور اس کے حلیفوں کو مار بھگایا، عدن کو دولت عثمانیہ کا مضبوط بحری اڈہ بنایا نیز جزیرۃ العرب کے تمام ساحلی علاقوں کو پرتگیزوں کی دست اندازی سے محفوظ کر دیا، سلیمان قانونی کی اس دور اندیشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ صدیوں تک بحر احمر خالص اسلامی سمندر بنا رہا، صلیبیوں کے ناپاک عزائم اور گھناؤنے منصوبے فیل ہوگئے، دولت عثمانیہ نے پابندی لگادی کہ عیسائیوں کا کوئی جہاز بحر احمر میں داخل نہیں ہوسکتا، کیونکہ اسلام کے مقامات مقدسہ بحر احمر کے ساحلوں سے قریب ہیں، یہ پابندی اٹھارہویں صدی عیسوی تک باقی رہی[۳۷]۔

---

۳۷ پروفیسر عبدالعزیز محمد شناوی: الدولۃ العثمانیہ دولت اسلامیہ مفتری علیہا جلد دوم صفحہ ۸۶۲، ۸۶۳

مغربی مورخ سر آلفرڈ لائل لکھتا ہے "ایک عرصہ تک پرتگیزوں نے ہندوستان کے سمندروں میں اس تجارت کو سب سے چھین کر اس کا ٹھیکہ لے رکھا اور کسی پرتگیز بادشاہ نے کسی مناسب موقع سے فائدہ اٹھانے میں کوئی تساہل یا تغافل نہیں کیا، اور جنوبی ایشیا کے تمام ساحلوں پر خلیج فارس سے لے کر سیلون تک حاوی ہو جانے کے لیے برابر بحری مہمات بھیجیں۔ انھوں نے خلیج فارس کے بحری اصدر مقاموں پر قبضہ کر لیا اور بحر قلزم (بحر احمر) میں بھی اپنی بحری فوقیت قائم کرنے کے لیے سخت جد وجہد سے کام لیا۔ لیکن ۱۵۱۶ء میں عثمانی سلطان نے مصر کو اپنی محروسات میں شامل کر لیا تھا، اور ترکی بیڑہ پرتگیزوں کے لیے نا قابل تسخیر ثابت ہوا"[۳۸]

صفویوں اور پرتگالیوں کے روابط

بحر احمر کے محاذ پر سو فیصد کامیابی حاصل کرنے کے بعد سلیمان قانونی نے بحر ہند کے محاذ پر توجہ دی کیونکہ بحر ہند میں پرتگیزوں کے مظالم روز افزوں تھے، ایک طرف بحر ہند کے مسلم تجار اور جہاز راں سلیمان قانونی سے دادرسی کے طالب تھے دوسری طرف ہندوستان کے ساحلی علاقوں کے حکمراں سلیمان کی خدمت میں وفود بھیج کر[۳۹] مسلسل درخواست کر رہے تھے کہ پرتگیزوں کے مقابلہ کے لیے جنگی بیڑہ بھیجیں، سلطان سلیمان قانونی نے پرتگیزوں کا اثر واقتدار بحر ہند سے ختم کرنے کے لیے متعدد بحری بیڑے روانہ کیے اور متعدد بار عثمانی جہاز رانوں کو فتح بھی حاصل ہوئی ہندوستان کے ساحلوں پر عثمانی بیڑے نے کامیاب جنگیں کیں لیکن بحر ہند سے پرتگالی جہاز رانوں کو بے دخل کرنے میں عثمانیوں کو کامیابی نہ مل سکی، اسکے متعدد اسباب ہیں سب سے اہم اور اولین سبب یہ ہے کہ ایران کی صفوی سلطنت نے پرتگالیوں کا پورا ساتھ دیا صفوی سلاطین نے خلیج فارس میں پرتگیزوں کو خوش آمدید کہا پرتگالیوں کو خلیج فارس کے ایرانی ساحلوں پر بڑے اچھے بحری مراکز مل گئے جہاں سے پرتگالی جہاز راں بحر ہند میں تاخت وتاراج کرتے۔ اگر پرتگالیوں کو ایران کا بھرپور تعاون نہ ملتا تو شاید وہ لوگ بحر ہند پر بالادستی قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوتے، بحر ہند پر اہل یورپ کی بالادستی ہی ایشیا وافریقہ پر یورپ

---

۳۸ سر آلفرڈ لائل: ہندی مملکت برطانیہ کا عروج ووسعت صفحہ ۹۲۸ (دار الطبع جامعہ عثمانیہ ۱۳۳۰ھ)

۳۹ اس کی تفصیل شیخ محمد بن عمر آصفی کی "ظفر الوالہ بمظفر وآلہ" میں موجود ہے

کے تسلط کی تمہید تھی، عبد اللطیف بحرادی لکھتے ہیں "خلیج فارس میں نئی یورپین اقوام کے پہنچنے سے جن سے ایران کے قوی روابط تھے یورپین اثر و نفوذ بڑھ گیا، تو عثمانی مجبور ہوئے کہ خلیج فارس کو چھوڑ دیں، اس وقت سے عثمانیوں کی نگاہ میں عدن کی قیمت و اہمیت صرف یہ رہ گئی کہ عدن بحر احمر اور یمن کی حفاظت کے لئے قلعہ کا کام دیتا ہے"[۴۰]

ڈاکٹر علی حسون نے لکھا ہے "صفویوں نے ان پرتگالیوں کا تعاون کیا، جنھوں نے علانیہ اسلام دشمن اور صلیبی مقاصد و عزائم کا اظہار کیا تھا، عثمانی پورے یورپ کے مقابلہ میں مضبوط محاذ تشکیل دینے کے لئے کوشاں تھے، کیونکہ یورپ کے تمام ممالک پرتگالیوں کی پشت پناہی کر رہے تھے، لہذا عثمانیوں کا صفویوں سے تصادم ناگزیر تھا کیونکہ خارجی دشمنوں سے نبرد آزما ہونے سے قبل اندرونی دشمنوں کی سرکوبی ضروری ہوتی ہے"[۴۱]

مغلوں کا منفی کردار

پرتگالیوں سے اسی کشمکش کے زمانہ میں ہندوستان میں مغلیہ سلطنت قائم ہوئی، ہندوستان کے مغل حکمراں تیموری نسل سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے انھیں عثمانیوں سے کدورت و رقابت تھی، ہندوستان فتح کرنے سے پہلے بابر کا اسماعیل صفوی کے ساتھ اشتراک عمل رہ چکا تھا[۴۲]، ہمایوں کا تاج و تخت طہماسپ شاہ ایران کا رہین منت تھا، اکبر و جہانگیر کے عہد میں بھی مغلوں کے تعلقات صفویوں سے دوستانہ اور عثمانیوں سے رقیبانہ رہے مغلوں نے بھی صفویوں کی طرح بحر ہند کے یورپین جہاز رانوں کا استقبال کیا، انھیں تعاون دیا، مغل سلاطین نے یورپ کے قزاق جہاز رانوں کے ساتھ مراحم خسروانہ برت کر عالم اسلام کا زبردست نقصان کیا، تعلقات خارجہ میں صفویوں کی تقلید کر کے مغلوں نے ہمالیائی غلطی کی اور خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری، عبد اللطیف بحرادی لکھتے ہیں "جس وقت سولہویں صدی ہی کے

---

۴۰ محمد عبد اللطیف بحرادی: فتح العثمانیین عدن صفحہ ۱۶۸، ۱۶۹

۴۱ ڈاکٹر علی حسون: تاریخ الدولۃ العثمانیہ صفحہ ۵۲

۴۲ براؤن: تاریخ ادبیات ایران در عہد جدید صفحہ ۱۰۳، ۱۰۴

وسط میں پرتگالی خطرہ اور مغربی استعمار ہندوستان اور بحر ہند کے دروازے زور زور سے کھٹکھٹا رہا تھا، عالم اسلام دو متحارب کیمپوں میں تقسیم تھا، ایک کیمپ میں ایران اور مغل امپائر تھا، دوسرے میں دولت عثمانیہ.... ہندوستان کے مغل امپائر نے پرتگالی اور یورپین خطرہ کے مقابلہ میں منفی رویہ اختیار کیا[۴۳]"

بحر ہند میں عثمانی مہمات کی ناکامی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ترکی امیرالبحر کی خودرائی اور مستبدانہ طرز کی وجہ سے گجرات کے سلطان نے محسوس کیا کہ گویا عثمانی بیڑہ ہندوستان فتح کرنے آیا ہے، لہذا سلطان گجرات نے عثمانی بیڑے کی رسد بند کردی، ان حالات سے مجبور ہوکر عثمانی بیڑہ ہندوستان فتح کرنے آیا ہے، لہذا سلطان گجرات نے عثمانی بیڑے کی رسد بند کردی، ان حالات سے مجبور ہوکر عثمانی بیڑہ یمن کی جانب روانہ ہوگیا، سلیمان قانونی کو جب حالات کا علم ہوا تو اس نے امیرالبحر کو اس طرز عمل پر سخت سرزنش کی[۴۴]۔

بحر ہند میں عثمانیوں کی ناکامی کے مستقبل پر اثرات

بحر ہند کے محاذ پر عثمانیوں کی ناکامی عالم اسلام کے لئے زبردست سانحہ کی حیثیت رکھتی تھی، مستقبل کی تاریخ پر اس واقعہ کے غیر معمولی اثرات پڑے ہیں اور تاریخ کا دھارا بالکل مڑ گیا، ایک یورپین مورخ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "یہ پرتگالیوں کی خاص اقبال مندی کی دلیل ہے کہ سلیمان اعظم بھی باوجود اپنے انتہائی عروج وقوت کے پرتگالیوں کو بحر ہند سے خارج کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا، ورنہ اس کی کامیابی مشرقی عیسائی سلطنتوں کو روز بد دکھا کر رہتی۔ ترکی سلطان کا اثر سولہویں صدی کے ابتدائی زمانے میں بحرۂ قلزم اور خلیج فارس پر چھایا ہوا تھا اور اس کا بیڑہ تمام بحر روم پر حاوی تھا۔ اگر اس کے ساتھ وہ ہندوستانی تجارت کو مصر اور شام والے پرانے بری راستے پر قائم رکھ سکتا تو جو دولت اس کو حاصل ہوتی اس سے

---

۴۳ محمد عبداللطیف بجادی : فتح العثمانیین عدن ص ۱۰۵

۴۴ محمد بن عمر آصفی : ظفر الوالہ ص ۹۲۵

اس کی بری اور بحری قوت میں بے انتہا اضافہ ہو جاتا ہے[۲۵]

بحر ہند میں دولت عثمانیہ کی ناکامی سے اہل یورپ کو اپنے صلیبی اور استعماری عزائم کی تکمیل کے لئے کھلا میدان مل گیا۔ مستقبل کے حالات نے ان لوگوں کی غلط فہمی دور کر دی جو سمجھتے تھے کہ اہل یورپ صرف تجارتی مقاصد کے لئے بحر ہند میں وارد ہوئے ہیں۔ ایک یورپین مورخ لکھتا ہے "تحقیقات کے ان سفروں کے متعلق سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر ہے کہ اہل یورپ صرف اس پر قناعت نہیں کرنا چاہتے تھے کہ ان ممالک سے انھیں واقفیت ہو جائے یا ان کے وطن کی تجارت کے لئے نئے بازار پیدا ہو جائیں، بلکہ انھوں نے اس امر کا عزم بالجزم کر لیا تھا کہ ان نئے دریافت شدہ ملکوں کے باشندوں کو عیسائی بنا دیں ان ملکوں کو اپنے تحت حکومت میں لے آئیں اور ان پر اپنی نو آبادی قائم کریں، خلاصہ یہ کہ انھوں نے چاہا کہ ان ممالک کی قلب ماہیت کر کے انھیں وسیع پیمانے پر یورپ بنا لیں"[۲۶]

شاہ طہماسپ کے مظالم

سلطان سلیمان قانونی کا معاصر شاہ ایران طہماسپ تھا، طہماسپ میں اگرچہ اسماعیل صفوی جیسی اولوالعزمی، شجاعت اور بلند حوصلگی نہیں تھی، لیکن وحشیانہ مظالم ڈھانے میں یہ شخص بھی اپنے پیشرو سے کسی طرح کم نہیں تھا، براؤن طہماسپ کے دور کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "مظفر سلطان والی رشت کو بغاوت کے الزام میں شہر میں گشت کرایا گیا اسے ایسے تمسخر انگیز کپڑے پہنائے گئے کہ عوام الناس اس کے پیچھے تالیاں بجاتے تھے، آخر کار ایک لوہے کے پنجرے میں بند کر کے زندہ جلا دیا گیا، اسی پنجرے کے نیچے ایک پنجرے میں امیر سعدالدین عنایت اللہ خوزانی کو بند کر کے ان کے ساتھ بھی یہی وحشیانہ سلوک کیا گیا، اسی طرح خواجہ کلاں غوریانی پر جو ایک کٹر سنی تھا یہ الزام لگایا گیا کہ اس نے بادشاہ کا ذکر حقارت آمیز الفاظ میں کیا ہے، اور اس کی پاداش میں ہرات کے بازار میں اس کی

---

۲۵ سر آلفرڈ لائل : ہندی مملکت برطانیہ کا عروج و زوال صفحہ ۸

۲۶ ایو تھیچر و فرڈینینڈ : تاریخ یورپ دور جدید صفحہ ۸۰، (دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد ۱۹۳۲ء) ترجمہ محمد حسین ایم اے

کھال کھینچی گئی اور بھس بھر کر ایک بانس پر لٹکادی گئی، رکن الدین مسعود کازرونی جو ایک نہایت ذی علم شخص اور اعلیٰ درجہ کا طبیب تھا، عتاب شاہی کا مورد ہوا اور زندہ جلا دیا گیا، محمد صالح پر جو ایک فیاض طبع شخص تھا اور شاعروں کا بڑا قدر شناس تھا، بادشاہ کا ذکر بے ادبی سے کرنے کا الزام لگایا گیا اور اسی جرم کی سزا میں پہلے اس کا منھ سی دیا گیا اور پھر ایک مٹی کی ناند میں رکھ کر اسے بلند مینار سے زمین پر پھینک دیا گیا[۴۷]

سلیمان قانونی کا ایران پر حملہ

سلیمان قانونی کو بھی صفوی سلطنت کے سنیوں پر مظالم کی وجہ سے ایران کے محاذ پر فوجی قوت لگانی پڑی، یورپ کی صلیبی طاقتوں نے قدرے اطمینان کا سانس لیا، سلیمان قانونی کی شاہ ایران سے جنگیں ۹۴۱ھ ۹۵۵ھ ۹۶۰ھ ۹۶۱ھ میں پیش آئیں، اکثر معرکوں میں شاہ ایران نے پیچھے ہٹنے اور عثمانی افواج کو تھکانے کی پالیسی پر عمل کیا، دولت عثمانیہ اور سلطنت صفویہ کی آویزش برابر جاری رہی، صفوی سلاطین اکثر شکست کھانے پر عثمانیوں سے مغلوبانہ صلح کر لیتے لیکن یورپین طاقتوں کے اشارہ پر اور دولت عثمانیہ کو نازک پوزیشن میں دیکھ کر معاہدے توڑ دیتے، عبداللطیف بحراوی لکھتے ہیں "شاہ ایران ہر ایسے موقع پر دولت عثمانیہ سے کی گئی صلح توڑنے کے لئے مستعد رہتا، جب دیکھتا کہ عثمانی فوجیں کسی ملک سے نبرد آزمائی میں مصروف ہیں، تاکہ گزشتہ جنگوں کی ہزیمتوں کا عار مٹا سکے، بحر ہند میں اہل یورپ کی سازشوں اور ان کی برانگیختگی سے متاثر ہو کر شاہ ایران ایسا اقدام کرتا، آرمینیا اور جارجیا میں جو قدرتی پناہ گاہیں شاہ ایران کو میسر تھیں ان کے بھروسے وہ معاہدہ شکنی کی جرأت کرتا تھا[۴۸]

---

[۴۷] براؤن: تاریخ ادبیات ایران در عہد جدید صفحہ ۱۵۳، ۱۵۴

[۴۸] محمد عبداللطیف بحراوی: فتح العثمانیین عدن صفحہ ۲۱۴

شاہ طہماسپ کے بعد عثمانیوں اور صفویوں کے تعلقات

۹۸۴ھ ۱۵۷۶ء میں صفوی سلطنت کے دوسرے تاجدار طہماسپ کا انتقال ہوا، طہماسپ کے بعد صفوی سلطنت اندرونی انتشار اور انارکی کا شکار رہی، ۹۹۶ھ میں شاہ عباس اول (عباس کبیر) ایران کا فرماں روا ہوا، عباس اول صفوی سلاطین میں سب سے زیادہ اقبال مند اور طاقتور سلطان مانا گیا ہے، اس کے دور میں صفوی سلطنت بام عروج کو پہنچی، عباس اول کی تخت نشینی سے پہلے ہی سلطان مراد ثالث (۹۸۲ھ ۱۰۰۴ھ) نے ایران کی صورتحال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دولت صفویہ کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کر لیا، عباس اول کے ابتدائی دور میں بھی عثمانی افواج کی پیش قدمی جاری رہی عباس کبیر نے صورت حال کی نزاکت محسوس کر کے سلطان مراد ثالث سے ۹۹۸ھ میں مغلوبانہ صلح کر لی جس کی رو سے جارجیا، شروان، لورستان، شہر تبریز اور آذربیجان کا ایک حصہ دولت عثمانیہ میں شامل ہو گیا، اس صلحنامہ کی ایک دفعہ یہ تھی کہ آئندہ اہل ایران خلفاء ثلثہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ بن الخطاب، حضرت عثمانؓ بن عفان کے خلاف تبرا بازی بند کر دیں۔[۴۹]

شاہ عباس صفوی اور دول یورپ

عباس صفوی نے ترکوں سے صلح کرنے کے بعد ازبکوں سے کامیاب جنگیں کیں، اس نے صلح کے وقفہ کو غنیمت سمجھ کر ایک طرف شاہان یورپ سے گہرے سیاسی روابط پیدا کئے دوسری طرف یورپین جرنیلوں کی مدد سے ایرانی افواج کو جدید فنون حرب اور طریقۂ جنگ کی ٹریننگ دلوائی، دائرہ معارف اسلامیہ کا مقالہ نگار لکھتا ہے "عباس نے اللہ وردی خاں کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ دربار ایران کے ایک انگریز طالع آزما رابرٹ شرلے کے مجوزہ خطوط پر فوج کی از سر نو تنظیم کرے ..... عباس نے یورپی ممالک اور ہندوستان کے ساتھ قریبی سفارتی تعلقات قائم کر رکھے تھے، لیکن اس کی یہ کوشش کہ ترکوں کے خلاف ایک یورپی اتحاد قائم کیا جائے ناکام رہی ..... ۱۰۰۷ھ / ۱۵۹۸ء، ۱۵۹۹ء میں رابرٹ کے بھائی

---

۴۹ ڈاکٹر محمد عزیر: دولت عثمانیہ جلد اول صفحہ ۲۰۱ (مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڈھ ۱۹۴۰ء)

سرانتھونی شرلے کو ایرانی سفیر حسین علی بیگ بیات کے ہمراہ یورپ روانہ کیا گیا، یہ لوگ پراگ وینس، روم، لادولد اور لزبن گئے، اس کے جواب میں ہسپانیوں، پرتگیزوں اور انگریزوں نے بھی اپنے سفیر بھیجے، آخر الذکر حکومت کا ایلچی سر ڈوڈ مور کاٹن دربار ایران میں پہلا باضابطہ انگریزی سفیر مقرر ہوا ہے۵۰

عباس اول کے دور میں انگریز پرتگالیوں کے زبردست حریف بن کر بحر ہند اور خلیج فارس میں نمودار ہوئے، انگریزوں نے اپنی فوجی برتری اور بے پناہ سیاسی مہارت سے کام لے کر پرتگیزوں کو بحر ہند سے بے دخل کرنا شروع کر دیا، عباس کبیر نے برطانیہ سے زیادہ مراسم بڑھائے ۱۰۳۰ھ میں برطانوی امداد سے جزیرہ ہرمز پرتگیزوں سے خالی کرایا ۵۱

عثمانیوں سے جنگ

افواج کی تنظیم نو کے بعد جب عثمانی افواج یورپ کے محاذ پر مسلسل حرب و ضرب کے نتیجہ میں درماندہ و خستہ ہو رہی تھیں شاہ عباس اول نے معاہدۂ صلح توڑ کر دولت عثمانیہ پر حملہ کر دیا اور اپنے کھوئے ہوئے علاقے واپس لے لئے دولت عثمانیہ کے خلاف شاہ عباس کو حملہ پر آمادہ کرنے میں برطانیہ کا بڑا ہاتھ تھا، علی حسون لکھتے ہیں "یہ بات قابل ذکر ہے کہ انگریزی تحریک اور پشت پناہی سے شاہ عباس نے دولت عثمانیہ پر ایسے وقت حملہ کیا جب دولت عثمانیہ یورپ میں فتوحات میں مشغول تھی، تاکہ اہل یورپ پر عثمانیوں کے دباؤ میں کمی آئے اور مسلمانوں کو آپس میں ٹکرا کر برطانیہ ایران میں پیر ٹکانے کی جگہ بنا سکے" ۵۲

ایران کا منفی کردار

صفویوں اور عثمانیوں کی مسلسل آویزش سے اسلام دشمن طاقتوں کو غیر معمولی فائدہ پہنچا، عثمانیوں نے صلیبی طاقتوں کے مقابلہ میں جو مضبوط مورچے قائم کر رکھے تھے ان میں

---

۵۰ اردو دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب لاہور جلد ۱۲ صفحہ ۲۸، ۲۹، ۳۰۔

۵۱ حوالۂ بالا صفحہ ۲۹۔

۵۲ ڈاکٹر علی حسون: تاریخ الدولۃ العثمانیہ صفحہ ۶۵

ناقابل بیان حد تک کمزوری پیدا ہوئی، بحر روم اور بحر ہند سے مسلمانوں کی بالادستی ختم ہو گئی مغربی سامراج کو مشرق کو روندنے کچلنے اور مشرقی اقوام کو غلام بنانے کا پورا موقع ہاتھ آیا ایران میں قاچاری اور پہلوی شہنشاہیت دراصل صفوی سلطنت کا تتمہ تھی، قاچاری اور پہلوی حکمرانوں نے بھی اپنی خارجہ پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں کی، ان لوگوں نے بھی عثمانیوں کی دشمنی میں اہل یورپ کو اپنا قدرتی حلیف تصور کیا۔

صفویوں نے ایرانی قومیت کو بیدار کر کے ایران کو عالم اسلام سے الگ تھلگ کر دیا، اس لئے ایران اسلام دشمن طاقتوں کی امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز بن گیا، اہل یورپ کو ایران کی سیاست خارجہ سے ہمیشہ بے پناہ فائدہ پہنچا، ایران کے ایک شیعہ شاعر نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ایرانیوں کو حضرت عمرؓ سے جو عداوت ہے اس کا سبب صرف یہی نہیں ہے کہ انھوں نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہ کے حقوق کو غصب کیا بلکہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے ایران کو فتح کر کے ساسانی خاندان کا خاتمہ کر دیا، رضائے کرد کہتا ہے ؎

بشکست عمر پشت ہژبران عجم را ۔۔۔ برباد فنا داد رگ و ریشۂ جم را

ایں عربدہ بر غصب خلافت ز علیؓ نیست ۔۔۔ با آل عمر کینہ قدیم است عجم را[۳۲]

تاریخ اسلام میں ایران کے منفی کردار کی وجہ سے امت مسلمہ کو برابر زبردست نقصانات اٹھانے پڑے دیکھئے ایران عالم اسلام میں یہ منفی کردار کب تک پیش کرتا رہے گا؟

[۳۲] براؤن: تاریخ ادبیات ایران در عہد جدید صفحہ ۴۸، ۹۴

ڈاکٹر خالد محمود
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

حضرات شہیدین کی تحریک جہاد

[ہر زمانہ میں جو مقبول دینی سلسلہ ہوتا ہے سنت الٰہی یہی رہی ہے کہ اسے سخت مخالفتوں اور افتراپردازیوں کے درمیان کام کرنا ہوتا ہے۔ اس سنت الٰہی میں اس سلسلہ کے وابستگان کے لئے بہت سے مفید پہلو پنہاں ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں دین کی تجدید واحیاء کا کام جن بندگان خدا سے لیا گیا ان سب کے ساتھ بھی یہی سنت دہرائی گئی، اولاً حضرت مجدد الف ثانیؒ اور پھر حضرت شاہ ولی اللہؒ حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمہم اللہ پر طرح طرح کے الزامات لگائے گئے — اللہ کے باتوفیق بندوں نے عام مسلمانوں کو بدظنی وغلط فہمی سے سے بچانے کے لئے ان کے جوابات بھی دیئے۔ حضرات شہیدین (سید احمد شہید و شاہ اسمٰعیل شہید) کی تحریک جہاد کے بارے میں ایک بات اکثر بعض حلقوں کی طرف سے دوہرائی جاتی رہتی ہے کہ اس کا رخ تو صرف سکھوں کی طرف تھا، انگریزوں کے خلاف جدوجہد اس کے پروگرام میں شامل ہی نہیں تھی بلکہ ان سے تو درپردہ سازباز کرلی گئی تھی —— اس بارے میں حقیقت کو واضح کرنے کے لئے بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔ الفرقان کی فائلوں میں کئی مضامین اس سلسلہ میں محفوظ ہیں، ذیل میں اس سلسلہ کا جو مضمون ہم قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں وہ ڈاکٹر خالد محمود، ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی ایک کتاب "شاہ اسمٰعیل شہید" (صلاے تا صداء) سے ماخوذ ہے۔ بحیثیت مجموعی پوری کتاب لائق مطالعہ ہے۔] مدیر

تحریک کا نصب العین اور طریق کار

اس تحریک جہاد کا نصب العین پورے ہندوستان کو غیر مسلم قبضے سے چھڑانا اور اس میں قرآن وحدیث کا عادلانہ نظام لانا تھا۔ چونکہ اس وقت

ہندوستان کی مرکزی غیر مسلم طاقت انگریز تھے۔ یہ مجاہدین چاہتے تھے کہ اس مرکزی طاقت سے ٹکر لینے سے پہلے اپنا ایک مضبوط مرکز کہیں قائم ہو جائے۔ یہ مرکز دہلی یا وسط ہند میں قائم کرنا مشکل تھا۔ اس کے لئے ایسے مقام کی ضرورت تھی جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو اور ان حدود کے قریب کوئی آزاد مسلم ملک بھی ہو۔ قائدین تحریک بیک وقت اپنی تمام مخالف قوتوں کو جگانا نہ چاہتے تھے۔ انھوں نے اس عظیم نصب العین کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ پہلا محاذ سکھوں کے مقابلہ میں کھولا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر انھیں پنجاب میں غلبہ مل جاتا ہے تو پھر پورے ہندوستان کی جنگ آزادی بڑی کامیابی سے لڑی جا سکتی ہے۔ اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ یہ قائدین تحریک جب دہلی سے روانہ ہوں گے تو راستے میں مختلف مقامات کے سینکڑوں مسلمان ان کے ساتھ ہوتے جائیں گے۔ پورے ملک میں آزادی کی ہر دوڑ جائے گی اور چونکہ براہ راست "ٹکر" انگریزوں سے نہیں سکھوں سے ہوگی اس لئے انگریز ابھی سے سامنے نہ آئیں گے۔

ادھر انگریز بھی بہت ہوشیار تھے وہ براہ راست "ٹکر" لینے کی بجائے دوسروں سے ہی اس تحریک جہاد کو دبوانا چاہتے تھے۔ سکھوں کو ان کی سرپرستی حاصل تھی اور وہ سکھوں کو یہ تاثرات دے رہے تھے کہ مسلمانوں نے اپنے دور اقتدار میں سکھوں پر بہت ظلم کئے تھے اس لئے اب انھیں مسلمانوں کو کسی قیمت میں برداشت نہ کرنا چاہیے۔ حضرت سید احمد بریلویؒ اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا طریق کار یہ تھا کہ پہلا محاذ سکھوں کے خلاف کھولا جائے اور پنجاب پر قبضہ کر کے پھر پورے ہندوستان کی جنگ آزادی لڑی جائے۔

تحریک کی اصولی منزل

مجاہد کبیر حضرت سید احمد بریلویؒ نے شاہ بخارا کے نام جو خط لکھا وہ مکاتیب شاہ اسمٰعیل شہیدؒ میں موجود ہے۔ اس میں تحریک کے اس نصب العین پر کافی شہادت ملتی ہے کہ یہ حضرات بالآخر سارے ہندوستان کی آزادی چاہتے تھے، اس خط میں ہے:

"ہرگاہ بلاد اسلام در دست کفار لئام افتد بر جماہیر اہل اسلام عموماً و مشاہیر حکام خصوصاً واجب و موکد می گردد کہ سعی و کوشش در مقابلہ و مقاتلہ آنہا بجا آرند تا وقتیکہ بلاد مسلمین را از قبضہ ایشاں بر آرند والا آثم و گناہگار می شوند دعا می و ستمگار واز درگاہ قبول مردود

می گردند واز ساحت قرب مطرود" ؎

(ترجمہ) "جب اسلامی علاقے کافروں کے قبضے میں چلے جائیں تو جمہور اہل اسلام پر عموماً اور مشاہیر حکمرانوں پر خصوصاً واجب ہو جاتا ہے کہ ان کے مقابلہ اور مقاتلہ میں کوشش اور عمل بجالائیں یہاں تک کہ بلاد مسلمین کو ان کے قبضہ سے چھڑا لیں ورنہ گنہگار نافرمان اور ظالم ٹھہریں گے۔ بارگاہ قبول میں مردود ہونگے اور قرب حق کے میدان سے دور پھینکے جائیں گے"۔

اگر سکھ غیر مسلم تھے جو پنجاب پر قابض تھے تو انگریز بھی تو غیر مسلم تھے جو سارے ہندوستان پر چھا رہے تھے۔ اس خط میں سبب جہاد بلاد اسلام کو غیر مسلم قبضے سے چھڑانا لکھا ہے۔ پس جو سبب سکھوں کے خلاف موجب جہاد تھا وہ انگریزوں کے مقابلہ میں بھی کارفرما تھا۔ یہ صرف طریق کار کی ترتیب تھی کہ پہلی ٹکر سکھوں سے لی گئی۔

مجاہدین سرحد کی طرف روانہ ہوئے، جہاں جہاں سے یہ حضرات گزرتے سینکڑوں مسلمان ان کے ساتھ ہوتے جاتے اور تحریک کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا۔ اگر یہ تحریک دہلی سے شروع کی جاتی تو تحریک دو دن سے زیادہ آگے نہ جاتی ورنہ کون نہیں جانتا کہ مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت سید احمدؒ اپنے شیخ طریقت قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے فتوے کے مطابق پورے ہندوستان کو دارالحرب سمجھتے تھے۔ شاہ بخارا کو یہ بھی لکھا ہے:

کفار فرنگ کہ بر سر ہندوستان تسلط یافتہ اند نہایت تجربہ کار و ہشیار و حیلہ باز و مکار اند اگر بر اہل خراسان بیائند بہ سہولت تمام جمیع بلاد آنہا را بدست آرند باز حکومت آنہا بولایت آنجناب متصل گردد واطراف دار الحرب بہ اطراف دار الاسلام متحد شود" ؎

(ترجمہ) "انگریز کفار جو ہندوستان پر غلبہ پا چکے ہیں بہت تجربہ کار ہشیار، حیلہ باز اور مکار ہیں، اگر اہل خراسان کے پاس آئیں تو بہت آرام سے ان کے تمام علاقے اپنے قبضے میں لے لیں گے پھر ان کی حکومت آپ کی مملکت تک بھی جا پہنچے گی اور دار الحرب اور دار الاسلام کے

؎ مکاتیب شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ص۔ مکاتیب سید احمد شہید ص۲۶ جانب اول

؎ مکاتیب سید احمد شہید ص۲۸ جانب اول

کنار، باہم جامیں گے“

اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت سید احمد بریلویؒ اور حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا نظریہ انگریزوں کے بارے میں کیا تھا۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حضرات صرف سکھوں کے خلاف تھے۔ انگریزوں کے خیر خواہ تھے۔ ان کی یہ سوچ حقیقت سے بہت دور ہے۔ نہایت افسوس ہے کہ اس فکری کشمکش میں ان لوگوں نے اس خط میں بھی تحریف کر دی اور کفار فرنگ کی بجائے کفار درازمویاں (لمبے بالوں والے کافر یعنی سکھ) اور ہندوستان کی بجائے پنجاب لکھ دیا۔ اور عبارت یوں بنا دی: ”کفار درازمویاں کہ بر ملک پنجاب تسلط یافتہ اند“[1]

دین کی معمولی بصیرت رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ مسئلہ جہاد میں لمبے بالوں کا کوئی دخل نہیں کافر لمبے بالوں والے ہوں یا چھوٹے بالوں والے حکماً سب ایک سے ہیں۔ یہ کوئی وجہ فارق نہیں جو یہاں ذکر کی گئی ہے پھر تاریخ گواہ ہے کہ سکھوں کو کبھی تجربہ کار اور عقلمند و ہشیار نہیں کہا گیا پس یہ عبارت اپنے سیاق سے بتا رہی ہے کہ اس میں تحریف ہوئی ہے۔

حضرت سید احمد بریلویؒ اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے خطوط میں ایک اور جگہ انگریزوں کا یہ ذکر ملتا ہے:

> نصاریٰ نکوہیدہ خصال و مشرکین بد مآل بر اکثر بلاد ہندوستان از لب دریائے اباسین تا ساحل دریائے شور کہ تخمیناً شش ماہ راہ باشد تسلط یافتند و دام تشکیک و تزویر برائے اخمال دین رب خبیر نہادند۔ و تمامی آں اقطار بہ ظلمات ظلم و کفر مشحون گردانیدند[2]

(ترجمہ) ”بدخصلت انگریز اور بدانجام مشرک ہندوستان کے بیشتر علاقوں پر دریائے اباسین سے دریائے شور تک کہ تقریباً چھ ماہ کے سفر کا فاصلہ ہوگا قابض ہو چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کی پامالی کے لئے تشکیک و فریب کا جال بُن چکے ہیں یہ تمام علاقے

---

[1] تواریخ عجیبہ صـ۱۷۵

[2] مکاتیب سید احمد شہید صـ۲۵ جانب اوّل

ظلم وکفر کی تاریکیوں سے بھر چکے ہیں"

یہاں، مشرکین اور نصاریٰ دونوں کا ذکر بڑی صراحت سے موجود ہے۔ افسوس کہ اس عبارت کو بھی ان لوگوں نے یوں بدل دیا:

سکھاں نکوہیدہ خصال و مشرکین بد مآل بر اکثر اقطاع غربا ہندوستان.. تسلط یافتند[1]

(ترجمہ) بدخو سکھ اور بد انجام مشرکین ہندوستان کے بیشتر غربی علاقوں پر قبضہ پا چکے ہیں۔

یہاں اکثر اقطاع غربا ہندوستان کے الفاظ محض اس لئے لائے گئے کہ پنجاب کی طرف اشارہ ہو سکے اور انھیں کسی نہ کسی طرح سکھوں سے متعلق کیا جا سکے، ورنہ اصل الفاظ اکثر بلاد ہندوستان تھے۔

تحریک کا رخ انگریزوں سے ہٹانے کی کوشش

تواریخ عجیبہ میں اس تحریک کا رخ انگریزوں سے ہٹانے اور اسے صرف سکھوں تک محدود رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ تحریف خود تواریخ عجیبہ کے مصنف سے سرزد ہوئی یا کسی اور نے دیدہ و دانستہ اسے ان کی کتاب میں جگہ دے دی اور کسی سیاسی مصلحت اور اختلاف عقیدہ کے باعث یہ مضامین بدلے گئے۔ یہ اس وقت موضوع بحث نہیں لیکن یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ تحریف ضرور ہوئی، مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی اپنی تحریرات تواریخ عجیبہ کی نقل سے بدرجہا زیادہ معتبر ہیں، وہ خود صاحب واقعہ ہیں اور تواریخ عجیبہ ان کے کافی بعد کی تالیف ہے، ہاں اس سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ شہداء بالاکوٹ کی تحریرات شروع سے ہی مخالفین کا تختۂ مشق بنی رہی ہیں اور وہ ان میں لفظی و معنوی تحریف کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔

امیر تحریک حضرت سید احمدؒ کے ایک مرید شیخ غلام علی الہ آبادی تھے۔ یہ حضرت سید صاحب کے ساتھ جہاد میں نہ گئے تھے۔ سید جعفر علی نقوی جہاد کو جاتے ہوئے انھیں بستہ میں ملے تھے۔ شیخ غلام علی مرحوم نے اس ملاقات میں سید جعفر علی صاحب سے اپنے اس خیال

---

[1] تواریخ عجیبہ ص ۱۸۹، ص ۱۹۰

اس خط میں آپ نے صراحت سے انگریزوں کو غاصب قرار دیا ہے اور ان سے ملک کو آزاد کرانا اپنا نصب العین قرار دیا ہے۔ ہندوستان کی کافر قومیں (سکھ وغیرہ) انگریزوں کی حلیف تھیں اس لئے آپ نے انھیں ایک ہی صف میں شمار کیا ہے۔

مولانا اسمٰعیل شہید نے میر شاہ علی کے نام جو خط لکھا وہ بھی ان مکاتیب میں موجود ہے مولانا شہیدؒ بھی سکھوں اور انگریزوں کو ایک ہی صف قرار دیتے ہیں۔

"کسے از کفار سکھ و فرنگ ہم ادعای ایں قبائح در ذات آنجناب نمی تواند کرد"

(ترجمہ) سکھوں اور انگریزوں میں سے کوئی بھی آنجناب کے بارے میں اس قسم کی برائیوں کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ مکاتیب ص۵۵ جانب اول

ان تحریرات سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ان حضرات کے پیش نظر پورے ہندوستان کی آزادی تھی۔ سکھ اور انگریز ان کے مقابل کی صف تھے۔ سکھوں کے بعد ان کا عزم ہندوستان کی طرف بڑھنے کا تھا پس جن لوگوں نے اس تحریک کو صرف سکھوں تک محدود سمجھا انھوں نے حالات کا تجزیہ کرنے میں بڑی ٹھوکر کھائی ہے۔ سب سے پہلے یہ خیال سر سید احمد خاں نے ظاہر کیا تھا مگر واقعات اس تاویل کا ساتھ نہیں دیتے۔ اس کا مقصد محض یہ تھا کہ قوم کا ذہن انگریزی اقتدار کی طرف متوجہ نہ ہو سکے اور شہدائے بالاکوٹ کو محدود اسلامی نظریے کے الزام میں بدنام کیا جا سکے۔ حق یہ ہے کہ ان حضرات کا رویہ پوری حکومت برطانیہ کے خلاف تھا اور وہ حسن تدبیر سے پورے ہندوستان کو غیر مسلم قبضے سے چھڑانے کی اسلامی فکر میں تھے اور یہ تحریک صحیح معنوں میں ایک اسلامی جہاد تھا۔

شیخ الہندؒ کی ریشمی رومال کی تحریک کا جو ریکارڈ لندن کے انڈیا آفس سے حال ہی میں عام ہوا ہے اس میں برطانوی حکومت کے پولٹیکل نمائندے مسٹر وی ویان کا بیان بھی اس تحقیق کی پوری تائید کرتا ہے۔

مجاہدین: یہ نام ہندوستان کے متعصب وہابیوں کی ایک بستی کے رہنے والوں کو دیا گیا ہے جو آزاد علاقہ میں یوسف زئی قبائل کے درمیان ہے۔ یہ بستی ۱۸۲۳ء میں وہابی لیڈر سید احمد شاہ بریلوی نے قائم کی تھی۔ اس وقت سے اس کے اراکین کا رویہ حکومت برطانیہ کے

ساتھ جنگ اور خصومت کا ہے،، ریشمی خطوط سازش کیس ص۱۶۵

انگریز بار بار انھیں وہابی کہہ کر عام مسلمانوں میں ان کے خلاف ایک خاص فضا پیدا کرنا چاہتے تھے انھیں عام مسلمانوں کو یہ باور کرانا تھا کہ یہ لوگ عام مسلمانوں سے الگ ہیں۔

اگر یہ مجاہدین انگریزوں کے خلاف نہ تھے صرف سکھوں کے خلاف تھے تو انگریز ان کے خلاف اس قدر سیخ پاکیوں تھے پھر سکھوں کی حکومت تو معرکہ بالاکوٹ کے ۱۸ سال بعد ختم ہوگئی تھی لیکن مجاہدین کا کیمپ اس کے بعد تک کیوں قائم رہا اور انگریز آخر دم تک اسے اپنے خلاف ایک ناقابل تسخیر مورچہ کیوں سمجھتے رہے۔

ولیم ولسن ہنٹر لکھتا ہے:

یہ تحریک کسی رہنما کی موت و حیات سے بالکل مستغنی ہوگئی تھی[۱]

قائد تحریک حضرت سید احمد شہیدؒ کے بارے میں ان کی زبان ملاحظہ ہو:

رائے بریلی کا قزاق اور ڈاکو سید احمد مراسم حج ادا کرنے کے بعد مکہ سے ۱۸۲۲ء میں اس عزم کے ساتھ لوٹا کہ پورے شمالی ہندوستان کو پرچم اسلام کے زیر نگیں لے آئے گا[۲]

حضرت سید احمد پہلے وسط ہند میں بھی انگریزوں کے خلاف صف آرا رہ چکے تھے آپ پنڈاری سردار امیر خاں کے ساتھیوں میں سے تھے۔ سردار امیر خاں سلطان ٹیپو کے بعد انگریزوں کا سب سے بڑا مخالف سمجھا جاتا تھا امیر خاں کی فوج منتشر ہوئی تو حضرت سید احمد نے اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کو صورت حال سے مطلع کر دیا اور واپس دہلی پہونچے مسٹر الف کیرو (OLAF CAROE) لکھتا ہے:

سید احمد بریلوی بدنام زمانہ امیر خاں کا پیرو تھا جس نے وسط ہند میں پنڈاروں کے خلاف انگریز کی مہم کے زمانہ میں کرایہ کے سپاہیوں کا ایک جتھہ جمع کر لیا تھا۔ امیر خاں کی فوج منتشر ہونے کے بعد سید احمد کو اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑا[۳]

---

[۱] ہمارے ہندوستانی مسلمان ص۳۹ [۲] ڈکشنری آف اسلام مصنفہ ہیوگس [۳] دی پٹھان ص۳۰۱

اس عبارت کا ایک ایک لفظ حضرت سید احمد شہیدؒ کے خلاف نفرت میں ڈوبا ہوا ہے تحقیر کا کوئی انداز نہیں جو لکھنے والے نے پیچھے رہنے دیا کیا اب بھی مجاہدین بالاکوٹ کی انگریز دشمنی کسی پردے میں ہے وسط ہند کی یہ سلگتی چنگاری کیا اب بھی تحریک کو شمالی ہند تک محدود رکھے گی؟ کیا اب بھی کوئی شبہ باقی ہے کہ سکھوں کی مخالفت انگریزوں سے توجہ کو ہٹانے کے لئے تھی۔

اہل خبرت پر مخفی نہیں کہ حضرت سید احمد ایک نہایت معزز اور معروف خاندان کے ہونہار فرزند تھے ان کی خاندانی عظمت کو پامال کرنا اور کرائے کا سپاہی کہہ کر ان کی عزت نفس پر حملہ کرنا مخالفین کی اندرونی گراوٹ کا پتہ دیتا ہے آپ ایک خط میں جو آپ نے ۱۲۴۵ھ میں علماء پشاور کے نام لکھا تھا اپنے خاندان کے بارے میں لکھتے ہیں:

ایں فقیر و خاندان فقیر در بلاد ہندوستان گمنام نیست الوف الوف انام از خواص و عوام ایں فقیر و اسلاف ایں فقیر را می دانند[1]

(ترجمہ) یہ فقیر اور اس کا خاندان ہندوستان میں غیر معروف نہیں خاص و عام کروڑوں لوگ اس فقیر اور اس کے خاندان کو جانتے ہیں۔

اس تحریر کا ایک ایک لفظ حضرت سید صاحب کی خاندانی عظمت کا پتہ دے رہا ہے مگر پی ہارڈی P. HARDY کی تعصب بھری تحریر بھی دیکھئے اور پھر اس قوم کی تہذیبی حالت کا اندازہ کیجئے۔

سید احمد ایک غیر معروف خاندان میں پیدا ہوئے جو شاید معمولی درجہ کے ملازمت پیشہ لوگ تھے ۱۸۰۹ء سے ۱۸۱۸ء تک وہ پنڈاری سردار امیر خاں کی فوج میں جو بعد میں ٹونک کے نواب ہوئے ایک سپاہی رہے اس عرصہ میں شاید ہی کوئی ایسی بات تھی جو انہیں دوسرے پنڈاری قزاقوں سے ممتاز کرتی۔

اس تمام بغض و نفرت کے باوجود مسٹر پی ہارڈی نے اعتراف کیا ہے کہ اس تحریک

---

[1] مکاتیب سید احمد شہید ص ۱۱۶

کا مقصد صرف شمالی ہند پر اسلام کی پرچم کشائی نہ تھی ان کے پیش نظر پورے ہندوستان کی فتح تھی وہ صرف کسی ایک گروہ کے اقتدار کے لیے جدوجہد نہ کر رہے تھے، بلکہ ان کے سامنے پورے اسلام کی سربلندی تھی پ ہارڈی لکھتا ہے

"سید احمد بریلوی کا مقصد مغلوں یا مغل اشراف کی بحالی نہیں بلکہ ہندوستان کی سرحد پر قرون اولیٰ کی اسلامی سوسائٹی کا ایک نمونہ پیش کرنا تھا انھیں یقین تھا کہ یہ نمونہ مسلمانوں کو ایسا فیضان بخش سکتا ہے کہ ایک دن وہ ہندوستان کو اللہ کے لیے فتح کریں گے ان کے پیغام نے اعلیٰ طبقوں کو نہیں بلکہ ہندوستان کی مسلم سوسائٹی کے نچلے طبقے کو متاثر کیا[1]

والفضل ما شهدت به الأعداء

مشائخ پنجاب کی شہادت

ضلع جہلم پنجاب میں للہ شریف ایک معروف خانقاہ ہے جس کے بانی اور سجادہ نشین خواجہ فیض بخش رحمہ اللہ (۱۲۸۲ھ) مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ آپ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے شاگرد تھے نقشبندی سلسلہ میں آپ نے حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری (۱۲۷۰ھ) سے اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں آپ نے حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے خرقہ خلافت پایا حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے شاگرد ہونے کے لحاظ سے آپ جتنے حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے قریب ہو سکتے تھے۔ شاید ہی اہل پنجاب سے کسی نے آپ کو قریب سے دیکھا ہو، آپ کے خاندان کے فرد فاضل محمد حسین للہی لکھتے ہیں:

احمد شاہ ابدالی کے پوتے زماں شاہ کے عہد حکومت میں سکھوں کی سرداری رنجیت سنگھ کو حاصل ہوئی رنجیت سنگھ نے اپنی تدبیر اور مار دھاڑ سے جنوب میں ستلج تک اور شمال میں کشمیر اور پشاور تک اپنی حکومت کو وسعت دی ۱۸۱۸ء میں ملتان پر قبضہ کیا اور افغانستان کی افراتفری سے فائدہ اٹھا کر ۱۸۱۹ء میں کشمیر اور ۱۸۳۴ء

[1] ایضاً ص ۵۸ مطبوعہ ۱۹۷۲ء کے ۱۲۹۳ھ ــــ ۱۶۹۹ء تک

میں پشاور فتح کر لیا۔

اسی زمانہ میں رائے بریلی کے ایک دینی خاندان کے فرد سید احمد شہید اور دہلی کے مشہور بزرگ شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے شاہ اسمٰعیل شہید نے دہلی، دوآبہ اور بنگال کے مسلمان مجاہدین کا ایک لشکر جمع کیا اور اس سرزمین کو غیر مسلم طاقتوں (سکھوں اور انگریزوں) کے پنجہ سے آزاد کرانے کی غرض سے سلسلہ جہاد شروع کر کے قرن اول کے مسلمانوں کی یاد تازہ[1] کر دی۔

بریکٹ کے اندر کے الفاظ سکھوں اور انگریزوں کے پنجہ سے آزاد کرانے کی غرض سے سلسلہ جہاد صاف بتلا رہے ہیں کہ آپ حضرات کی غرض غیر مسلم طاقتوں کی پامالی تھی۔ انگریزوں کی حمایت میں سکھوں کے خلاف دلڑ رہے تھے، سکھ اور انگریز ان دنوں حلیف طاقتیں تھیں اور دونوں مسلمانوں کے حریف تھے، شہدائے بالاکوٹ کا مقصد سکھوں کو شکست دے کر پورے ہندوستان سے انگریزی استعمار کو ختم کرنا تھا۔

خانقاہ للہ شریف کے یہ بزرگ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

تیرہویں صدی کی ابتدا میں ۱۲۰۱ھ (۱۷۸۶) میں وسط ہند رائے بریلی (اودھ) میں سید احمد شہید پیدا ہوئے، خاندان ولی اللہی کے تربیت یافتہ تھے اور جنھوں نے مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو جہاد اور تیغ وسناں کے ذریعہ حاصل کرنا چاہا اور لشکر مجاہدین کے ساتھ اس حصہ شمالی مغربی ہند میں ۱۸۳۱ تک مصروف رہے شہادت کا درجہ پایا[2]

کیا اب بھی کسی تامل کی گنجائش ہے کہ ان حضرات کی سکھوں سے پنجہ آزمائی محض انگریزوں کو خوش کرنے کے لئے تھی خدا التعصب کا برا کرے اس نشہ میں انسان کہاں تک گر جاتا ہے

ضروری نوٹ

ڈاکٹر خالد محمود کی یہ تصنیف "شاہ اسمٰعیل شہید" مکتبہ دارالمعارف اردو بازار لاہور سے شائع ہوئی ہے۔ وہیں سے حاصل کی جاسکتی ہے، ادارہ الفرقان فراہم نہیں کر سکتا

ناظم ادارہ

[1] حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی ص ۲۸۲ اسلامک بک فاؤنڈیشن سمن آباد لاہور [2] ایضاً ص ۲۸۴

حکمتِ دعوت

از ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ

فرمایا۔۔۔۔ بعض حضرات کو ہماری اس دعوت ایمان کی گہرائیاں معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس سے لگاؤ نہیں ہے اور اس کے بجائے دین کے بعض ان احکام و مسائل کی ترویج کی کوشش کو زیادہ اہم سمجھتے ہیں جن میں مسلمانوں سے کوتاہیاں ہو رہی ہیں۔ مثلاً۔۔۔۔ صاحب اور ان کے اہل حلقہ کی نظر میں خاص طور سے شریعت کے فلاں فلاں خاص احکام کی ترویج اور رسوم بد کی اصلاح بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے تو ایسے حضرات کے ساتھ طریقہ عمل یہ ہونا چاہیے کہ میوات میں ان احکام و مسائل کی کوشش اور اصلاح رسوم کی سعی کے واسطے ہی ان کو اٹھایا جائے۔ ابھی تک میوات میں ترکہ کی تقسیم کے بارے میں بڑی کوتاہی ہے۔ شریعت کے مطابق ترکہ تقسیم کرنے کا رواج بہت کم ہو سکا ہے، ایسی ہی اور بھی بہت سی بری رسمیں ابھی رائج ہیں مثلاً ابھی تک گوتھ میں شادی کرنے کا رواج نہیں ہوا ہے۔

تو۔۔۔۔ صاحب اور ان کے متبعین کو میوات میں ان ہی احکام کے پھیلانے کے واسطے اٹھایا جائے اور ان کو یہ تبلایا جائے کہ یہ میواتی لوگ اس تبلیغی دعوت سے ایک درجہ میں مانوس ہو چکے ہیں اور کسی درجہ میں اس کو اپنا چکے ہیں، پس اگر آپ ان کے اس تبلیغی کام کی تھوڑی سی بھی سرپرستی فرمائیں گے تو پھر انشاء اللہ آپ کے ان مخصوص اصلاحی مقاصد اور اصلاح رسوم کے کام میں ان سے آپ کو بہت مدد ملے گی اور ان کے ذریعہ آپ میوات میں ان احکام و مسائل کی ترویج اور رسوماتِ جاہلیت کی اصلاح کا کام آسانی سے کر سکیں گے

اس طرح ان حضرات کو ہماری تبلیغی مہم کی گہرائیوں اور وسعتوں کو سمجھنے اور اس کے اثرات و نتائج کا مشاہدہ کرنے کا بھی موقع مل جائے گا اور پھر انشاء اللہ ان کو اس طرف بھی توجہ ہو جائے گی۔

ALFURQAN MONTHLY
31, NAYA GAON WEST
UCKNOW-226 018 (INDIA)

Regd.No.LW/NP-62
Vol. 55 No. 6
June- 1987

سرپرست:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

Rs. 3/

جلد ۵۵ ـ شمارہ ۷

جولائی سنہ ۱۹۸۶ء
مطابق
ذیقعدہ سنہ ۱۴۰۶ھ

فی شمارہ -/۳

سالانہ چندہ

برائے ہندوستان -/۳۰ پاکستان -/۴۰

برائے بیرونی ممالک

بحری ڈاک -/۷۵ (-/5 پونڈ) ——

ہوائی ڈاک -/۱۶۰ (-/10 پونڈ)

اگر اس دائرہ ◯ میں سرخ نشان

ہے تو اس کا مطلب یہ کہ آپکی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا اطلاع مہینے کے آخر تک موصول نہ ہونے کی صورت میں اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی روانہ ہو گا

خط و کتابت یا ترسیل کا پتہ

دفتر: ماہنامہ "الفرقان"
۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:
ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور

محمد حسان نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی ـ لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہ اولیں

مدیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا "بدأ الاسلام غریبًا وسیعود غریبًا کما بدأ، فطوبیٰ للغرباء"۔ اس ارشاد نبوی کا مفہوم ہے کہ اسلام اپنے مزاج، اپنے منشا، اپنے مقصد اور اپنے طریق کار کے لحاظ سے اپنے ابتدائی دور میں دنیا کے عام لوگوں کے لئے بالکل اجنبی اور نامانوس تھا لوگوں کے لئے اس کو صحیح طور پر سمجھنا آسان نہیں تھا (پھر وہ دور آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست جدوجہد اور معجزانہ تربیت کے نتیجہ میں اسلام کی یہ اجنبیت ختم ہوتی گئی اور دنیا کے لوگ اس کے مزاج سے مانوس ہو گئے) لیکن تھوڑی مدت کے بعد ایک بار پھر پہلے ہی کی طرح اسلام کی حقیقت لوگوں کے لئے اجنبی اور نامانوس ہو جائے گی۔ اس زمانہ میں جو لوگ اس اجنبی اسلامی مزاج کو مضبوطی سے تھامے رہیں گے اور بجائے اس کے کہ وہ خود اجنبیت سے گھبرا کر اپنے کو عام رنگ میں رنگنے لگیں، وہ عام طور پر بگڑے ہوئے مزاج کو درست کرنے اور حقیقی اسلامی مزاج کو عام کرنے کی کوشش میں لگے رہیں گے ان کے لئے بڑی خوشخبری ہے۔

اس ارشاد نبوی کو ذہن میں رکھئے، اور غور کیجئے کہ آج اسلام کی غربت و اجنبیت کا کیا حال ہے؟ دنیا کے عام انسان اسلام کے بارے میں کیا سوچتے ہیں اور ان کے ذہنوں میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں کیا تصورات ہیں؟ اگر آپ اپنی آنکھوں کانوں اور دل و دماغ کے دریچوں کو کھلا رکھتے ہیں اور اپنے ہم وطن انسانوں سے روزمرہ کی ملاقاتوں میں، دوران سفر ٹرینوں، بسوں یا ہوائی جہازوں میں، یا صبح کی سیر کے موقع پر باتیں کرتے ہیں، اور اخبارات و رسائل پڑھتے رہتے ہیں تو روزانہ ہی آپ کے سامنے یہ افسوسناک حقیقت آتی ہوگی کہ اسلام کے بارے میں ہزاروں بے بنیاد

بلکہ مضحکہ خیز خیالات لوگوں کے دماغوں میں راسخ ہیں ۔ اسلام کا نام جب ان لوگوں کے سامنے آتا ہے تو ان کے ذہنوں میں عرس، قوالی، طوائف بازی، قبر پرستی، پیر پرستی، نذر و نیاز، نوحہ ماتم، نوروز، تیجہ، چالیسواں، جلسے جلوس، نعرے بازی، ہنگامہ آرائی وغیرہ کے وہ سب تماشے آجاتے ہیں جن سے ملتے جلتے تماشوں کے وہ عادی ہیں، کبھی آپ نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا ہوگا کہ اسلام نام ہے ختنہ کرانے کا، گوشت کھانے اور بہن کے ساتھ بھائی کی شادی کرنے کا جس قسم کی خبریں دنیا کے عام انسانوں اور ممالک کے بارے میں آتی ہیں اسی قسم کی خبریں مسلمانوں اور ان کے ممالک کے بارے میں بھی آتی ہیں۔ مسلمانوں کے بارے میں ان کے ذہنوں میں بٹھا دیا گیا ہے کہ یہ بدترین دشمن اور ملک وطن کے غدار اور بیرونی حملہ آور ہیں، اور ان کا کام بس اپنے حقوق کی لڑائی لڑتے رہنا ہے اور یہ عربوں کے پیسے کی مدد سے ہمارے ملک و تمدن کو نگل لینا چاہتے ہیں۔

الغرض کسی بھی مرحلہ پر دنیا کے لوگوں کے سامنے کوئی ایسی بات نہیں آتی جس سے وہ اسلام کو ایک بالکل منفرد پیغام رحمت اور دستور سعادت کی حیثیت سے دیکھیں، اور اس پر اس پہلو سے غور کریں نہ ان کو ایسے مسلمانوں سے سابقہ پڑتا ہے جن کا سوچنے کا انداز بالکل جداگانہ ہو اور جو اپنے اخلاق، انسانیت دوستی، بے لوثی، دلی دردمندی، کردار کی صفائی، دیانت و امانت اور خیر خواہی کا سکہ دلوں میں جما دیں اور کچھ سوچنے پر مجبور کر دیں یہ تو ہوئی بات غیروں کی، خود مسلمان کہلانے والوں پر نظر ڈالئے تو آپ دیکھیں گے کہ ہماری غالب اکثریت صحیح اسلامی مزاج سے بالکل ناآشنا اور نامانوس ہے۔ اگر آپ اللہ کی کتاب قرآن مجید اور پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے مسلمانوں سے یہ کہیں کہ موجودہ حالات میں صبر و تحمل سے کام لینا چاہیے۔ ہمیں جنون کا مقابلہ جنون سے نہیں بلکہ بڑی عقلمندی اور دانشمندی سے کرنا چاہیئے۔ ہمارے اندر اپنے جذبات پر قابو رکھنے کی زبردست استعداد ہونی چاہیئے، اور اپنے وقت، اپنی جان اور اپنے مال کو صرف کھانے کمانے اور گلچھرے اڑانے میں نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ اپنی تعمیر نو کے تقاضوں اور اجتماعی مسائل کے حل کے لئے صرف کرنے کی عادت ہونی چاہیئے نفرت کا مقابلہ اندھی نفرت سے کرنے

کے بجائے حقیقت پسندی اور حکمت سے کرنا چاہیئے' اشتعال انگیزی کی کوششوں کا جواب ہمیں اس طرح دینا چاہیے کہ ہم مشتعل نہ ہوں بلکہ صبر و بردباری، اور عقل و ہوش سے کام لیں۔ ہمیں مسجدوں کو اعمال صالحہ سے معمور کرنے نماز قائم کرنے اور نماز کے مزاج کے مطابق اپنی تربیت کی سب سے زیادہ فکر ہونی چاہیئے اور ہمیں اس بات سے باخبر رہنا چاہیے کہ کچھ لوگ یہ چاہ رہے ہیں کہ مسجدوں میں ایسے کام ہوں جن کی وجہ سے حکام کو مسجدوں پر دست درازی کا بہانہ ہاتھ آجائے۔

اگر آپ آجکل اس طرح کی باتیں عام مسلمانوں سے کریں گے تو آپ کو خدا جانے کیسے کیسے تجربے ہوں گے اور اللہ جانے کیا کیا آپ کو کہا جائے گا؟ اور تب آپ کو اس کا عملی تجربہ ہوگا کہ عوام تو عوام خواص بھی اسلام کے مزاج سے کتنے غافل اور دوسروں کے کس قدر نقال ہو گئے ہیں، اور اور انبیاء علیہم السلام کے مزاج سے کتنا بعد اور خدا ناشناس لیڈروں کے مزاج سے کتنا قرب اور کس درجہ مناسبت آج مسلمان کہلانے والوں کو بلکہ ان کے بہت سے رہبروں کو ہو گئی ہے؟

یہی وہ حالت ہے جسکے بارے میں ایک قرآنی آیت کا مفہوم ہے کہ جب ان لوگوں کے سامنے کامیابی کا راستہ آتا ہے تو اسے نہیں اختیار کرتے اور جب تباہی و گمراہی کا راستہ آتا ہے تو اسے اختیار کر لیتے ہیں لیکن یاد رکھیئے کہ انہی حالات میں جو لوگ صحیح اسلامی مزاج پر استقامت کا ثبوت دیں گے اور اسے عام کرنے کی مخلصانہ جدوجہد کریں گے انہی کے بارے میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے وہ عظیم خوشخبری نکلی تھی جس کا حوالہ اس مضمون کے آغاز میں دیا گیا تھا۔

ان سطروں کے ذریعہ ہم ایسے ہی باتوفیق اور خوش نصیب دینی بھائیوں سے اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے ہوئے یہ گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ ہمیں ان حالات سے ہرگز مایوس اور خائف نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ اپنی جدوجہد کو اور تیز اور اپنی فکر و کوشش کو دوچند کر دینا چاہیئے جتنی جلد عام مسلمانوں کی سمجھ میں یہ بات آجائے گی، اور جتنی جلد وہ ان حقیقت ناآشنا لیڈروں کی رہبری سے نکل کر نبیوں کی ترتیب کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے لگیں گے اتنا ہی کم نقصان انھیں جھیلنا پڑے گا۔ ورنہ آثار اچھے نہیں ہیں۔ افق پر سرخ و سیاہ بادل صاف منڈلا رہے ہیں ....

آخری بات یہ کہ جو لوگ اللہ کی توفیق سے صحیح اسلامی مزاج کو نسبتہً زیادہ وضاحت اور یقین کے ساتھ سمجھ رہے ہیں سب سے زیادہ ذمہ داری ان کی ہے، انکی ذرا سی غفلت اور آرام پسندی سے ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ قل ھل یستوی الذین یعلمون۔ والذین لا یعلمون ٥

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

کتاب المناقب والفضائل (۱۰)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲)

[صدیق اکبرؓ کی فضیلت وافضلیت سے متعلق ۹ حدیثیں گذشتہ شمارے میں ناظرین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں اس سلسلہ کی آخری حدیث جو حضرت فاروق اعظمؓ کا ایک بیان ہے، آج کی صحبت میں نذر ناظرین کی جا رہی ہے۔ نعمانی]

عَنْ عُمَرَ، ذُكِرَ عِنْدَهٗ ابوبكر فبكى وقال: وَدِدْتُ اَنَّ عَمَلِي كله، مثل عمله يومًا واحدًا من ايامه، وليلةً واحدةً من لياليه، اما ليلته فليلةٌ سار مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الى الغار، فلما انتهيا اليه قال: وَاللهِ لا تدخله حتى ادخل قبلك، فان كان فيه شئٌ اصابني دونك. فدخل فكسحه، ووجد في جانبه ثقبًا، فشق ازاره وسدها به، وبقي منها اثنان فالقمهما رجليه، ثم قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم: اُدخل، فدخل رسول الله صلى الله عليه وسلم ووضع راسه في حجره ونام فلُدِغ ابوبكر في رجله من الجحر، ولم يتحرك مخافة ان ينتبه رسول الله صلى الله عليه وسلم فسقطت دموعه على وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: مالك يا ابابكر؟ قال لُدِغتُ، فداك ابي وامي، فتفل رسول الله صلى الله عليه وسلم فذهب ما يجده، ثم انتقض عليه، وكان سبب موته، واما يومه، فلما قُبض رسول الله صلى الله عليه وسلم ارتدت العرب وقالوا: لا نؤدي زكاةً فقال: لو منعوني

فقالا نجاھدُ ثُمَّ ھُمْ علیہ فقلتُ: یاخلیفۃَ رسولِ اللّٰہ تألّفِ الناسَ وارفُقْ بِھِم فقال لی: اَجَبَّارٌ فی الجاھِلیۃِ وخَوَّارٌ فی الاسلامِ؟ اِنَّہٗ قد انْقطعَ الوحیُ وتَمَّ الدِّینُ اَیَنْقُصُ واَنا حیٌّ؟ ـــ

(رواہ رزین)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے سامنے حضرت ابوبکرؓ کا ذکر کیا گیا تو رونے لگے اور کہا کہ میں دل سے چاہتا ہوں کہ میرے تمام عمر کے عمل ان کے ایام زندگی کے ایک دن کے عمل کے برابر اور ان کی زندگی کی راتوں میں سے ایک رات کے عمل کے برابر ہو جائیں (یعنی مجھ کو میری زندگی بھر کے اعمال کا اللہ تعالیٰ وہ اجر عطا فرما دیں جو ابوبکرؓ کے ایک دن اور ایک رات کے عمل کا عطا ہو گا ـ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ) ابوبکرؓ کی رات سے میری مراد وہ خاص رات ہے جب وہ حضورؐ کے ساتھ ہجرت کے سفر میں (اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق روپوشی کے ارادہ سے) غار (یعنی غار ثور) کی طرف چلے تو جب غار کے پاس پہنچے (اور حضورؐ نے غار کے اندر جانا چاہا) تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ خدا کی قسم آپ ابھی غار میں داخل نہ ہوں، پہلے میں غار کے اندر جاؤں گا، تو اگر وہاں کوئی موذی چیز ہو گی (مثلاً درندے یا سانپ بچھو جیسا زہریلا جانور) تو جو گزرے گی مجھ پر گزرے گی آپ محفوظ رہیں گے۔ پھر ابوبکر غار کے اندر چلے گئے اس کی صفائی کی۔ اس غار میں ایک طرف چند سوراخ نظر آئے تو اپنے تہبند میں سے پھاڑ کر اس کے ٹکڑوں اور چیتھڑوں سے ان سوراخوں کو بند کیا۔ لیکن دو سوراخ باقی رہ گئے (تہبند میں سے جو کچھ پھاڑا تھا اس میں سے اتنا باقی نہیں رہا کہ ان دو سوراخوں کو بھی بند کیا جا سکتا) تو ابوبکرؓ نے ان دو سوراخوں میں اپنے دونوں پاؤں اڑا دیئے۔ اس کے بعد حضورؐ سے عرض کیا کہ اب آپ اندر تشریف لے آئیں! تو حضورؐ غار کے اندر تشریف لے گئے، (رات کا بڑا حصہ گزر چکا تھا حضورؐ پر نیند کا غلبہ تھا) آپ ابوبکرؓ

کی گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے (اسی حالت میں) ابو بکرؓ کے پاؤں میں سانپ نے کاٹ لیا (اگرچہ اس کے اثر سے حضرت ابو بکرؓ کو سخت تکلیف ہونے لگی) لیکن اس اندیشہ سے کہ حضورؐ کی آنکھ نہ کھل جائے آپ بیدار نہ ہو جائیں اسی طرح بیٹھے رہے حرکت بھی نہیں کی، یہاں تک کہ تکلیف کی شدت سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور حضورؐ کے چہرہ مبارک پر گرے (تو حضورؐ کی آنکھ کھل گئی آپؐ نے ابو بکرؓ کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھے تو) دریافت فرمایا کہ ابو بکر تم کو کیا ہوا؟ انھوں نے عرض کیا کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان مجھے سانپ نے کاٹ لیا، آپؐ نے (اس جگہ پر جہاں سانپ نے کاٹا تھا) اپنا آب دہن ڈال دیا تو ابو بکر کو جو تکلیف ہو رہی تھی وہ اسی وقت چلی گئی (آگے حضرت عمرؓ بیان فرماتے ہیں) پھر (ابو بکرؓ کی وفات سے کچھ پہلے) اس زہر کا اثر لوٹ آیا اور وہی ان کی وفات کا سبب بنا (اس طرح ان کو شہادت فی سبیل اللہ کی سعادت و فضیلت بھی نصیب ہو گئی اور یہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ خیبر میں کھائے ہوئے زہر کا اثر قریباً چار سال کے بعد حضورؐ کی وفات کے قریب لوٹ آیا تھا اور وہی آپ کی وفات کا سبب بنا تھا ـــــ تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے سفر ہجرت کی اس رات کے اس عمل کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد اس دن کا اور اس دن کے حضرت ابو بکرؓ کے اس عمل کا ذکر فرمایا جس کے بارے میں انھوں نے کہا تھا کہ میں دل سے چاہتا ہوں کہ میرے ساری عمر کے اعمال ان کے ایک دن کے عمل کے برابر ہو جائیں، اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میری مراد ابو بکرؓ کی زندگی کا وہ دن ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات فرما گئے اور عرب (کے بعض علاقوں کے لوگ) مرتد ہو گئے اور انھوں نے فریضہ زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تو ابو بکرؓ نے کہا کہ اگر وہ لوگ اونٹ کا پاؤں باندھنے کی رسی[1] دینے

---

[1] حدیث میں عقال کا لفظ ہے اس کے عام مشہور معنی اس رسی کے ہیں جس سے اونٹ کے پاؤں اس طرح باندھ دیے جاتے ہیں کہ اس کے بھاگ جانے کا خطرہ بالکل نہیں رہتا۔ اس لفظ عقال کے دوسرے معنی اونٹ یا بکری کے بچے کے بھی ہیں ... باقی اگلے صفحہ پر

سے بھی انکار کریں گے تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ (حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ) میں نے کہا کہ اے خلیفۂ رسول اللہ (اس وقت) ان لوگوں کے ساتھ تالیف اور نرمی کا معاملہ کیجئے! تو انھوں نے (غصہ کے ساتھ) مجھے فرمایا کہ تم زمانۂ جاہلیت میں تو بڑے زور آور اور غصہ ور تھے کیا اسلام کے دور میں بزدل اور ڈرپوک ہو گئے ہو (یہ کیسا انقلاب ہے) وحی کا سلسلہ (حضورؐ کی وفات کے بعد ختم ہوگیا، دین مکمل ہو چکا۔ کیا دین کو ناقص کیا جائے گا اس میں کمی کی جائے گی اس حال میں کہ میں زندہ ہوں (یہ نہیں ہو سکتا)

(رزین۔ مشکوٰۃ المصابیح)

(تشریح) حدیث کا مطلب سمجھنے کے لئے جس قدر تشریح و توضیح کی ضرورت تھی وہ ترجمہ کے ضمن میں کر دی گئی ہے، البتہ حضرت عمرؓ نے اپنے اس بیان میں مرتدین کے خلاف جہاد سے متعلق حضرت ابوبکرؓ کے جس پُرعزیمت فیصلہ اور اقدام کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلہ میں انکا جو خاتمۂ کلام نقل فرمایا ہے (اَینقصُ الدِّینُ وَانا حیّ) اس کی تشریح اور وضاحت کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے اسلام اور مسلمانوں کے لئے عالم اسباب کے لحاظ سے بڑی خطرناک صورتحال پیدا ہو گئی تھی حضورؐ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کی وجہ سے جو شکستہ دلی عام صحابہ میں پیدا ہو گئی تھی اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے ــــ

ــــ علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات ہی میں حضرت اسامہ کی قیادت میں ایک بڑی مہم پر ایک لشکر کی روانگی کا حکم دیا تھا، حضورؐ کی وفات کے بعد صدیق اکبر نے فیصلہ فرمایا کہ آنحضرت کے حکم کے مطابق یہ لشکر بلا تاخیر روانہ ہو جائے، چنانچہ وہ روانہ ہو گیا

بقیہ حاشیہ ــ اگر یہ معنی لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کرنے والے یہ لوگ اگر اونٹ یا بکری کا بچہ دینے سے بھی انکار کریں گے جس کا ادا کرنا ان پر واجب تھا تو میں ان سے جہاد کروں گا۔ زکوٰۃ دین کا رکن ہے اس کا انکار موجب کفر ہے۔ اگر کسی قوم یا علاقہ کے لوگ اجتماعی طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کریں تو وہ مرتد اور واجب القتال ہیں۔

اس طرح اس وقت کی فوجی طاقت کا ایک بڑا حصہ اس محاذ پر چلا گیا ـــــ اس کے علاوہ حجاز مقدس کے قریبی علاقہ یمامہ میں مسیلمہ کذاب نے حضورؐ کے آخری دور حیات ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور کچھ قبیلے اس کے ساتھ ہو گئے تھے اس طرح ایک حکومت سی قائم ہو گئی تھی ـــــ صدیق اکبرؓ نے حضورؐ کی وفات کے بعد فوراً فیصلہ فرمایا کہ، اس فتنہ کو بھی جلد سے جلد ختم کیا جائے، چنانچہ خالد بن الولید کی قیادت میں اس کے لئے بھی ایک لشکر کی روانگی کا حکم دیا، انہی حالات میں حجاز ہی کے بعض علاقوں کے لوگوں نے (جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے) زکوٰۃ کی ادائیگی سے اجتماعی طور پر انکار کر دیا، صدیق اکبرؓ نے اسکو ارتداد قرار دیا اور اس کے خلاف بھی جہاد اور لشکر کشی کا فیصلہ فرمایا.... اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اس وقت کی ساری فوجی طاقت ان محاذوں پر چلی جاتی اور مرکز اسلام مدینہ منورہ کا حال یہ ہو جاتا کہ اگر کوئی دشمن حملہ کر دے یا آس پاس کے منافقین کوئی فتنہ برپا کر دیں تو اسکی مدافعت اور اس پر قابو پانے کے لئے فوجی طاقت موجود نہ ہو ـــــ اس لئے حضرت عمرؓ اور روایات میں ہے کہ ان کے ساتھ حضرت علیؓ کی بھی رائے تھی کہ، صورتحال کی نزاکت کے پیش نظر اس وقت زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کرنے والوں کے خلاف جہاد اور لشکر کشی نہ کی جائے، مصلحت اندیشی اور حکمت عملی کے طور پر ان کے معاملہ میں تالیف اور نرمی کا رویہ اختیار کیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کے دل میں یقین پیدا فرما دیا تھا کہ اس فتنہ ارتداد کا استیصال فوراً ضروری ہے کسی مصلحت اندیشی کے تحت اس کو نظر انداز کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، زکوٰۃ دین کا اہم رکن ہے نماز ہی کی طرح گویا جزو ایمان ہے۔ اسکی ادائیگی سے انکار کو برداشت کرنے کا مطلب دین کی قطع و برید برداشت کرنا ہوگا۔ آپ نے فرمایا دین مکمل ہو چکا ہے، وحی کا سلسلہ ختم اور منقطع ہو چکا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو جس شکل و صورت میں چھوڑا ہے اپنی جان دیکر بھی اسکی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے، اس سلسلۂ کلام کے آخر میں آپ نے فرمایا "أینقص الدین وانا حیّ" ـــــ صدیق اکبرؓ کے ان دو لفظوں سے دین کے ساتھ ان کے جس خاص الخاص عاشقانہ تعلق اور اسکی راہ میں قربانی اور فدائیت کے جس جذبہ کا اظہار ہوتا ہے، راقم سطور اپنی اردو زبان میں اس کے ادا کرنے سے عاجز ہے۔

اس واقعہ میں یہ نکتہ خاص طور سے قابل غور اور ہمارے لئے سبق آموز ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے حضرت ابوبکرؓ کے اس فیصلہ اور اقدام کے خلاف تھی بعد میں وہی فیصلہ ان کی نظر میں اتنا عظیم ہوگیا کہ اپنے زندگی بھر کے اعمال کو وہ حضرت ابوبکر کے اسی ایک عمل سے کمتر سمجھنے لگے، اور اس کا برملا اعتراف فرمایا رضی اللہ تعالیٰ عنہما وارضاھما

خطاب عید الفطر

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

ہم پر یہ حالات کیوں آرہے ہیں اور ان کا حل کیا ہے؟

[امسال بھی نماز عید الفطر کے موقع پر دار العلوم ندوۃ العلماء کی عظیم الشان مسجد میں والد ماجد حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہٗ العالی نے سخت ضعف اور علالت طبع کے باوجود خطاب فرمایا۔ اس تقریر میں موجودہ حالات کے اسباب اور ان سے نجات حاصل کرنے کی تدبیروں کے بارے میں قرآن مجید کی روشنی میں جو کچھ آگیا ہے اور جس قدر صفائی اور وضاحت کے ساتھ آگیا ہے اس کی وجہ سے تقریر خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ امید ہے کہ قارئین کرام اسے توجہ اور اہتمام سے پڑھیں گے اور انفرادی اور اجتماعی طور پر اسے سنانے کا بھی اہتمام کریں گے۔ شاید جلد ہی اسے الگ سے بھی شائع کیا جائے تاکہ اس کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جا سکے۔

یہ وضاحت ضروری ہے کہ والد ماجد مدظلہٗ کی یہ تقریر ریکارڈ نہیں کی جا سکی تھی۔ بعد میں حافظہ سے لکھی گئی ہے۔ مولانا مدظلہٗ کی نظر ثانی کے بعد پیش کی جا رہی ہے — سجاد]

خطبۂ مسنونہ کے بعد

میرے بھائیو عزیزو! مجھے اس وقت بخار ہے، میں اس بخار ہی کی حالت میں آپ حضرات سے کچھ ایسی ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں جن کا میرے نزدیک حق تھا کہ اگر میرے لئے ممکن ہوتا تو آپ میں سے ہر ایک کے گھر پہ جا کر آپ سے وہ باتیں کرتا، لیکن یہ میرے لئے ممکن نہیں، خاص کر اس حالت میں کہ میں چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔ اس لئے آپ حضرات سے عرض کرتا ہوں کہ آپ میں سے ہر بھائی میری بات اس طرح سنیں کہ گویا یہ بات میں خاص انھیں سے کر رہا ہوں ___ اللہ تعالیٰ مجھے دین کی صحیح اور ضروری باتیں کہنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو ان کے قبول کرنے کی توفیق دے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ بفضلہ تعالیٰ ہم آپ سب مسلمان ہیں، اور اسلام ہی کے تعلق سے نماز ادا کرنے کے لئے اس وقت اللہ کے اس گھر میں جمع ہوئے ہیں — آپ سب بھائی اتنی بات ضرور جانتے ہیں کہ اسلام کسی ذات برادری کا نام نہیں ہے جیسے سید یا شیخ یا پٹھان ہونا، کہ سید کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ آپ سے آپ سید یا شیخ یا پٹھان ہو جاتا ہے۔ یا ہندوؤں میں برہمن کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ آپ سے آپ برہمن ہوتا ہے۔ اس بچہ کو سید یا شیخ یا پٹھان یا برہمن ہونے کے لئے کچھ کرنا نہیں پڑتا — تو میرے بھائیو اسلام اس طرح کی کسی ذات برادری کا نام نہیں ہے جیسے سید یا شیخ یا پٹھان ہونا، کہ مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ آپ سے آپ مسلمان ہو، یا جس کا نام مسلمانوں کا سا ہو وہ مسلمان ہی ہو۔ بلکہ اسلام اپنی ذات اور اپنے طرز زندگی کے بارے میں بہت بڑے فیصلے اور ایک اہم عہد کا نام ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ آدمی کلمہ شریف لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پڑھ کر اور دل و زبان سے اس کو قبول کر کے مسلمان ہوتا ہے۔ یہ کلمہ شریف جادو منتر کی طرح صرف الفاظ اور زبانی بول نہیں ہے بلکہ اس میں دو اصولی اور بنیادی باتوں کا عہد اور اقرار و اعلان ہے کلمہ کے پہلے جز لا الٰہ الا اللّٰہ میں اپنے اس عقیدے اور یقین کا اعلان ہے کہ میرا اور زمین و آسمان اور اس ساری کائنات کا معبود و مالک سب کا خالق و پروردگار بس ایک اللہ ہے، سب کی موت و حیات، بیماری و تندرستی اور سب کچھ صرف اسی کے اختیار میں ہے جو کچھ ہوتا ہے اسی کے حکم سے ہوتا ہے اس کے سوا کسی کے اختیار میں کچھ نہیں، وہی اور صرف وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے، حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اسی کے پیدا کئے ہوئے اُس کے بندے ہیں اور بندگی میں دوسرے سب بندوں سے بڑھے ہوئے ہیں اسی لئے ان کے درجے سب سے بلند ہیں۔ ان سب نے یہی تعلیم دی ہے کہ "لا الٰہ الا اللّٰہ"

کلمہ شریف کے دوسرے جز "محمد رسول اللّٰہ" میں اس عقیدے اور دل کے اس یقین کا اعلان ہے کہ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے بھیجے ہوئے رسول برحق ہیں، آپ جو ہدایت اور شریعت لے کر آئے وہ اللہ کی ہدایت اور شریعت ہے

آپ کی اطاعت وفرمانبرداری اللہ کی اطاعت وفرماں برداری ہے اور آپ کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے۔ اب نجات آپ ہی کی شریعت کے اتباع اور پیروی میں منحصر ہے۔ اور دنیاوی زندگی میں بھی ہمارے لئے کامیاب ہونے کا، عافیت کے حاصل کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے زندگی کے ہر شعبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلنے کا۔

میرے بھائیو! ہم اپنے حالات کا تذکرہ اکثر کرتے ہیں، لیکن اپنے اعمال کے تذکرہ سے ہمیں الجھن ہوتی ہے۔ آئیے ذرا تھوڑی دیر کے لئے ہم اپنا جائزہ لیں، سب سے پہلے میں نماز کا تذکرہ کرتا ہوں، نماز کا کیا درجہ ہے؟ اور اس کی کتنی اہمیت ہے اس کا اندازہ اس سے کریئے کہ امت کے جلیل القدر مجدد اور چار اماموں میں سے ایک حضرت امام احمد بن جنبلؒ کی تحقیق یہ ہے کہ بلا عذر شرعی کے فرض نماز ادا نہ کرنے والا مرتد اور کافر ہے۔ اور اسی بنا پر وہ واجب القتل ہے، امت کے ایک دوسرے امام حضرت امام شافعیؒ اگرچہ امام احمد بن حنبل کی طرح نماز نہ پڑھنے والے کو کافر ومرتد تو قرار نہیں دیتے لیکن وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ وہ سزائے موت کا مستحق اور واجب القتل ہے۔ ان کے نزدیک نماز نہ پڑھنا اتنا بڑا گناہ ہے جس کی سزا اس دنیا میں قتل ہی ہے۔ جیسے کہ اگر کوئی شادی شدہ آدمی زنا کرے یا کوئی کسی کو عمداً قتل کردے تو اس کی سزا قتل ہی ہے اگرچہ اس گناہ پر اسے کافر ومرتد نہیں قرار دیا جا سکتا — ہمارے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ بغیر عذر شرعی نماز نہ پڑھنے والوں کی سزا یہ ہے کہ اسے اس وقت تک جیل میں ڈال دیا جائے جب تک وہ توبہ کر کے نماز شروع نہ کردے یا جیل ہی میں حالت قید ہی میں وہ مرجائے یوں کہیے کہ ان کے نزدیک نماز نہ پڑھنے کی سزا عمر قید ہے۔

امت کے ان جلیل القدر اماموں نے نماز کی اہمیت کے بارے میں جو یہ رائے قائم کی، وہ بلاشبہ قرآن وحدیث کے سیکڑوں دلائل کو سامنے رکھ کر کی، اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے، امت کو بتا گئے کہ کون سا عمل کتنی اہمیت کا حامل ہے۔ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ نماز عملی کلمہ ہے، یعنی یہ کہ کلمۂ طیبہ کے ذریعہ ایک انسان جس زندگی

اور جس راستہ کو اپنانے کا اندرونی فیصلہ کرتا ہے نماز اس کا عملی پیکر اور ظاہری جامہ ہے اس کے بغیر اسلام کا کم از کم ظاہری وجود تو ختم ہو ہی جاتا ہے۔

اب ذرا نظر ڈالئے مسلمان کہلانے والی قوم پر، اس کی کتنی تعداد ہے جو نماز کی پابندی کرتی ہے؟ ہر محلہ میں آپ کو اس کی پچاسوں مثالیں ملیں گی کہ مسلمان کی دوکان یا مکان مسجد کے بالکل برابر میں ہے۔ پانچوں وقت نماز کے لئے بلایا جاتا ہے، مسجد آنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ لیکن یہ اللہ کے بندے جن کے نام مسلمانوں کے سے ہیں ایک وقت بھی مسجد میں نہیں آتے، سوچئے کہ یہ کیسے مسلمان ہیں؟ کیا یہی وہ قوم ہے جو اللہ کی مدد کی مستحق ہے؟ اور جس کو فخر ہے اس بات پر کہ وہ "خیر امت" ہے۔

نماز کے بعد دین میں سب سے اہم اور بڑا درجہ زکوٰۃ کا ہے۔ قرآن مجید کی بعض آیتوں میں تو یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ کفار و مشرکین کو اپنا دینی بھائی اس وقت سمجھا جائے جب وہ کفر کی راہ چھوڑ کر اسلام کی راہ اختیار کریں اور نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ بھی ادا کرنے لگیں"

آپ میں سے بہت سوں کو معلوم ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب کے بعض ایسے قبیلوں نے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، اور ان کی صحیح تعلیم و تربیت بھی ابھی نہیں ہو پائی تھی، زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جہاد کا فیصلہ کیا تھا اور تمام صحابہ کرام نے ان کے اس فیصلہ سے اتفاق کیا تھا۔

خدا کے لئے سوچئے کہ آج مسلمان کہلانے والوں میں کتنے فیصد ہیں جو ہر سال اپنی دولت اور سرمایہ کا حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے والوں کا تناسب نماز پڑھنے والوں کے تناسب سے بھی کم ہے۔ ہزاروں لوگ تو ایسے ملیں گے جنھوں نے سوچا ہی نہ ہوگا کہ ان پر زکوٰۃ فرض ہے، حالانکہ سالہا سال پہلے ان پر زکوٰۃ فرض ہو چکی ہے۔

اسی طرح سے کتنے فیصد مسلمان ہیں جو ان گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں جن کو اللہ نے سخت درجہ کا حرام قرار دیا ہے، زنا حرام ہے۔ کسی پر ظلم کرنا حرام ہے اس میں

مسلمان کی قید نہیں غیر مسلم پر بھی ظلم کرنا حرام ہے۔ شراب حرام ہے پہلے زمانہ میں شراب کو اُم الخبائث کہا جاتا تھا۔ کہ اس کی وجہ سے آدمی بہت سے دوسرے گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے اس زمانہ میں سینما ام الخبائث ہے۔ سوچئے آپ کتنے مسلمان ہیں جو ان گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں کفر کا فتویٰ نہیں دیتا لیکن اللہ کے اس گھر میں آپ سب لوگوں کے سامنے کہتا ہوں اور اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ایسے لوگ قرآن کی زبان میں مومن نہیں ہیں۔ قرآن کی زبان میں مومن وہ لوگ ہیں جن کا اللہ و رسول پر اور آخرت پر ایمان ہو۔ اور ان کی زندگی ایمان والی ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان سے کوئی گناہ نہ ہوتا ہو۔ گناہوں سے معصوم صرف اللہ کے پیغمبر اور اللہ کے فرشتے ہیں۔ ایمان والوں سے بھی کبھی گناہ ہو جاتا ہے۔ لیکن گناہ کے بعد انھیں اس کا احساس ہو جاتا ہے کہ ہم سے اللہ کی نافرمانی ہوئی تو وہ اللہ سے معافی مانگتے ہیں۔ اس کے حضور میں توبہ کرتے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک آدمی کا اللہ پر اور آخرت پر پورا ایمان اور یقین ہو اور وہ بے فکری اور بے پرواہی کے ساتھ نماز روزے جیسے فرائض ترک کرتا رہے اور گناہوں میں مبتلا رہے۔

یاد رکھئے اللہ تعالیٰ کا ایک قانون ہے کہ جب کوئی امت جو کسی نبی پر ایمان لائی ہو وہ جب تک نبی کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت پر چلتی رہتی ہے دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی مدد اس کو حاصل رہتی ہے۔ اس کی اصل جزا تو آخرت میں جنت میں ملے گی۔ جنت کے بارے میں قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدعون دوسری جگہ فرمایا گیا ہے۔ فیھا ما تشتھیہ الانفس وتلذ الاعین

اور اس کے برعکس اگر پیغمبر کو ماننے والی امت کبھی نافرمانی والی زندگی اختیار کرے اللہ و رسول کے احکام کے بجائے اپنے نفس کی خواہشات پر چلنے لگے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کو مدد سے محروم کر دیتا ہے اور اس پر بدترین اور خبیث ترین کافروں و ظالموں کو مسلط کر دیتا ہے۔ آپ میں سے جو بھائی قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں وہ جابجا اس میں بنی اسرائیل کا ذکر پڑھتے ہیں۔ یاد رکھئے قرآن تاریخ یا قصے

کہانیوں کی کتاب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نازل فرمایا ہوا صحیفۂ ہدایت ہے۔ اس میں اگلی امتوں کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ اسی لئے بیان کئے گئے ہیں کہ ہم ان سے سبق لیں اور عبرت حاصل کریں۔

بنی اسرائیل اپنے زمانہ کے قریب قریب ایسے ہی مسلمان تھے جیسے ہم مسلمان ہیں بلکہ ایک بات میں وہ ہم سے بھی بہت ممتاز تھے وہ یہ کہ وہ سب انبیاء علیہم السلام کی نسبی اولاد تھے اور ایسا نہیں تھا کہ ان میں کوئی اللہ کا نیک بندہ نہ رہا ہو۔ لیکن قوم کی عام زندگی نافرمانی والی زندگی ہوگئی تھی۔ انھوں نے اپنے پیغمبروں کے دین کا انکار نہیں کیا تھا۔ لیکن زندگی میں اللہ و رسول کی تابعداری کے بجائے نفس کی خواہشات کی پیروی کر رہے تھے۔ قرآن مجید میں پہلے ہی پارے الٓمّٓ میں ان کا حال بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ. وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ لَا تَسْفِکُوْنَ دِمَآءَکُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ ... فَرِیْقًا مِّنْکُمْ مِّنْ دِیَارِہِمْ تَظٰھَرُوْنَ عَلَیْہِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، وَاِنْ یَّاْتُوْکُمْ اُسٰرٰی تُفٰدُوْھُمْ وَھُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْکُمْ اِخْرَاجُھُمْ، اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَ تَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ، فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِکَ مِنْکُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ، وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ.

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یاد دلایا ہے کہ ہم نے تم سے یہ عہد لیا تھا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے، اور والدین، اہل قرابت اور یتیم بچے اور محتاجوں کے ساتھ اچھا برتاؤ اور حسن سلوک کرو گے اور عام لوگوں سے بھی خوش خلقی سے پیش آؤ گے۔ اور نماز کی پابندی کرو گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے۔

ہم نے تم سے یہ عہد بھی لیا تھا کہ باہمی خونریزی اور آپس کی لڑائیاں ختم کر دو گے، نہ ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر کرو گے، لیکن تمھارا حال یہ ہے کہ سوائے معدودے چند کے تمھاری اکثریت اس عہد کی پابند نہ رہی، بلکہ تم آپس میں ایک دوسرے کی جان لیتے ہو، اور اپنوں کو بے گھر کرتے ہو، اور ان کے دشمنوں کی مدد کرتے ہو، حالانکہ دوسری طرف تمھارا رویہ یہ ہے کہ جب تمھاری ہی حرکتوں کے نتیجہ میں تمھارے وہ "اپنے" قیدی بن کر تمھارے پاس آتے ہیں تو کچھ خرچ کر کے ان کو رہا کرا لیتے ہو گویا تمھارا حال یہ ہے کہ کچھ حکموں پر تو ایمان رکھتے ہو، اور کچھ پر نہیں، یعنی کچھ پہ عمل کرتے ہو اور کچھ پر نہیں، تو تم میں سے جس کا طرز عمل یہ ہو اُسے دنیاوی زندگی میں رسوائی کے سوا اور کیا جزا ملے گی اور قیامت کے دن بہت سخت عذاب میں ڈال دیا جائے گا۔

میرے بھائیو! ذرا غور کرو، خدا کے لئے سنجیدگی سے سوچو! کیا آج یہ آیات سو فیصد ہم مسلمانوں پر منطبق نہیں ہو رہی ہیں؟ کیا ہمارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے بنیادی احکام کے ساتھ وہی نہیں ہو گیا ہے۔ جو بنی اسرائیل کا ہو گیا تھا جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے ثم تولیتم الا قلیلا منکم وانتم معرضون، سوائے معدودے چند کے تمھاری غالب اکثریت ان احکام سے دور ہو چکی ہے .... اور جس کے بارے میں نہایت بلیغ انداز میں فرمایا گیا ہے! کہ تم ہماری کتاب ہدایت کے کچھ حصے پر تو ایمان رکھتے ہو، لیکن باقی کو تم نہیں مانتے۔ پھر کیا خدا کا یہ صاف اعلان ہمارے بارے میں نہیں ہے کہ تمھارے اس طرز عمل کا صلہ دنیا میں سخت ذلت و رسوائی اور آخرت کے شدید عذاب کے علاوہ کچھ اور بھی متوقع ہے؟

بنی اسرائیل کے ساتھ جن کو اللہ نے دنیا کی سب سے بہتر قوم قرار دیا تھا، اور جن پر اللہ کی خاص نگاہ کرم اور نظر انتخاب تھی، جب انھوں نے غفلت اور لاپرواہی اور دین سے عملی بے تعلقی اور آخرت فراموشی کا راستہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسے بدترین دشمنوں کو مسلط کر دیا تھا جو بے رحم اور سنگ دل بھی تھے اور ملک و مال اور ہتھیاروں سے لیس بھی تھے، پھر ان دشمنوں نے ان کے ساتھ وہی کیا جو آج دنیا کی

تو میں ہمارے ساتھ کر رہی ہیں۔ گھروں میں گھس گھس کر انھوں نے لوگوں کو مارا، بے دریغ خون بہایا، مال لوٹا، عزتیں لوٹیں، یہاں تک کہ ان کے مراکز عبادت میں جا گھسے، لوگوں کے منھ کالے کئے اور توراۃ کے نسخے جلا کر نیست و نابود کر دیئے۔

میرے عزیز بھائیو! عید کے دن ان چیزوں کا تذکرہ کیسی عجیب سی بات ہے! لیکن بتاؤ کہ آج کے دن میں اپنے ان عزیز بھائیوں سے جو اتنی بڑی تعداد میں یہاں جمع ہیں اور کیا کہوں؟ کیا اس سے زیادہ ضروری اور کوئی بات ہو سکتی ہے۔

اگر بنی اسرائیل کے ساتھ یہ معاملہ ہوا تھا، اور یقیناً ہوا تھا، اور ان کی زندگی میں کئی بار ہوا تھا ان کے اعمال میں بناؤ بگاڑ کے اعتبار سے جو تبدیلیاں آتی تھیں اسی اعتبار سے ان کے حالات میں بھی نشیب و فراز آتے تھے۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ اگر بنی اسرائیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ ہوا تھا تو ہمارے ساتھ کیوں نہیں ہوگا؟ میرا خیال ہے کہ ہم اپنے ساتھ اللہ تعالیٰ کے خصوصی اور استثنائی معاملہ کی توقع رکھتے ہیں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا معاملہ اللہ کے حکموں کے ساتھ چاہے کچھ بھی ہو اللہ کا معاملہ ہمارے ساتھ اچھا ہی ہونا چاہیے اس لئے کہ ہم اس کے محبوب کی امت ہیں۔ خدا کی قسم یہ شیطانی فریب ہے۔

ابھی میرٹھ میں جو کچھ ہوا وہ بالکل تازہ بات ہے۔ وہاں سے ایسی دردناک خبریں آ رہی ہیں کہ اللہ کی پناہ، جتنی تکلیف بھی وہاں کے حالات کو سن کر ہمیں ہو کم ہے، بلاشبہ ایسا ظلم ہوا ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے، لیکن میں اللہ کے گھر میں بیٹھ کر اور اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ یہ سارا ظلم ہمارے اس ظلم کے نتیجہ میں ہو رہا ہے جو ہم دنیا کے نشہ میں چور ہو کر اپنے آپ پر خود کر رہے ہیں۔

ہمارا حال یہ ہے کہ رمضان مبارک میں کھلم کھلا روزہ نہ رکھنے والوں کی تعداد اب تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے اور اب تو یہ بھی سننے میں آ رہا ہے کہ رمضان کی راتیں فلموں کو دیکھنے میں گذاری جاتی ہیں۔ رمضان مبارک کے آخری جمعہ کے بارے میں لکھنؤ ہی کے بارے میں یہ بھی سنا کہ جمعہ کی نماز پڑھ کر جب نمازیوں کا ہجوم واپس ہوا تو راستہ میں لوگوں نے پانی اور شربت کی سبیلیں لگائی تھیں اور پلاؤ بک رہا تھا، اور بے شمار لوگوں کا ہجوم

سڑک پر کھڑا ہوا پلاؤ کھا رہا تھا اور پانی پی رہا تھا اور یہ سبیلیں لگانے والے اور پانی و شربت پینے والے دونوں مسلمان ہی تھے اب بتاؤ کہ کیا ہمارے یہ اعمال اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر کو دعوت دینے والے نہیں ہیں؟

پھر جن حالات میں ہم آجکل گھرے ہوئے ہیں ان حالات میں کتنی عقلمندی اور کتنی حکمت اور کتنی احتیاط سے جینے کی ضرورت ہے۔ اور اپنے جذبات پر کس قدر قابو رکھنے اور اللہ کے حکموں اور دین کے منشاء پر جمنے کی کتنی سخت ضرورت ہے، میری زندگی جیسی بھی گذری ہے عام مسلمانوں کے ساتھ گذری ہے۔ زندگی بھر اس کا احساس رہا کہ عام مسلمانوں کو خبر ہی نہیں ہے کہ ان حالات میں کس طرح جینا چاہیے۔ بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جنھوں نے شاید طے کر لیا ہے کہ وہ عقل کی بات نہیں سنیں گے، اللہ کی بات نہیں سنیں گے، اپنے دین کے مزاج کو سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کریں گے۔ یہ بعینہٖ وہی حالت ہے جو قرآن مجید نے برباد ہونے والی بعض گمراہ قوموں کی بیان فرمائی ہے۔ کہ ان یروا سبیل الرشد لایتخذوہ سبیلا وان یروا سبیل الغیّ یتخذوہ سبیلا۔

میرے دوستو! میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ ہم پر ظلم نہیں ہو رہا ہے۔ ظلم ہو رہا ہے اور یقیناً ہو رہا ہے جو اس کا انکار کرتا ہے وہ حالات سے ناواقفیت کا ثبوت دیتا ہے، میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ یہ ظلم اس ظلم کے نتیجہ میں ہو رہا ہے جو ہم اپنے اوپر کر رہے ہیں اگر ہم کسی اعتبار سے ظالم نہ ہوتے، صرف مظلوم ہی ہوتے تو اللہ کی مدد آچکی ہوتی اور ہم پر ظلم کرنے والوں پر اللہ کی پکڑ آگئی ہوتی، اور جب ظالموں پر اللہ کی پکڑ آجاتی ہے تو اسے دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی،

ہمارے ظلموں کی فہرست بھی بہت طویل ہے۔ ذرا کوئی ہماری شادیوں کی محفلوں کو دیکھے ہماری دوسری فضول تقریبات کو دیکھے اور ہماری فضول خرچیوں کو دیکھے، کیا اسے دیکھ کر اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ ایک ایسی قوم کے افراد کی تقریبات ہیں جو دنیا کو یہ سکھانے کے لیے بھیجی گئی تھی کہ ضروریات زندگی کو کتنی سادگی کے ساتھ پورا کیا جاتا ہے اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو زندگی کے بلند مقاصد اور انسانیت کی خدمت میں کس طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ بھی ہمارے

اپنے اوپر ظلم کی ایک شکل ہے

اس کے علاوہ ایک اور ظلم ہم اپنے اوپر یہ کر رہے ہیں کہ ہم جہاں رہتے ہیں وہاں کے لوگوں کو اپنا حریف اور دشمن سمجھ کر رہتے ہیں، بجائے اس کے کہ ہم ان کو اللہ کا بندہ سمجھتے اور محبت و حکمت اور اخلاق کے ساتھ ان کو اللہ کی رحمت سے اور ہدایت سے اور جنت سے قریب کرنے کی کوشش کرتے اور ان کو اپنی دعوتی جدوجہد کا میدان بناتے، تاکہ ان میں جتنے سلیم الفطرت ہیں ان کو ہدایت مل جاتی، اور اللہ کی جو مدد دین کی دعوت کے میدان میں قربانیاں دینے والوں کے ساتھ آتی ہے وہ ہمارے ساتھ شامل ہو جاتی، بجائے اس کے ہم نے ان کو اپنا دشمن سمجھ لیا ہے۔ میرے بھائیو! یہ صحیح ہے کہ وہ ہمیں اپنا دشمن سمجھتے ہیں لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے کیا ہمارا حال یہی ہونا چاہیے کہ ہم بھی سب کو دشمن اور حریف سمجھنے لگیں۔ اگر انبیاء علیہم السلام سب کو دشمن ہی سمجھ لیتے تو کام کیسے کرتے

بہر حال میرے دوستو! اللہ کے یہاں اندھیر نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے وہ رحیم بھی ہے۔ علیم بھی ہے، اور حکیم بھی ہے اور عادل بھی ہے، یہ حالات ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس کی مرضی کے خلاف آ رہے ہوں، اسی کی مشیت سے آ رہے ہیں اور ہمارے اعمال و اخلاق اور ہماری بے عقلیوں اور حماقتوں کے نتیجہ میں آ رہے ہیں۔

اب سے قریباً ڈھائی تین سو سال پہلے مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں جب نادر شاہ نے دلی کو تاراج و برباد کیا لوٹا اور وہاں کے بے گناہ باشندوں کا قتل عام کیا تو لوگوں نے اس وقت کے عارف باللہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! یہ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے؟ تو آپ نے فرمایا تھا کہ:

"شامت اعمال ماصورت نادر گرفت" —— یعنی یہ ہماری بداعمالیاں ہیں جو نادر کی شکل میں عذاب بن کر آ گئی ہیں۔

میں ایک سیاہ کار گناہ گار بندہ ہوں مجھے کو چۂ معرفت کی ہوا بھی نہیں لگی ہے لیکن قرآن و حدیث کی روشنی میں یقین ہے کہ آج ہم مسلمانوں پر جو مصیبتیں جہاں بھی آ رہی ہیں اور جو مظالم ہو رہے ہیں وہ ہماری ہی بداعمالیوں اور نافرمانیوں کے نتائج ہیں۔ اسی

حقیقت کو قرآن مجید میں جابجا ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے ۔ "وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ" ۔

ایک حدیث قدسی کے الفاظ ہیں اِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا لَكُمْ

میرے بھائیو، عزیزو! ہم مسلمانوں کے لئے جو اللہ، اس کے رسول، اور اسکی کتاب پاک قرآن مجید پر ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ اگر ہم زندگی میں اللہ و رسول کی وفاداری اور فرماں برداری کا راستہ اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی خاص نظر عنایت اور نصرت ہم کو حاصل ہوگی اور پھر ہم پر اسطرح کے مظالم نہ ہوسکیں گے جس طرح کے آج ہورہے ہیں جنکی خون کے آنسو رلانے والی خبریں ہم اخباروں میں پڑھتے رہتے ہیں قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے "اِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ" ۔ یہ خداوندی دستور و منشور کا واضح اعلان ہے، فرمایا گیا ہے کہ اگر اللہ کی نصرت اور مدد تم کو حاصل ہو تو دنیا کی کوئی طاقت تم پر غالب نہیں آسکتی۔ اور (اگر تمھاری بداعمالیوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے) اللہ تم کو اپنی نصرت اور مدد سے محروم کر دینے کا فیصلہ فرمالے تو پھر کوئی دوسرا نہیں ہے جو تمھاری مدد کر سکے اور ظالم دشمنوں کے ظلم وستم سے تم کو بچا سکے ۔

بدقسمتی سے اس وقت صورتحال یہ ہے کہ جن مشکلات میں مسلمان مبتلا ہیں ان کے نجات پانے کے لیے ان کے ناخدا شناس اور دین سے بے بہرہ قائد و رہنما ان قوموں کے طور طریقوں سے رہنمائی حاصل کرنا چاہتے ہیں جو ایمان سے محروم ہیں، جنکا خدا رسول سے کوئی واسطہ نہیں ہے ۔ قرآن مجید جو قیامت تک کے لئے صحیفۂ ہدایت ہے اس سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کرنے کا ان کو خیال بھی نہیں آتا، یہ ہماری بدقسمتی کی انتہا ہے اور ہماری یہ حالت ہم کو اللہ تعالیٰ کی مدد سے اور زیادہ محروم کرنے والی ہے ۔ خدا کے لئے اس طریقہ کو بدلیئے ورنہ حالات بد سے بدتر ہوتے رہیں گے ۔

میرے بھائیو عزیزو سن لو! ہمارے لئے مشکلات سے نجات پانے کا کوئی راستہ رجوع الی اللہ کے سوا نہیں ہے ۔ میں اللہ کے اس گھر میں اللہ اور اس کے فرشتوں کو گواہ

بتلا کے آپ سب حضرات کو صفائی کے ساتھ بتلا دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ دین سے بے تعلقی اور اللہ و رسول کی نافرمانی کے ساتھ کوئی تدبیر، کوئی مظاہرہ، کوئی بند ہم کو ان مظالم اور مشکلات سے نجات نہیں دلا سکتا۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان مظالم سے حفاظت اور بچاؤ کے لئے کوئی تدبیر نہ کی جائے ـــــ سن لیجئے ہر جائز تدبیر فرض ہے، لیکن وہ جب ہی کامیاب ہوگی جب اللہ کی مدد ہم کو حاصل ہوگی اور اس کی شرط رجوع الی اللہ اور اللہ و رسول کے ساتھ وفاداری و فرمانبرداری کا صحیح تعلق ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ وہی سب سے زیادہ کامیاب ہونے والی تدبیر بھی ہے۔ میں قرآن و حدیث کی روشنی اور اپنے ذاتی تجربوں کی بنا پر قسم کھا کے کہہ سکتا ہوں کہ اگر مسلمان کہلانے والوں کی عام زندگی اللہ و رسول کی فرمانبرداری والی اور دین کی دعوت والی زندگی ہو جائے تو آج جو ان کے دشمن ہیں وہ ان کو سروں پر بٹھائیں گے اپنی حاجتوں میں دعائیں کرانے کے لئے ان کے پاس آیا کریں گے۔ ہم نے اپنے پر سب سے بڑا ظلم یہ کیا ہے کہ دنیا کے لئے امت دعوت اور امت ہدایت کے بجائے اپنے کو دنیا کی قوموں کی ایک حریف قوم کی حیثیت سے پیش کر دیا ہے۔ ہمارے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے ہمارے اسی جرم عظیم کی سزا ہے۔

اس موقع پر ایک بات اور صفائی کے ساتھ کہنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کبھی کبھی سننے میں آیا ہے کہ فلاں شہر کے فلاں محلہ میں ہندوؤں نے مسلمانوں پر مظالم کئے تو مسلمانوں نے فلاں محلہ میں ہندوؤں پر دھاوا بول دیا ـــــ صاف سن لو اللہ و رسول کے دین اسلام میں یہ ظلم ہے، حرام ہے، قطعاً حرام ہے بے گناہوں سے بدلہ لینا ان پر ظلم کرنا دنیا اور آخرت میں ناقابل معافی جرم اور گناہ ہے ـــــ یہ بات قرآن پاک کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے، جو لوگ اسلام کے نام پر ایسا کرتے ہیں وہ ان بے گناہ غیر مسلموں کے علاوہ اسلام پر بھی ظلم کرتے ہیں اور خدا کے عذاب اور غضب کو دعوت دیتے ہیں۔

اے اللہ تو گواہ رہ! مجھ گنہگار بندے نے موجودہ حالات میں جو کچھ کہنا حق اور اپنا فرض سمجھا، تیری ہی توفیق سے کہدیا، ان بھائیوں نے سن لیا ان کے دلوں میں اتار دینا اور ان کو اور خود مجھ کو بھی عمل کی توفیق دینا تیرے اختیار میں ہے ـــــ باقی صـ۳۶ پر

ڈاکٹر ماجد علی خاں
جامعہ ملیہ اسلامیہ ۔ نئی دہلی

حرم شریف کی مرکزیت اور اسکا احترام

دنیا میں عبادت کے لئے سب سے پہلا گھر

بیت اللہ الحرام یعنی کعبہ دنیا میں اللہ کی عبادت کے لئے تعمیر کردہ پہلا گھر ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ (آل عمران : ۹۶)	"بیشک سب سے پہلا گھر جو مقرر ہوا لوگوں کے واسطے وہ گھر ہے جو کہ مکہ میں ہے وہ برکت والا ہے اور تمام جہان کے لوگوں کا رہنما ہے"

اسطرح قرآن ساری دنیا کے مکانات یہاں تک کہ تمام مساجد کے مقابلہ میں بیت اللہ حرام یعنی کعبہ کا شرف و افضلیت بیان کرتا ہے اور یہ شرف و فضیلت کئی وجہ سے ہے[۱] ۔ اول اس لئے کہ وہ دنیا کی تمام سچی عبادتگاہوں میں سب سے پہلی عبادت گاہ ہے، دوسرے یہ کہ وہ

---

۱ ملاحظہ ہو :۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج ۲، ص ۱۱۳ ۔ ۱۱۸

برکت والا ہے، اور تیسرے یہ کہ پورے جہان کے انسانوں کے لئے ہدایت ورہنمائی کا ذریعہ ہے۔ اس آیت کے الفاظ کا خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلا گھر جو منجانب اللہ لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا ہے وہ ہے جو مکہ میں ہے اس کا مطلب یہ کہ دنیا میں سب سے پہلا عبادت خانہ کعبہ ہے۔ اس کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ دنیا کے سب گھروں میں پہلا گھر عبادت ہی کے لئے بنایا گیا ہو اس سے پہلے نہ کوئی عبادت خانہ ہو اور نہ ہی گھر یا دولت خانہ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ لوگوں کے رہنے سہنے کے مکانات پہلے بھی بن چکے ہوں مگر عبادت کے لئے یہ پہلا گھر بنا ہو۔ چنانچہ ابن جریر طبری اپنی مشہور تفسیر "جامع البیان فی تفسیر القرآن" میں ان دونوں صورتوں کی تائید میں علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ پہلی صورت کی دلیل میں کہ کعبہ سے پہلے اس دنیا میں کوئی مکان نہیں تھا، انھوں نے عبد اللہ بن عمرؓ، قتادہ، مجاہد سدی اور اعمش وغیرہ کے اقوال نقل کئے ہیں۔ جبکہ دوسری صورت کی تائید میں کہ کعبہ اس دنیا میں عبادت خانہ تو پہلا ہی ہے۔ گو کہ اس سے قبل رہنے کے لئے دوسرے مکانات بھی ہو سکتے ہیں، طبری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حسن بصریؒ، سالم اور سعید (بن المسیب) وغیرہ حضرات کے اقوال نقل کئے ہیں۔

بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے دنیا میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ ان کو یہ حکم بھیجا کہ وہ بیت اللہ (کعبہ) بنائیں، ان حضرات نے حکم کی تعمیل کر لی تو ان کو حکم دیا گیا کہ اس کا طواف کریں اور ان سے کہا گیا کہ آپ اَوَّلُ النَّاس یعنی سب سے پہلے انسان ہیں اور یہ گھر اوّل بیت وُضِعَ لِلنَّاس ہے یعنی پہلا گھر ہے جو لوگوں کے واسطے مقرر کیا گیا ہے۔ ابن کثیر نے ابن ابی حاتم کی سند کے ساتھ ایک روایت

ے ابن جریر طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، الجزء الرابع، ص ۶ - ۸

ے مفتی محمد شفیع، حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۴۴ ضعفہ ابن کثیر بابن لہیعہ ولا یخفی انہ لیس بمتروک الحدیث مطلقا ولا سیما فی ہذا المقام فان الروایۃ قد تائدت باشارات الکتاب۔

نقل کی ہے [۴] کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبَارَکًا کی تفسیر میں فرمایا کہ "اس سے قبل دوسرے گھر بھی (دنیا میں) موجود تھے لیکن یہ اللہ کی عبادت کے لئے بنا ہوا سب سے پہلا گھر ہے۔" ان اور ان جیسی دوسری روایات سے یہ بات تو ظاہر ہے کہ اگر کعبہ مشرفہ دنیا کا پہلا گھر نہیں ہے تو کم از کم سب سے پہلی عبادتگاہ ضرور ہے۔ قرآن کریم میں جہاں یہ ذکر ہے کہ کعبہ کی تعمیر بامر خداوندی حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے کی ہے وہیں اس کے اشارات بھی موجود ہیں کہ ان بزرگوں نے اس کی ابتدائی تعمیر نہیں فرمائی بلکہ سابق بنیادوں پر اسی کے مطابق تعمیر فرمائی اور کعبہ کی اصل بنیاد پہلے ہی سے تھی، قرآن کریم کے ارشاد وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ سے بھی ایسا ہی مفہوم ہوتا ہے کہ قواعد بیت اللہ یعنی اس کی بنیادیں پہلے سے موجود تھیں" [۵] بعض روایات میں ہے کہ جب حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو تعمیر بیت اللہ کا حکم دیا گیا تو فرشتہ کے ذریعہ ان کو بیت اللہ کی جگہ سابق بنیادوں کی نشاندہی کی گئی جو ریت کے تودوں میں دبی ہوئی تھی [۶]

بہرحال آیت مذکورہ سے کعبہ کی ایک یقینی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ وہ دنیا کا سب سے پہلا گھر یا کم از کم سب سے پہلا عبادت خانہ ہے — یہ فضیلت دنیا کی کسی اور عبادتگاہ یا مسجد کو حاصل نہیں ہے۔ صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ دنیا کی سب سے پہلی مسجد کونسی ہے؟ آپ نے فرمایا، "مسجد حرام ...." [۷]

---

[۴] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج ۱، ص ۳۸۳

[۵] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج ۲، ص ۱۱۵

[۶] معارف القرآن، ج ۲، ص ۱۱۶

[۷] یہ ایک طویل حدیث کا حصہ ہے تفصیل و تشریح کے لئے ملاحظہ ہو معارف القرآن، ج ۲، ص ۱۱۲

بیت اللہ کی برکات

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں بیت اللہ کی دوسری فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مبارک ہے۔ لفظ مبارک، برکت سے مشتق ہے۔ برکت کے معنی ہیں بڑھنا اور ثابت رہنا، پھر کسی چیز کا بڑھنا اس طرح بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا وجود کھلے طور پر مقدار میں بڑھ جائے اور اس طرح بھی ہوسکتا ہے کہ اگرچہ اس کی مقدار میں کوئی خاص اضافہ نہ ہو لیکن اس سے کام اتنے نکلیں جتنے عادۃً اس سے زائد سے نکلا کرتے ہیں، اس کو بھی معنوی طور پر زیادتی کہا جاسکتا ہے،، [۸] بیت اللہ کا بابرکت ہونا ظاہری طور پر بھی ہے اور معنوی طور پر بھی۔ اس کے ظاہری برکات میں یہ شاہد ہے کہ مکہ اور اس کے آس پاس ایک خشک ریگستان اور بنجر زمین ہونے کے باوجود اس میں ہمیشہ ہر موسم میں ہر طرح کے پھل اور ترکاریاں اور تمام ضروریات مہیا ہوتی رہتی ہیں، کہ صرف اہل مکہ کے لئے نہیں بلکہ اطراف عالم سے آنے والوں کے لئے بھی کافی ہوجاتی ہیں.... قرآن کریم میں ہے یجبیٰ الیہ ثمرات کل شیٍٔ [۹] یعنی اس میں باہر سے لائے جاتے ہیں۔ ثمرات ہر چیز کے، ان الفاظ میں اس کی طرف واضح اشارہ بھی موجود ہے۔ یہ تو ظاہری برکات کا حال ہے جو مقصود کی حیثیت نہیں رکھتیں، اور معنوی وباطنی برکات کا حال ہے کہ اس کا شمار نہیں ہوسکتا، بعض اہم عبادات تو بیت اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں، ان میں جو اجر عظیم اور برکات روحانی ہیں ان سب کا مدار بیت اللہ پر ہے مثلاً حج وعمرہ، اور بعض دوسری عبادات کا بھی مسجد حرام میں ثواب بدرجہا بڑھ جاتا ہے احادیث کی روایات کے مطابق مسجد حرام میں پڑھی گئی ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ملتا ہے [۱۰]۔ حج کے فضائل کے سلسلہ میں یہ حدیث بہت عام ہے کہ حج کو صحیح

---

[۸] معارف القرآن، ج ۲، ص ۱۱۷

[۹] سورۃ القصص [۲۸]، آیت نمبر [۵۷]

[۱۰] یہ روایت ابن ماجہ وطحاوی وغیرہ نے نقل کی ہے

طور پر ادا کرنے والا مسلمان پچھلے گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے آج ماں کے پیٹ سے پاک وصاف پیدا ہوا ہے یہ سب کے سب بیت اللہ کی معنوی اور روحانی برکات ہیں جن کو مذکورہ بالا آیت کے آخر میں ان الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے

مبارکاً وھدًی للعٰلمین ۔

بیت اللہ کی تین اہم ترین خصوصیات

مذکورہ بالا آیت کے بعد اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی کچھ خصوصیات ذکر کی ہیں ۔ ارشاد ہے :-

فِيهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ

(اٰل عمران : ۹۷)

"اس میں کھلی نشانیاں ہیں ۔ منجملہ ان کے ایک مقام ابراہیم ہے، اور جو شخص اس میں داخل ہو جاتا ہے وہ امن والا ہو جاتا ہے، اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمے اس مکان کا حج کرنا ہے یعنی اس شخص کے ذمہ جو کہ طاقت رکھے وہاں تک جانے کی، اور جو شخص منکر ہو تو اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے"

(آل عمران آیت ۹۷)

اس کی تفسیر کے سلسلہ میں امام فخر الدین رازی نے ایک قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں منجملہ دیگر خصوصیات کے تین خصوصیات کا جن کو قرآن مجید نے آیات کہا ہے خاص طور سے ذکر ہے : " ایک مقام ابراہیم، دوسرے یہ کہ جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ محفوظ ہو جاتا ہے اور تیسرے یہ کہ دنیا کے لوگوں (یعنی مسلمانوں) کے ذمہ اس کا حج کرنا فرض ہے"[1]

---

[1] امام فخر الدین رازی، مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) ج ۳، ص ۱۴

اس سلسلہ میں علماء کے دیگر اقوال بھی ہیں لیکن کچھ مفسرین نے اسی قول کو ترجیح دی ہے [۱۲]

اس طرح حرم شریف کی ایک بڑی نشانی یا خصوصیت مقام ابراہیم ہے، مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی تھی اور بعض روایات کے مطابق یہ پتھر تعمیر کی بلندی کے ساتھ ساتھ خود بخود بلند ہوتا جاتا تھا، اور نیچے اترتے وقت نیچا ہوتا جاتا تھا۔ اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کا نشان آج تک موجود ہے جو خود ایک معجزہ ہے۔

آیت مذکورہ میں بیت اللہ کی دوسری خصوصیت یہ بتلائی گئی ہے [۱۳] کہ جو اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا یعنی مامون و محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس میں داخل ہونے والے کا مامون و محفوظ ہو جانا ایک تو تشریعی اعتبار سے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو یہ حکم ہے کہ جو شخص اس میں داخل ہو جائے اس کو نہ ستاؤ نہ قتل کرو، اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر کے یا کوئی اور جرم کر کے وہاں چلا جائے اس کو بھی اس جگہ سزا نہ دی جائے بلکہ اس کو اس پر مجبور کیا جائے کہ وہ حرم سے باہر نکلے، حرم سے باہر آنے پر سزا جاری کی جائے گی [۱۴]

ائمہ متقدمین میں سے سعید بن المسیب، قتادہ، حسن بصری، عبد الرزاق اور معمر وغیرہ کا یہ قول ہے کہ اسلام کے بعد اللہ کی مقرر کردہ حدود حرم میں جاری کی جا سکتی ہیں، چنانچہ چور کا ہاتھ کاٹا جا سکتا ہے زانی پر حدود جاری کی جا سکتی ہیں، اور اسی طرح قاتل کو بعوض قتل قتل کیا جا سکتا ہے [۱۵] جبکہ مجاہد سعید بن جبیر، حماد، عطاء وغیرہ حضرات کی رائے یہ ہے کہ ایسے شخص کو جس نے جرم کا ارتکاب کیا ہو حرم سے باہر نکالا جائے اور پھر حدود جاری کی جائیں [۱۶]

---

[۱۲] ملاحظہ ہو:۔ معارف القرآن ج ۲، ص ۱۱۸، ۱۱۹

[۱۳] معارف القرآن، ج ۲، ص ۱۲۰، ۱۲۱

[۱۴] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن۔ ج ۲، ص ۱۲۱

[۱۵] ابن جریر طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن الجزء الرابع، ص ۹

[۱۶] ابن جریر طبری حوالہ مذکورہ، الجزء الرابع، ص ۹ تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص ۳۸۴

حرم میں داخل ہونے والے کا مامون ومحفوظ ہونا ایک اور وجہ سے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر ہر قوم وملت کے دلوں میں بیت اللہ کی تعظیم وتکریم ڈال دی اور وہ سب عموماً ہزاروں اختلافات کے باوجود اس عقیدے پر متفق ہیں کہ اس میں داخل ہونے والا اگرچہ مجرم یا ہمارا دشمن ہی ہو تو حرم کا احترام اس کا مقتضی ہے کہ وہاں اس کو کچھ نہ کہیں، حرم کو عام جھگڑوں لڑائیوں سے محفوظ رکھا جائے، زمانہ جاہلیت کے عرب اور انکے مختلف قبائل خواہ کتنی ہی عملی خرابیوں میں مبتلا تھے مکہ بیت اللہ اور حرم محترم کی عظمت پر سب جان دیتے تھے[ل] آج اس کے برخلاف بعض مسلمان حرم کے احترام کو بالائے طاق رکھ کر اس کو سیاست کا اکھاڑہ بنانا چاہتے ہیں حرم محترم کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو سیاست سے بالاتر رکھا جائے۔ سیاسی نعرہ بازیاں بھی حرم کے احترام کے خلاف ہیں۔ یہ تو حرم مکہ کی بات ہے جس کا احترام قرآنی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے، حرم مدینہ کے احترام کو برقرار رکھنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دارالخلافہ کو وہاں سے منتقل کر دیا اور کوفہ کو دارالخلافہ بنایا تاکہ نہ صرف اس زمانے کی سیاسی چپقلش اور اختلافات سے بلکہ تا قیامت سیاسی جھگڑوں سے حرم مدینہ کے مبارک مقام کو محفوظ رکھا جائے، جب صحابہ رضؓ کے دل میں حرم مدینہ کے احترام وعظمت کا یہ حال تھا تو پھر حرم مکہ کے احترام وعظمت کا کیا مقام ہوگا ہر مسلمان اس پر غور کر سکتا ہے فتح مکہ میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دین کی اہم مصلحت اور بیت اللہ کی تطہیر کی خاطر صرف چند گھنٹوں کے لئے حرم میں قتال کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی تھی اور فتح مکہ کے بعد آپؐ نے بڑی تاکید کے ساتھ اس کا اعلان و اظہار فرمایا تھا کہ یہ اجازت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تطہیر بیت اللہ کی غرض سے تھی اور وہ بھی چند گھنٹوں کے لئے تھی اس کے بعد ہمیشہ کے لئے پھر اس کی وہی حرمت ثابت ہے جو پہلے سے تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حرم کے اندر قتل وقتال نہ مجھ سے پہلے حلال تھا نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہے اور میرے لئے بھی

[ل] مفتی محمد شفیع حوالہ مذکورہ، ج ۲، ص ۱۲۱

صرف چند گھنٹوں کے لئے حلال ہوا تھا پھر حرام کر دیا گیا۔

جب سے اب تک تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع رہا ہے اور عامۃ الامت بیت اللہ اور حرم کو اس درجہ واجب الاحترام سمجھتے رہے ہیں کہ اس میں نہ صرف قتل وقتال بلکہ لڑائی جھگڑے، جس میں سیاسی جھگڑے بھی شامل ہیں، کو بد ترین گناہ سمجھتے رہے ہیں اور یہ ساری دنیا میں صرف بیت اللہ اور حرم محترم ہی کی خصوصیت ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے [۱۸] حضرت عبد اللہ بن عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا جبکہ آپ مکہ کے ایک بازار میں کھڑے تھے "(اے مکہ) اللہ کی قسم تو اللہ کی زمین کا سب سے بہتر حصہ ہے اور میں اللہ کی محبوب زمین سے محبت کرتا ہوں اگر مجھے تجھ سے نکالا نہ جاتا تو میں کبھی یہاں سے نہیں جاتا" [۱۹] جس سرزمین سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی محبت ہو اس کو ہنگامہ آرائیوں کی آماجگاہ بنانا کس طرح جائز ہو سکتا ہے

بیت اللہ کی مرکزیت

بیت اللہ الحرام کی مرکزیت پر پوری امت کا اجماع ہے اس کی خاص وجہ نہ صرف اس کی فضیلت، خصوصیات اور اللہ کی عبادت کے لئے تعمیر کیا گیا پہلا گھر ہونا ہے بلکہ تمام امت مسلمہ کے لئے اسکا قبلہ ہونا بھی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً	"بے شک ہم آپ کے منھ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ

---

[۱۸] رواہ مسلم کذا فی التفسیر لابن کثیر، ج ۱، ص ۳۸۴

[۱۹] رواہ الامام احمد وھذا لفظہ والترمذی والنسائی وابن ماجہ وقال الترمذی حسن صحیح کذا فی التفسیر لابن کثیر ج ۱، ص ۳۸۴ -

ترضٰها فول وجهك شطر المسجد الحرام وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره ط وان الذين اوتوا الكتاب ليعلمون انه الحق من ربهم ط وما الله بغافل عما يعملون ٥

(البقرہ ۲ : ۱۴۴)

رہے ہیں۔ اس لئے ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کریں گے جس کے لئے آپ کی مرضی تھی تو پھر (اب) اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (کعبہ) کی طرف کیا کیجئے۔ اور (اے مسلمانوں) تم سب لوگ (بھی) جہاں کہیں بھی موجود ہو اپنے چہروں کو اسی (مسجد حرام) کی طرف کیا کرو۔ اور یہ اہل کتاب بھی یقیناً جانتے ہیں کہ یہ (حکم) بالکل ٹھیک ہے اور ان کے پروردگار ہی کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی ان کارروائیوں سے بالکل بے خبر نہیں ہے

(سورہ بقرہ آیت ۱۴۴)

ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں شروع میں تقریباً سولہ سترہ مہینوں تک بیت المقدس کی طرف منھ کرنا شروع کیا لیکن آپ کی دلی خواہش یہی تھی کہ نماز میں قبلہ بیت اللہ ہی ہو۔ چنانچہ اس اشتیاق میں آپ بار بار آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے تھے کہ شاید فرشتہ وحی اس حکم کو لے کر نازل ہو۔ چنانچہ بالآخر وحی کے ذریعہ آپ کو بیت اللہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم ہوا اور تمام مسلمانوں کو بھی اسی کا حکم دیا گیا۔ اس طرح اللہ کا یہ مبارک گھر امت مسلمہ کے لئے ایک قطعی مرکز کی حیثیت سے مسلم ہوگیا۔ اس حکم سے امت مسلمہ کے لئے کسی ایک جہت کو قبلہ بنا کر اپنی ایک وحدت کا عملی مظاہرہ بھی مقصود تھا۔ کسی بھی اجتماعی نظام کا سب سے اہم اور بنیادی وصول افراد کثیرہ کی وحدت اور اجتماعیت ہے۔ یہ وحدت جتنی زیادہ قوی ہوگی اتنا ہی اجتماعی نظام مستحکم اور مضبوط ہوگا۔ پھر نقطۂ وحدت متعین کرنے میں مختلف

زمانوں میں لوگوں کی مختلف رائیں رہی ہیں۔ کسی قوم نے رنگ اور زبان کو اور کسی نے وطن اور جغرافیائی خصوصیات کی وحدت کو بنیاد قرار دیا اللہ کے دین اسلام نے جو درحقیقت تمام انبیاء علیہم السلام کا متفقہ دین ہے نقطۂ وحدت عقیدۂ توحید کو قرار دیا اور تمام دنیا کے انسانوں کو ایک خدائے واحد کی عبادت اور اس کی اطاعت پر متحد ہونے کی اور اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت پر مجتمع ہونے کی دعوت دی۔ اس حقیقی وحدت پر جمع ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ صوری وحدتیں بھی لازمی کر دیں۔ ان صوری وحدتوں میں ایک اہم چیز سمت قبلہ کی وحدت بھی ہے۔ نماز اور حج چونکہ اجتماعی عبادتیں ہیں اس لئے ان عبادتوں میں اس وحدت کو قائم رکھنا ضروری قرار دیا گیا۔ اسطرح بیت اللہ حرام اس امت کی وحدت کی ایک اہم اور بنیادی نشانی ہے۔

اگر امت کا کوئی گروہ یا طبقہ وحدت کی اس نشانی اور امت کی اس مرکزیت پر ضرب لگانے کی کوشش کرتا ہے تو دراصل وہ پوری امت میں انتشار پیدا کرنے کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔ جماعت کی نماز کے سلسلہ میں اس وحدت کو یہاں تک برقرار رکھا گیا ہے کہ اگر امام کسی ایک مسلک کا ہو اور مقتدی کسی دوسرے مسلک کے تب بھی اس امام کی اقتدار علماء کے نزدیک جائز ہوگی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں :۔

> صحابہ وتابعین میں بھی، اور ان کے بعد کے دور میں بھی فروعی مسائل میں مختلف شکلوں پر عمل رہتا تھا، مثلاً کچھ لوگ نماز میں بسم اللہ جہراً پڑھتے تھے اور بعض لوگ جہر نہیں کرتے تھے کچھ لوگ نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھتے تھے اور کچھ لوگ نہیں پڑھتے تھے۔ اسی طرح اور بھی بہت سے مسائل میں مختلف طریقے رائج تھے، لیکن اس اختلاف کے باوجود سب ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے مثلاً امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگرد

نیز امام شافعیؒ وغیرہم مدینہ منورہ کے مالکی المذہب اور دوسرے مسلک کے اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے تھے ...... ایک بار ہارون رشید نے پچھنے لگوا کر نماز پڑھائی اور امام ابو یوسف نے ان کے پیچھے نماز پڑھی اور پھر نماز کا اعادہ بھی نہیں کیا ... امام احمد بن حنبل بھی نکسیر پھوٹنے اور پچھنے لگوانے کے بعد وضو کرنا ضروری سمجھتے تھے لیکن ان سے جب پوچھا گیا کہ اگر آپ کسی ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھیں جس کے جسم سے خون نکلا ہو تو کیا آپ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے؟ تو انھوں نے فرمایا بھلا میں امام مالک سعید بن المسیب کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھوں گا۔

اس طرح ان تمام اکابر ائمہ و مجتہدین کا یہ عمل رہا ہے کہ ایک مسلک کے امام کے پیچھے دوسرے مسلک کا آدمی نماز پڑھ سکتا ہے۔ اگرچہ امام کا بعض مسائل میں مقتدی سے اتنا گہرا اختلاف ہی کیوں نہ ہو جس کی وجہ سے وضو کی تکمیل یا غیر تکمیل فرق ہو۔ اس کی غرض امت کی اجتماعیت کو باقی رکھنا اور اس کے شیرازہ کو منتشر ہونے سے روکنا ہی ہے۔ اس دور میں بھی اس امت کی وحدت کو برقرار رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اجتماعی امور میں فروعی اور اختلافی مسائل کو نظر انداز کیا جائے اور ایک مرکز پر متحد ہوا جائے اور یہ مرکز بیت اللہ الحرام سے بڑھ کر کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

بیت اللہ سے دنیا کے ہر مسلمان کو روحانی اور قلبی لگاؤ اور گہرا تعلق ہے اور یہ ایمان کا تقاضا ہے کہ اس پاک گھر سے دنیا کے ہر کونے میں بسنے والا مسلمان اپنے روحانی اور قلبی تعلق کو قائم رکھے۔ ہندوستان میں رہنے والے مسلمان بھی امت مسلمہ کی ایک اہم اکائی ہونے کی وجہ سے اس روحانی اور قلبی تعلق کو پوری طرح محسوس کرتے ہیں۔ اگر حرم پاک میں کوئی گروہ یا طبقہ کسی قسم کا فتنہ و فساد برپا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو ہندوستان کا مسلمان بھی دنیا کے دیگر تمام مسلمانوں کی طرح اس سے متاثر ہوتا ہے اور اس کو اس کے سدباب کی ایک دینی اور فطری فکر دامنگیر ہوتی ہے۔

بیت اللہ الحرام ایک ایسی مبارک جگہ ہے جہاں ہر سال حج کے موقع پر دنیا کے کونے کونے سے آئے ہوئے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ ان میں مختلف مکاتب فکر اور مختلف خیالات کے لوگ ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے ان سب کے سیاسی افکار بھی یکساں نہیں ہو سکتے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ مختلف ممالک اور خطوں کے رہنے والے مسلمان اپنے اپنے ممالک اور خطوں کے مقامی حالات سے بھی متاثر ہوں گے۔ اگر یہ لوگ حج کے موقع پر ان سیاسی اختلافات کو ابھاریں اور مختلف مکاتب فکر کے نظریات کو ہوا دیں تو حج ایک اجتماعی عبادت اور اللہ کی طرف سے عائد کردہ ایک اہم رکن ہونے کے بجائے سیاسی اکھاڑہ بن جائے گا جس سے نہ صرف بیت اللہ اور حرم شریف کے تقدس کو ٹھیس لگے گی بلکہ امت کے اندر زبردست انتشار بھی پیدا ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس عبادت کا مقصد امت کو ایک نقطۂ وحدت پر جمع کرنا ہے وہ خود اس انتشار کا شکار بن جائے گی اور اس کا اثر پورے عالم اسلام پر پڑے گا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ حج کو اور حرم شریف کو ہر قسم کے اختلافات سے پاک و صاف رکھا جائے تاکہ مسلمان اس میں سکون امن اور عافیت کے ساتھ اللہ کو یاد کر سکیں اور دنیا بھر کے انسانوں کے سامنے وحدت کا ایک ایسا نمونہ پیش کر سکیں جو دوسری قوموں میں نہیں مل سکتا۔

قرآن جب بیت اللہ کی طہارت اور پاکی کے بارے میں بیان کرتا ہے تو اس سے اس کا مطلب ہر قسم کی طہارت ہے یعنی طہارت ظاہرہ بھی اور طہارت معنوی بھی۔ طہارت معنوی سے مراد وہ پاکی ہے جس کی وجہ سے حرم شریف ان تمام عوامل سے پاک رہے جن کی وجہ سے اس کے امن و سکون کو ٹھیس لگے اور اس کی زیارت کو آنے والے مومنین کی عبادت میں خلل آئے۔ اس بات کا عہد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے لیا تھا۔ ارشاد خداوندی ہے:-

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا	(اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ) جس وقت ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کا

مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۭ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ (البقرۃ، ۱۲۵)

معبد اور (مقام) امن (ہمیشہ سے) مقرر رکھا اور مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنا دو۔ اور ہم نے (حضرت) ابراہیم اور (حضرت) اسمٰعیل (علیہما السلام) کی طرف حکم بھیجا کہ میرے (اس) گھر کو خوب پاک رکھا کرو بیرونی اور مقامی لوگوں (کی عبادت) کے واسطے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے واسطے"

(سورہ بقرہ۔ آیت ۱۲۵)

مفسرین اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "طَهِّرَا بَيْتِىَ، اس میں بیت اللہ کو پاک کرنے کا حکم ہے جس میں ظاہری نجاسات اور گندگی سے طہارت بھی داخل ہے اور باطنی نجاسات کفر و شرک اور اخلاقِ رذیلہ بغض وحسد، حرص وہوا، تکبر و غرور، ریا و نام ونمود سے پاکی بھی شامل ہے۔ اور اس حکم طہارت کے لفظ بَيْتِىَ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ حکم تمام مساجد کے لئے عام ہے کیونکہ ساری مساجد بیوت اللہ ہیں، جیساکہ ارشاد ہے، فِىْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ ....."[۲۱] ابن کثیر مجاہد اور سعید بن جبیر کا قول نقل کرتے ہیں کہ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ سے مراد یہ ہے کہ اس کو (یعنی بیت اللہ کو) بتوں سے نیز فحش گوئی، جھوٹ اور خفیف حرکتوں سے بھی پاک رکھا جائے"[۲۲] امام فخر الدین رازی بھی اس سلسلہ میں یہ نقل کرتے ہیں کہ بیت اللہ کی پاکی کا مطلب یہ ہے کہ اس کو بتوں سے، شرک سے نیز گناہوں

---

[۲۱] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ج ۱، ص ۲۶۶

[۲۲] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج ۱، ص ۱۷۱

سے پاک رکھا جائے ......"[۲۲]

سیاسی اور اسی قسم کے دیگر مظاہروں میں حرص و ہوا، تکبر و غرور، ریا و نام و نمود اور بعض مرتبہ بغض و حسد جیسے اخلاق رذیلہ، برائیاں اور گناہ شامل ہوتے ہیں اس لئے حرم شریف میں اس قسم کے مظاہرے اور دیگر حرکتیں حرم پاک کی پاکی کے خلاف ہیں جس کا حکم نص قطعی سے ثابت ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ وہ گروہ اور طبقے جو ان تمام امور میں ملوث ہیں ان حرکات سے باز آئیں گے اور بیت اللہ کی عظمت کو برقرار رکھیں گے تاکہ نہ صرف تمام امت مسلمہ بلکہ تمام انسانیت اس کی برکات سے متنفع ہو اور اس امت میں ایک بار پھر اتحاد اور اخوت پیدا ہو نیز آپسی چپقلش، اختلافات اور لڑائی جھگڑے دور ہوں۔

بقیہ خطاب عید الفطر

اے اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرما اور میرے اس کہنے کو قبول فرمالے!

میرے بھائیو، عزیزو! اب میں بات کو ختم کرتا ہوں، اب ہم آپ سب اپنے دلوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کریں، ایمانی عہد کی تجدید کریں نماز، روزہ زکوٰۃ وغیرہ فرائض اور حقوق العباد کی اہتمام سے ادائیگی کا عہد کریں گناہوں سے توبہ کریں اور معافی مانگیں دنیا اور آخرت کی خیر و فلاح اور ہر طرح کے شرور سے اللہ کی پناہ مانگیں

سبحانک اللھم وبحمدک نشھد ان لا الہ الا انت نستغفرک ونتوب الیک ۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین ربنا امنا فاغفر لنا وارحمنا وانت خیر الرحمین

(اس کے بعد ایمانی عہد کی اجتماعی تجدید، اور اجتماعی توبہ و استغفار اور طویل و جامع دعا پر خطاب ختم ہوا)

---

۲۲ امام فخر الدین رازی، مفاتیح الغیب، ج ۱، ص ۲۲،

یادِ رفتگاں

مولانا حافظ شبیر انگار صاحب الٰی رحمۃ اللہ

مشرقی افریقہ میں ری یونین ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے، جو فرانس کے زیر حکومت ہے سینٹ ڈینس اس کا مرکزی شہر ہے، یہاں کے ایک مردِ صالح حاجی داؤد انگار صاحب ۱۹۵۰ء میں مکہ معظمہ میں مرشدنا حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ سے بیعت ہوئے تھے، اسی نسبت سے اس عاجز کے ساتھ بھی انکا تعلق رہا، انکے ایک صاحبزادے مولانا احمد سعید انگار ہیں جو اس عاجز سے خط و کتابت کا تعلق رکھتے ہیں، اب سے ٹھیک آٹھ سال پہلے رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ میں انھوں نے اپنی والدہ ماجدہ مرحومہ کے حادثۂ انتقال کی اطلاع دیتے ہوئے راقم سطور کو لکھا تھا۔

ایک افسوسناک اور غمناک حادثہ کی اطلاع دے رہا ہوں: والدہ ماجدہ محترمہ ۱۳ ار رمضان المبارک بعد نماز مغرب اچانک انتقال فرما گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن انکی طبیعت بالکل اچھی تھی، روزانہ کا معمول تھا، رات کو دو بجے اٹھتیں تہجد اور اس کے بعد ذکر اذکار اور تلاوت قرآن میں مشغول رہتیں، پھر سحر کا کھانا تیار کرتیں اور سب کو کھلاتیں اور خود کھاتیں پھر نماز فجر اور اشراق وغیرہ سے فارغ ہو کر تلاوت اور ذکر و دعا وغیرہ معمولات میں مشغول رہتیں، دوپہر کو تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد پھر تلاوت میں مشغول ہو جاتیں، کل تیرہ رمضان کو بھی یہ سارے معمولات اسی طرح پورے ہوئے، کسی قسم کی کوئی تکلیف یا بیماری کا اثر نہیں

تھا، افطار کا وقت آجانے پر افطار کیا، ہم سب لوگ نماز کے لئے مسجد چلے گئے تھے، والدہ صاحبہ نے مغرب کی نماز ادا کی، اوابین کی نفل پڑھنا چاہتی تھیں، لیٹ گئیں، ہم سب مسجد میں تھے، قریب میں بہن کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا اس سے پانی مانگا، اس نے پانی دیا، دو تین گھونٹ پیا، اور بس اسی پر خاتمہ ہوگیا، ہم لوگ مسجد سے آئے تو دیکھا کہ روح عالم بالا کی طرف پرواز کر چکی ہے یہ بھی لکھا تھا کہ والدہ ماجدہ مرحومہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے بعیت تھیں ــــ آگے دعائے مغفرت کیلئے لکھا تھا۔

شوال ۱۳۹۹ھ کے الفرقان کے شمارے میں مولانا احمد سعید انگار صاحب کا یہ خط شائع کر دیا گیا تھا شاید بعض ناظرین کرام کو یاد بھی ہو۔

اب اس حادثہ کے آٹھ سال کے بعد اواخر رمضان مبارک میں انھیں مولانا احمد سعید انگار کا خط ملا، جس میں انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی مولانا حافظ شبیر صاحب کے اسی طرح اچانک انتقال کی اطلاع دی ہے، یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے، کہ ان کا انتقال بھی اچانک اپنے والدہ ماجدہ مرحومہ کی طرح ۱۳ ر رمضان المبارک کو ہوا جبکہ دن منگل کا تھا، ان کی والدہ ماجدہ مرحومہ کا انتقال بھی ۱۳ ر رمضان کو منگل کے دن ہوا تھا۔

مولانا احمد سعید انگار صاحب نے لکھا ہے کہ ہم دونوں بھائی ایک کام کے سلسلہ میں شہر ہی میں ایک صاحب کے یہاں گئے ہوئے تھے، قبل ظہر کا وقت تھا۔ اچانک بھائی کی طبیعت میں تغیر پیدا ہوا، میں ان کے پاس اس وقت پہونچا جب وہ آخری سانس لے رہے تھے دیکھتے ہی دیکھتے روح پرواز کر گئی۔

ہمارے ڈرائیور نے بتلایا کہ میرے پہونچنے سے پہلے بھائی مرحوم نے بلند آواز سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا ــــ میں جب مرحوم بھائی کی لاش کو لے کر گھر آیا تو مرحوم کی بیوی کی چیخ نکلی انھوں نے بتلایا کہ رات ہی مجھ سے کہہ رہے تھے کہ آج ۱۳ ر رمضان المبارک ہے، جس میں والدہ محترمہ کا انتقال ہوا تھا اور دن بھی وہی منگل کا ہے اور آج میں نے تراویح میں وہی پارہ پڑھا ہے جو والدہ

مرحوم کے انتقال سے پہلی رات میں پڑھا تھا ــــ میں بھی دنیا سے چلا جاؤں گا
آگے مولانا احمد سعید انگار صاحب نے تکفین اور تدفین کا ذکر تفصیل سے کیا ہے
یہ بھی لکھا ہے کہ والد صاحب (حاجی داؤد انگار صاحب) نے بڑھاپے میں جوان بیٹے کو
اپنے ہاتھوں سے قبر میں لٹایا اور اللہ کی رحمت کے سپرد کیا۔

مولانا حافظ شبیر صاحب کی عمر اس وقت تینتالیس ۴۳ سال تھی وہ مظاہر علوم سہارنپور کے فارغ التحصیل تھے، فراغت کے بعد طویل مدت تک ایک مسترشد اور خادم خاص کی حیثیت سے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں سہارنپور ہی میں مقیم رہے۔

راقم سطور (محمد منظور نعمانی) کے نزدیک وہ ان خوش نصیب حضرات میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الحدیث کی صحبت و خدمت اور خصوصی قلبی توجہ کی وساطت سے مقبولیت و مرحومیت کا خاص درجہ اور مقام عطا فرمایا تھا ــــ جس طرح سے ان کا خاتمہ ہوا، اور انتقال سے پہلی والی رات میں جو کچھ اپنی اہلیہ سے کہا تھا، (جو فی الحقیقت اللہ تعالیٰ نے ان سے کہلوایا تھا) وہ اسکی روشن دلیل ہے۔ واللہ اعلم باحوال عبادہٖ۔

مرحوم کے والد ماجد ہمارے مخلص دینی بھائی حاجی داؤد انگار صاحب اور سب متعلقین اعزہ واقربا کا اس حادثہ میں صدمہ فطری امر ہے جس سے حضرات انبیاء علیہم السلام بھی مستثنیٰ نہیں، سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شیر خوار صاحبزادہ ابراہیم (علیہ وعلیٰ ابیہ السلام) کے انتقال پر اپنے دلی صدمہ کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا تھا "اَلعَینُ تَدمَعُ وَالقَلبُ یَحزَنُ" (آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل رنجیدہ اور غمزدہ ہے) ساتھ ہی خداوندی فیصلہ پر رضا وتسلیم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا "ولا نقولُ الّا ما یرضی ربّنا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔"
اللہ تعالیٰ مرحوم کے سب متعلقین اور پسماندگان کو اسی سنت اور اسوۂ حسنہ کے اتباع و پیروی کی توفیق عطا فرمائے دنیا میں ان کی بیوہ اہلیہ اور اولاد کی سرپرستی فرمائے اور آخرت میں سب کو اپنی شان عالی کے مطابق اجر سے نوازے ــ ناظرین کرام سے بھی اسی دعا کی درخواست ہے

ایک مثالی مومنہ صالحہ خاتون علیہا الرحمہ

مرشدنا حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کے خواص مسترشدین و مجازین میں ایک سید شاہ نفیس صاحب (ادام اللہ فیوضہم) ہیں جن کا مستقر اب لاہور ہے۔ شوال کے پہلے ہفتہ میں ان کا ۲۳ رمضان کا مرقومہ گرامی نامہ ملا، اس میں تحریر فرمایا تھا:۔

"رمضان مبارک کی ساتویں تاریخ کو اس عاجز کی والدہ ماجدہ نے اس جہان فانی سے رحلت فرمائی، مرحومہ عابدہ، زاہدہ، صالحہ، شاکرہ ذاکرہ تھیں۔ آخر وقت میں اللہ پاک کے ذکر سے ان کی زبان معمور تھی۔ ان کی زندگی میں دو چیزیں نمایاں تھیں، ایک نماز کا شدت سے انتظار اور دوسرے موت کا اشتیاق۔ رحمہا اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ دعاء مغفرت کی درخواست ہے۔"

اللہ تعالیٰ مرحومہ کے ساتھ مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے اور ان ایمانی صفات کا کچھ حصہ اس عاجز راقم سطور کو بھی عطا فرمائے اور اپنے خاص کرم سے امت محمدیہ میں ان صفات کو عام فرما دے۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

ALFURQAN MONTHLY
31, NAYA GAON WEST
LUCKNOW-226 018 (INDIA)

Regd. No. LW/NP-62
Vol. 55 No. 7
July 1987

OLYMPIA PRESS, 29, Nazirabad, Lucknow.

سرپرست:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

مدیر:

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

Rs. 3/

Aug
198

جلد ۵۵ — شمارہ ۸-۵
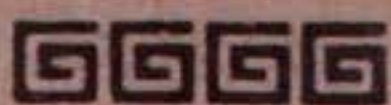
اگست ۱۹۸۷ء

مطابق

ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ

فی شمارہ -/۳

سالانہ چندہ

برائے ہندوستان -/۳۰ پاکستان -/۴۰

برائے بیرونی ممالک

بحری ڈاک -/۷۵ (-/5 پونڈ) — —

ہوائی ڈاک -/۱۶۰ (-/15 پونڈ)

اگر اس دائرہ ◯ میں سرخ نشان

ہے تو اس کا مطلب یہ کہ آپکی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا اطلاع مہینے کے آخر تک موصول نہ ہونے کی صورت میں اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی روانہ ہو گا

خط و کتابت یا ترسیل کا پتہ

دفتر: ماہنامہ "الفرقان"

۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ:

ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور

محمد حسان نعمانی پرنٹر پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہ اولیں

مدیر

چودہویں صدی ہجری کے آخری سال کا آغاز ایک نہایت نامبارک واقعہ سے ہوا تھا جب ایک مسلح گروہ نے یکم محرم ۱۴۰۰ھ کی فجر کے بعد کعبۃ اللہ اور مسجد حرام پر قبضہ کر کے اعلان کیا تھا کہ "مہدی موعود ظاہر ہو گئے ہیں، اور وہ اس وقت ہمارے درمیان موجود ہیں سب لوگ ان سے بیعت کریں"

اور پھر جو کچھ ہوا تھا، امید ہے کہ لوگ ابھی اسے بھولے نہ ہوں گے،
کعبۃ اللہ کے صحن میں جس سے زیادہ مقدس اور پر امن جگہ اس کرۂ ارض میں کوئی اور نہیں، اللہ کے بندوں کا خون بہا، سیکڑوں کی زندگی کا چراغ گل ہوا جن میں اللہ کے خصوصی مہمان حجاج بیت اللہ بھی تھے، دو ہفتوں سے زیادہ بیت اللہ کا طواف بند رہا اور ان دنوں میں مسجد حرام میں ایک وقت بھی نماز باجماعت نہیں ہو سکی۔

اس مسلح گروہ کا جو شخص وقتاً فوقتاً اعلانات کر رہا تھا، وہ کچھ اور باتوں کے ساتھ یہ بات بھی بار بار دہراتا تھا کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں کسی کے آنے جانے یا قیام پر قانونی پابندی عائد کرنا شرعاً حرام ہے۔ اب امام مہدی کے دور میں یہ پابندیاں اٹھالی جائیں گی اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو بلا روک ٹوک حرمین شریفین آنے اور حسب منشار قیام کی اجازت ہوگی، پاسپورٹ، ویزے اور اقامے کے تمام غیر اسلامی اور کافرانہ قوانین کو منسوخ کر دیا جائے گا جن کے لئے فوٹو کھنچوانے کا غیر شرعی کام بھی کرنا پڑتا ہے۔

اور بالآخر مہدی کے نام پر کی جانے والی اس مجرمانہ سازش کا انجام یہ ہوا تھا کہ ۱۶،۱۷ دن کی طویل اور سخت جد وجہد کے بعد ان باغی شیاطین میں سے کچھ کو زندہ گرفتار کیا گیا تھا اور زیادہ تر کی لاشیں مسجد حرام کے تہہ خانوں سے برآمد ہوئی تھیں

جن میں وہ شخص بھی تھا جسے مہدی بنایا گیا تھا۔ یہ واقعہ ایرانی انقلاب کے تقریباً ۹ مہینے کے بعد رونما ہوا تھا۔

پندرہویں صدی ہجری کے ساتویں سال کا اختتام بھی ایک نہایت اہم، المناک اور فکر انگیز واقعہ پر ہو رہا ہے۔

ہمارا اشارہ اس سال حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں ہونے والے اس واقعہ کی طرف ہے جس کی صدائے بازگشت پوری دنیا میں گونج رہی ہے۔

آج کی صحبت میں ہماری گفتگو کا موضوع یہی واقعہ اور اس کا وہ پیغام ہے جو ہر مسلمان اور خاص طور پر علمائے کرام، ارباب اقتدار اور اہل حل و عقد حضرات تک پوری صراحت کے ساتھ پہنچ جانا چاہیے ــــ اصل واقعہ کی مشاہداتی تفصیل ہمارے علم میں آئی ہے اس کے پیش کرنے سے پہلے ہم اس کے پس منظر پر مختصراً روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

پس منظر

انقلاب ایران سے پہلے ایرانی عوام بہت معمولی سی تعداد میں حج و عمرہ کے لئے حرمین شریفین آتے تھے، لیکن انقلاب کے بعد ان کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا (اب ہر سال ایرانی حجاج کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے اوپر ہی ہوتی ہے) راقم الحروف کو یہ بات کچھ ایرانی حجاج ہی سے معلوم ہوئی تھی کہ انکی انقلابی حکومت عازم حج کے نصف مصارف سفر خود برداشت کرتی ہے ــــ یہ ایرانی لوگ جو حج کے نام پر آتے ہیں اپنے قائد و رہبر، نائب امام غائب آیت اللہ خمینی صاحب کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے طرح طرح سے شورش برپا کرنے کی، سعودی عرب کے حکمرانوں کو اشتعال دلانے کی اور عام حاجیوں کو اذیت پہنچانے کی کوششیں کرتے ہیں۔

جب چاہتے ہیں جلوس نکالتے ہیں، نعرے لگاتے ہیں، یہاں تک کہ طواف کے دوران بھی اللہ تعالیٰ کے تخت جلالت کے روبرو "اللہ واحد خمینی قائد، اللہ اکبر خمینی رہبر" کے نعرے لگاتے ہیں۔ اور صرف نعرے ہی نہیں لگاتے اس پر جلال جگہ

پر یہ لوگ خمینی صاحب کی تصویریں بھی اٹھائے رہتے ہیں!! یہی نہیں بلکہ یہ بدبخت و بدتوفیق لوگ کبھی مطاف میں سوئیاں گراکر، کبھی غلاظت گراکر اور کبھی اچانک ہزاروں کی تعداد میں ایک ریلے کی شکل میں نعرے لگاتے ہوئے داخل ہوکر اور بیچاسوں حاجیوں کو روند کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں بھی ان کے جلوسوں مظاہروں اور نعروں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ بلکہ یہاں حضرات خلفائے ثلاثہ اور امہات المومنین پر تبرّوں، اور ان کے لئے بددعاؤں کا اضافہ ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ ان میں سے کچھ شقی القلب روضہ اطہر کی جالیوں سے ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی قبروں کی طرف غلاظت پھینک کر بھی اپنے سینوں میں بھڑکتی ہوئی نفرت و عداوت کی آگ کو بجھانے کی کوشش کرتے ہیں ___ حرمین شریفین اور جدہ وغیرہ میں قیام کے دوران یہ ایرانی لوگ عرب نوجوانوں میں متعہ کے نام پر بدکاری و فحاشی کو رواج دینے کی اور عربوں کے اعصاب پر اپنی لڑکیوں اور عورتوں کو سوار کرنے کی بھی درپردہ کوششیں کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں بے شمار تعداد میں اپنا لٹریچر بھی عام حجاج اور مقامی باشندوں میں تقسیم کرنے کا بھی خصوصی اہتمام کرتے ہیں، یہاں تک کہ میدان عرفات میں بھی جہاں چند گھنٹے کا وقوف اور ذکر و دعا اور توبہ واستغفار حج کی جان ہے جلسے جلوسوں کے ہنگامے کر کے ہزاروں حجاج کی توجہ وہاں کے اصل کاموں کی طرف سے ہٹا کر سیاسی نعرے بازی میں وقت ضائع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص کسی ایرانی حاجی سے یا ان کے کسی سربراہ سے ایرانی حاجیوں کی ان حرکتوں کے بارے میں کچھ کہتا ہے تو الٹا کر وہ فوراً اس بات پر تقریر شروع کر دیتے ہیں کہ اسلام دین و سیاست کے مجموعہ کا نام ہے، اور حج صرف عبادتی عمل نہیں وغیرہ وغیرہ۔

یہ ہے گذشتہ ۹ سال سے حج کے نام پر ایران سے آنے والے لوگوں کی حرکتوں کا مختصر سا جائزہ[1]

---

[1] راقم الحروف نے ایرانی حجاج کو ایام حج میں حرمین شریفین میں یہ سب مجرمانہ حرکتیں کرتے ہوئے خود دیکھا ہے

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

یہاں یہ بھی ذکر کر دینا مناسب ہوگا کہ سعودی حکومت، جو اندرون ملک نظم و ضبط کی حفاظت اور اصولوں کی پابندی میں سختی کے لیے، بدنامی کی حد تک معروف ہے ان ایرانی فتنوں کے ساتھ نرمی، چشم پوشی، غیر معمولی برداشت اور کسی نہ کسی طرح ہر سال اس بلا کو ٹال دینے کا رویہ اختیار کئے رہی ہے[1]

اس سال حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں جو واقعہ ہوا اس کے پس منظر کے تذکرہ میں لکھنؤ اور بعض دوسرے مقامات پر ہونے والے "حج سمینار" کے عنوان پر کئے گئے اجتماعات کا حوالہ بھی ضروری ہے ـــــ لکھنؤ میں جولائی ۸۶ء کے مہینے میں ایرانی حکومت کی سرپرستی میں ایک حج سمینار ہوا تھا جس میں حج کا تذکرہ تو بہت کم ہی ہوا تھا، زیادہ تر زور سعودی حکومت کے خلاف گالم گلوج کے علاوہ۔ اس مطالبہ پر دیا گیا تھا کہ

حرمین شریفین کو بین الاقوامی شہر قرار دے دیا جائے۔

اور

حرمین شریفین کا نظم و نسق دنیا بھر کے مسلمان نمائندوں کو سونپ دیا جائے۔

اس سمینار میں عازمین حج سے کہا گیا تھا کہ وہ وہاں مناسب موقعوں پر اس مطالبہ کا اور موجودہ صورتحال سے اپنی بیزاری کا اظہار کریں ـــــ اسی وقت

پچھلے صفحہ کا باقی حاشیہ:۔ ان میں سے کوئی ایک چیز بھی صرف شنیدہ نہیں ہے ـــــ اور جو لوگ شیعہ مذہب کی حقیقت اور اس مذہب کے پیروں کی تاریخ اور ان کے انکا دعقائد سے واقف ہیں انھیں اس میں سے کوئی بات بھی بعید از قیاس نہیں معلوم ہوتی۔

[1] اس سلسلہ میں چند سال قبل کا یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ جب ایرانی حاجیوں نے مدینہ منورہ میں جنت البقیع کی دیواریں پھاند کر اس کے اندر داخل ہونا چاہا، اور وہاں متعین سپاہیوں نے انھیں اس سے منع کیا تو ایرانی حاجیوں نے پولیس کے ان سپاہیوں کی خوب پٹائی کی۔ اس پر بھی سعودی حکومت نے ان ایرانیوں کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی ـــ

اندازہ ہو گیا تھا کہ حرمین شریفین پر مکمل قبضہ کا جو ایرانی منصوبہ ہے شاید اس کی تکمیل کے لئے مہم کا آغاز اسی موسم حج سے کیا جائے گا ــــــ اور پھر چند دنوں کے بعد ۶ ذی الحجہ کو ہونے والے واقعہ نے اس اندیشہ کی تصویب کر دی ؎

ان الذی تحذرین قد وقعا

واقعہ کی تفصیل

یہ نامبارک واقعہ ۶ ذی الحجہ (جمعہ) کی شام بعد نماز مغرب مکہ مکرمہ کے مشہور تاریخی قبرستان جنت المعلیٰ اور مسجد حرام کے درمیانی راستہ میں پیش آیا۔ اگلے دن صبح ہی ٹیلیفون کے ذریعہ براہ راست اور براہ دہلی یہاں اسکی اجمالی خبریں آنا شروع ہو گئی تھیں، راقم الحروف واقعہ کی تفصیلات جاننے کے لئے خود مختلف ملکوں کے ریڈیو سے خبروں کے نشریے سننے اور اخبارات کے مطالعہ کا خصوصی اہتمام کرتا رہا ــــــ ریڈیو اور اخبارات سے واقعہ کے بارے میں متضاد خبریں ملتی رہیں، اس لئے یہ بہتر سمجھا کہ ابھی کچھ لکھنے کے بجائے حج سے واپس آنے والوں کا انتظار کیا جائے ــ امید تھی کہ ان کے ذریعہ واقعہ کی صحیح نوعیت معلوم ہو سکے گی۔ چنانچہ ذیل میں واقعہ کی جو تفصیل لکھی جا رہی ہے وہ بعض ایسے حضرات کے بیانات پر مشتمل ہے جو یا تو پورے واقعہ کے خود عینی شاہد ہیں یا انھوں نے ثقہ عینی شاہدوں سے واقعہ کی یہ تفصیل سنی ہے ــ

ہوا یہ کہ ۶ ذی الحجہ کی شام بعد نماز مغرب ایرانی حاجیوں کا ایک زبردست ہجوم جلوس کی شکل میں نعرے لگاتے ہوئے جنت المعلیٰ سے نکل کر مسجد حرام کی طرف روانہ ہوا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد پولیس والوں نے جلوس کو روکنے کی کوشش کی، اور لوگوں سے درخواست کی کہ وہ منتشر ہو جائیں۔ اور جلوس کی شکل میں آگے بڑھنے کے بجائے الگ الگ ہو کر مسجد حرام کی طرف جائیں ــــ لیکن ایرانی حاجیوں نے جلوس ہی کی شکل میں آگے بڑھنے پر اصرار کیا، (یاد رہے کہ گذشتہ کئی سالوں سے موسم حج شروع ہونے سے پہلے ہی سعودی حکومت آنے والے حاجیوں کے لئے جو ہدایات جاری کرتی ہے ان میں سب سے زیادہ زور اسی بات پر ہوتا ہے کہ کسی قسم کے جلسے، جلوس، مظاہرے

کی یا نعرے بازی کی اجازت نہیں ہوگی ۔ اس سال بھی یہ ہدایات جاری کی گئی تھیں اور تمام دنیا کے اخبارات میں حج سے پہلے ہی شائع بھی ہوگئی تھیں) ایک مخصوص مقام پر پہنچنے کے بعد سعودی پولیس کے کچھ سپاہیوں نے ایرانی حاجیوں کو آگے بڑھنے سے روکنا چاہا تو اچانک ان حاجیوں نے چھرے نکال کر ان سپاہیوں پر حملہ کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے ہجوم نے دوکانوں اور کاروں کو آگ لگانی شروع کر دی پولیس اعلیٰ حکام کی ہدایات کے مطابق یہ سب پر تشدد کاروائی دیکھتی رہی ، اور خود بھی مار کھاتی رہی ، لیکن کوئی جوابی کاروائی فوری طور پر پولیس نے نہیں کی ، تھوڑی دیر بعد فائر بریگیڈ کی موٹروں کو بلوایا گیا ، اور پانی کی دھار کے ذریعہ اس پر تشدد ہجوم کو قابو میں کرنے کی کوشش کی گئی ، لیکن اس سے بھی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا ، ایرانی حاجی نہ صرف یہ کہ اپنے ارادے سے باز رہنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے ۔ بلکہ تشدد اور قتل وخونریزی کا سلسلہ بھی بڑھتا ہی جا رہا تھا ۔ بار بار پولیس والے لاؤڈ اسپیکر پر ایرانیوں سے اپیلیں کر رہے تھے ، بالآخر انھوں نے اعلان کیا کہ اگر آپ لوگ حدود حرم میں اس دہشت گردی سے باز نہیں آئیں گے تو ہمیں جوابی کاروائی کرنی پڑے گی ، اس عرصہ میں سعودی سیکورٹی فورس کافی تعداد میں موقع پر پہنچ گئی تھی ——— یہ اعلان سن کر وہ صاحب جنھوں نے راقم الحروف کو واقعہ کا یہ آنکھوں دیکھا حال سنایا ہے انھوں نے سمجھ لیا کہ اب یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا خطرہ سے خالی نہیں ہے ، چنانچہ وہ ایک عقبی راستہ سے وہاں سے دور چلے گئے ——— اس کے بعد کیا ہوا ؟ اس کے بارے میں جو کچھ اخبارات سے اور کچھ لوگوں سے معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ سعودی سیکورٹی فورس نے جوابی کاروائی کی جس کے نتیجہ میں ڈھائی سو سے کچھ زیادہ ایرانی ہلاک ہوئے ، مجموعی اعتبار سے اس واقعہ میں مہلوکین کی تعداد چار سو سے کچھ اوپر بتائی گئی ہے ، جن میں کچھ مختلف ملکوں کے حجاج مقامی سعودی باشندے اور سعودی پولیس کے سپاہی شامل ہیں ۔

یہ بات ابھی تک نہیں معلوم ہوسکی ہے کہ سعودی حفاظتی دستہ نے فائرنگ کی

یا نہیں ؟ ایرانیوں کا کہنا ہے کہ نہایت پر امن ایرانی حجاج پر جو سعودی حکومت کی پیشگی اجازت کے مطابق اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف مظاہرے کر رہے تھے بلا وجہ سعودی پولیس اور دفاعی افواج کے دستوں نے اندھا دھند گولیاں چلائیں جس سے چھ سو سے زیادہ ایرانی مر گئے۔

اور سعودی وزارت داخلہ کے بیان میں کہا گیا ہے کہ ایرانی جب تشدد پہ اتر آئے اور بہت سے لوگ ان کے تشدد کا نشانہ بن گئے، تب بھی ہم نے ایک بھی گولی نہیں چلائی، بلکہ ہلکے درجہ کی تدبیروں سے ہی ہم نے اس تشدد کو رفع کرنے کی کوشش کی۔

ہمارے خیال میں یہ بات کہ سعودی دفاعی دستوں نے جوابی کاروائی میں کون سی تدبیر اختیار کی تھی، یہ بھی عنقریب ہی واضح ہو جائے گی، البتہ قابل غور بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اتنے سنگین اور المناک واقعہ کے بعد بھی سعودی حکومت کے لب و لہجہ میں جو معذرت خواہانہ انداز نظر آ رہا ہے وہ انداز کہاں تک مناسب ہے ؟ اور اب اس سے کس حالت کی امید ہے ؟

مسئلہ کی اصل نوعیت

واقعہ کی مذکورہ بالا تفصیل کے بعد اب ہم مسئلہ کی اصل نوعیت کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

سب سے پہلی بات تو یہ قابل غور ہے کہ اثنا عشری مذہب کی رو سے اس مذہب کے پیرووں پر یہ "مذہبی فریضہ" عائد ہوتا ہے کہ جب بھی حالات اجازت دیں وہ عراق اور حرمین شریفین پر قبضہ کریں۔ تاکہ جس (خانہ ساز) امام غائب صاحب کا انتظار وہ صدیوں سے کر رہے ہیں ان کا بہروپ دے کر اپنے کسی منتخب شخص کو وہ مکہ مکرمہ میں ظاہر کر سکیں۔ اس لئے کہ طویل عرصہ سے اثنا عشری علماء و مجتہدین پوری دنیا میں اپنے پیرووں کو یہ بتلاتے چلے آ رہے ہیں، اور اپنی کتابوں میں یہ لکھتے چلے آ رہے ہیں کہ امام آخر الزماں جو ۴۰ سال کی عمر میں اصلی اور کامل قرآن، تورات، انجیل، زبور، دیگر

آسمانی صحیفے، مصحف فاطمہ، الجفر اور الجامعہ والالبورا، عصائے موسیٰ، آدم علیہ السلام کا کرتا اور سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی وغیرہ کچھ اور ساز و سامان لے کر غائب ہو گئے تھے، قیامت کے قریب اپنے مقام عینوبت (جو عراق میں ہے) سے نکل کر مکہ مکرمہ میں ظاہر ہوں گے۔ اور کافروں سے پہلے سنیوں اور خاص کر ان کے علماء کے قتل سے وہ اپنی مہم شروع کریں گے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر وہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عائشہ وغیرہ صحابہ کرام اور امہات المؤمنین کو زندہ کر کے عبرتناک سزا دیں گے .... اور یہ کریں گے، وہ کریں گے .....

الغرض امام غائب کے بے مثال ڈھونگ کو صحیح ثابت کرنے اور سنیوں اور بالخصوص عربوں سے اپنی دیرینہ نفرت و عداوت کے جذبات کی تسکین کے لئے عراق اور حرمین شریفین پر قبضہ کی کوشش اثنا عشری مذہب کے بنیادی مذہبی فرائض میں سے ہے جس کی راہ میں ہر قربانی جہاد اکبر شمار ہوگی۔

۱۹۷۹ء میں ایک سوچے سمجھے طویل المیعاد منصوبہ کے مطابق عالمی طاقتوں نے خفیہ باہمی تعاون سے ایران میں ایک داخلی انقلاب برپا کرا کے شاہ ایران کو ہٹا کر وہاں کی حکومت، اثنا عشری مسلک کے داعی و مجتہد آیت اللہ خمینی اور ان کے ساتھیوں کے سپرد کر دی۔

اس سلسلہ میں سر دست مختصراً اتنی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ۱۹۷۳ء میں عرب اسرائیل جنگ میں جب مصری فوج نے ایک نہایت اہم محاذ پر اسرائیلی فوج کو شکست فاش دے دی تھی تو اسرائیلیوں اور امریکیوں سب کے لئے یہ واقعہ نہایت حیرت انگیز اور خلاف توقع بھی تھا، اور سنگین اور ناقابل برداشت بھی، پھر جب تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ مصری فوج کے جس حصے نے یہ کامیابی حاصل کی ہے وہ اسلامی و ایمانی جذبہ و حمیت سے معمور ہے اور دینی تربیت اور غیرت کے لحاظ سے بھی ممتاز ہے، تب تو عالمی یہودیت اور اس کے حلیفوں کے غصہ اور بدحواسی کی کچھ انتہا نہیں رہی تھی اسی تجربہ کے بعد یہ طے ہوا تھا کہ اب عربوں اور اسرائیلیوں کی براہ راست ٹکر نہ

ہونے دی جائے، اس لئے کہ اس سے عربوں میں اسلامی جذبہ کے مزید ابھرنے کے امکانات طاقت پاتے ہیں۔ اس کے بجائے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اور عربوں کو کمزور کرنے اور اسلامی حمیت کو ضائع کر دینے کے لئے —— عالمی یہودیت کے رہنماؤں نے (جن کی گرفت بین الاقوامی سیاست اور بڑی طاقتوں کی پالیسیوں پر تقریبا سو فیصد ہے) یہ طے کیا کہ اب یہ کام ایران کے اثنا عشری شیعوں سے لیا جائے، جن کے دل میں خود مذہبی جذبہ کے ماتحت، حرمین شریفین اور عراق پر قبضہ کی شدید تمنا موجزن ہے —— چنانچہ ۵-۶ کی سال کی جدوجہد کے بعد جس کی تفصیلات نہایت سبق آموز ہیں ان بڑی طاقتوں اور ان کے لئے کام کرنے والی خفیہ تنظیموں نے ۱۹۷۹ء میں امریکی صدر کارٹر کے دور صدارت میں ایران میں انقلاب برپا کروا کر اثنا عشری رہنما آیۃ اللہ خمینی کے ہاتھ میں ایران کی زمام سلطنت تھما دی، —— اور اسی سال۔ ایرانی انقلاب کے متصلاً بعد ہی، مصر و اسرائیل کے درمیان سمجھوتہ کروا کر اس محاذ کو بند کر دیا۔ یہ کار خیر بھی جناب کارٹر صاحب کے ہی نامہ اعمال میں ثبت ہے۔

لہ یہ بات ہو سکتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو کچھ عجیب سی لگے کہ ایرانی انقلاب امریکہ و روس وغیرہ بڑی طاقتوں کا برپا کردہ ہے۔ حالانکہ یہ بالکل یقینی اور ناقابل انکار حقیقت ہے۔ بقول ڈاکٹر موسوی یہ بات صحیح نہیں ہے کہ خمینی صاحب انقلاب لائے ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ انقلاب خمینی کو لایا ہے۔" اس سلسلہ میں یہاں یہ اشارہ مناسب ہوگا کہ ایرانی انقلاب کے بعد ایرانی حکومت کو تسلیم کرنے والوں میں سب سے پہلے روس کا نام ہے —— اس کے بعد سے آج تک روس کے ساتھ ایران کے تعلقات بہتر ہوتے چلے آرہے ہیں۔ حال ہی میں دونوں ملکوں کے وزرار خارجہ نے ایک دوسرے کے ملک کے دورے کئے ہیں۔ اور گذشتہ ہفتے میں دونوں ملکوں کے درمیان ایک اہم تجارتی و اقتصادی معاہدہ پر دستخط ہوئے ہیں۔

افغانستان میں بھی ایران کا رویہ روس کی درپردہ حمایت کا ہے۔ شام لیبیا وغیرہ کمیونسٹ ملکوں کے ساتھ ایران کے تعلقات بھی اس بات کا اہم ثبوت ہیں —— اور گذشتہ چند ماہ سے یہ بات تقریباً روزانہ کسی نہ کسی عنوان سے عالمی اخبارات میں آتی رہی ہے کہ ایران کو اسرائیل کے ذریعہ امریکی اسلحہ کی بہت بڑی

—— اگلے صفحہ پر

ایران کے انقلابی لیڈر آیت اللہ خمینی نے زمام حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد جلد ہی عراق کے ساتھ وہ جنگ چھیڑ دی جو آج تک جاری ہے ۔ اور ساتھ ہی حرمین شریفین پر قبضہ کے بارے میں بھی مختلف ذرائع سے رائے عامہ ہموار کرنے کا کام اور اپنے عزائم کا اظہار شروع کر دیا ۔

آج سے تقریباً ۵ سال پہلے فروری ۱۹۸۲ء میں برادر معظم مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب ایران کے سفر پر گئے تھے تو انھوں نے تہران کے مہمان خانہ بزرگ استقلال ہوٹل میں ایک بینر پر یہ نعرہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا ۔

سنتحد ونستلاحم حتی نسترد من ایدی المغتصبین اراضینا المقدسۃ والکعبۃ والجولان "

(ہم متحد ہوں گے اور جنگ آزما ہوں گے یہاں تک کہ غاصبوں کے قبضے سے اپنی مقدس زمینیں ، بیت المقدس ، کعبہ اور گولان واپس لے لیں)

اس پس منظر میں یہ بات بالکل قطعی اور یقینی ہے کہ امسال حج کے موقع پر ہونے والا مذکورہ بالا واقعہ کسی بڑے اقدام کے لیے بہانہ ڈھونڈنے کی ایک کوشش اور حرمین شریفین پر مکمل قبضہ کے بڑے منصوبہ کی تمہید ہے ۔

اس بارے میں واضح اطلاعات موجود ہیں کہ آجکل ایرانی حکومت اگلا قدم اٹھانے کے لیے منصوبہ بندی اور تیاریوں میں مصروف ہے ۔

اب تک صورتحال یہ تھی کہ جو لوگ شیعہ مذہب اور ایرانی شیعوں

باقی حاشیہ ——— کھپ برابر پہنچتی رہی ہے ——— بہرحال یہ بات کہ ایران امریکہ در دس کی ملی بھگت سے کام کر رہا ہے ، ہر اس شخص کے لئے بالکل یقینی ہے جو عالمی حالات سے تھوڑی سی بھی واقفیت رکھتا ہے ۔ اور آجکل کی پرفریب شیطانی سیاست کے انداز سے کچھ بھی واقف ہے ۔

کے عقائد و جذبات اور آیت اللہ خمینی کے افکار و عزائم سے واقف تھے وہ اسی واقفیت کے بقدر ان ہلاکت خیز خطرات کو بھی محسوس کر رہے تھے جو ایرانی انقلاب کے ذریعہ شیعیت کے احیار سے دین، امت مسلمہ اور حرمین شریفین کو لاحق ہیں ___ لیکن اب صورتحال بدل گئی ہے اب یہ خطرات ہر اس آدمی کو نظر آنے لگے ہیں جسکے حواس بالکل ہی ماؤف نہیں ہو گئے ہیں ۔ اب اس کے لئے نہ زیادہ عمیق مطالعہ کی ضرورت رہ گئی ہے اور نہ غیر معمولی بصیرت وفراست کی، اب یہ حقیقت دو، دو چار کی طرح بدیہی بن کر سامنے آگئی ہے۔

اور یہ ایسی حقیقت نہیں ہے کہ اسے نظر انداز کیا جاسکے، یا اس کے بارے میں نجی تبصروں اور اخباری بیانوں کو کافی سمجھا جاسکے ۔

بلا ادنیٰ سے مبالغہ کے کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت اسلام اور مسلمانوں کو دنیا میں جن بے شمار، مسائل، چیلنجوں، اور خطرات کا سامنا ہے، یہ خطرہ ان میں سب سے زیادہ سنگین ہے۔

ہم ہندوستان کے مسلمان بالخصوص یہاں کے علمار کرام، دانشور، قائدین، اور تعلیمی و تربیتی ادارے اس چیلنج کے مقابلہ اور سخت ترین خطرہ سے اسلام، امت مسلمہ اور حرمین شریفین کی حفاظت کے لئے جو کچھ کر سکتے ہیں اس کے کرنے کے لئے ہمیں تیار ہوجانا چاہئے ___ ورنہ اس عظیم فتنہ کے مقابلہ میں غفلت اور تساہل کے جرم کی سزا جب آئے گی تو ہم بھی اس سزا سے بچ نہ پائیں گے ۔

آئندہ شمارے میں جو انشاء اللہ جلد ہی شائع ہوگا اب تک اس سلسلہ میں جو کوششیں کی جا چکی ہیں ان کا بھی مختصر سا تذکرہ کر کے آئندہ کے لائحہ عمل پر گفتگو

کی جائے گی، اور ان خطوط کو واضح کرنے کی سعی کی جائے گی جن پر ہمیں اپنی جدوجہد کو جاری رکھنا اور آگے بڑھانا ہے

السعی منا والاتمام من اللّٰہ۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

کتاب المناقب و الفضائل

فاروق اعظم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب سے متعلق حدیثیں ناظرین کرام ملاحظہ فرما چکے، ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی تھے اور بعض جلیل القدر صحابہ کرام کے بیانات بھی۔ اب آپ کے خلیفہ دوم فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے متعلق چند احادیث درج کی جا رہی ہیں، ان میں بھی حضورؐ کے ارشادات کے علاوہ جلیل القدر صحابہ کرام کے بیانات بھی ہوں گے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ كَانَ فِيمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ مُحَدَّثُونَ، فَإِنْ يَكُ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرُ ——— "رواہ البخاری ومسلم"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں مُحدَّث یعنی ایسے لوگ ہوتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کی نعمت سے خاص طور پر نوازے جاتے تھے، تو اگر میری امت میں سے کسی کو اس نعمت سے خاص طور پر نوازا گیا تو وہ عمر ہیں۔

(صحیح بخاری ومسلم)

(تشریح) "محدث" اللہ تعالیٰ کے اس خوش نصیب بندے کو کہا جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بکثرت الہامات ہوتے ہوں، اور اس بارے میں اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خصوصی معاملہ ہو اور وہ نبی نہ ہو کسی نبی کا امتی ہو۔

حضورؐ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگلی امتوں میں ایسے لوگ ہوتے تھے اور میری امت میں اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے خصوصیت کے ساتھ نوازا ہے تو وہ عمر ہیں —— حدیث کے الفاظ سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ حضورؐ کو اس بارے میں کوئی شک شبہ تھا، آپ کی امت جب خیر الامم اور اگلی تمام امتوں سے افضل ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں بھی ایسے خوش نصیب بندے ہوں گے جو کثرت الہامات کی نعمت سے نوازے جائیں گے، حضورؐ کے اس ارشاد کا مقصد و مدعا اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خصوصیت اور امتیاز سے لوگوں کو آگاہ کرنا ہے، اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے بارے میں حضرت عمرؓ کو تخصص و امتیاز حاصل تھا۔ جیسا کہ آگے درج ہونے والی احادیث سے معلوم ہوگا۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِہٖ ۔ رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور اس کے قلب میں حق رکھدیا ہے۔ (جامع ترمذی)

عَنْ اَبِی ذَرٍ قَالَ سَمِعْتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول "اِنَّ اللّٰہَ وَضَعَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عمر یقول بہ ۔
—— رواہ ابوداؤد

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان پر حق رکھدیا ہے، وہ حق ہی کہتا ہے (سنن ابوداؤد)

(تشریح) پہلی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے ہے اور دوسری حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت سے، دونوں کا حاصل اور مدعا یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جن خاص انعامات سے نوازا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے دل میں جو کچھ آتا ہے اور جو کچھ وہ زبان سے کہتے ہیں وہ حق ہی ہوتا ہے، وہ حق ہی سوچتے اور حق ہی بولتے ہیں ــــ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان سے اجتہادی غلطی بھی نہیں ہوتی ــــ اجتہادی غلطی تو حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی ہو جاتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو مطلع کرکے اصلاح کرادی جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ سے بھی کبھی کبھی اجتہادی غلطی ہو جاتی تھی، لیکن حق واضح ہو جانے پر رجوع فرما لیتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بارے میں اور اسی طرح منکرین زکوٰۃ سے جہاد و قتال کے خلاف ان کی جو رائے تھی وہ ان کی اجتہادی غلطی ہی تھی، بعد میں حق واضح ہو جانے پر انھوں نے رجوع اور حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے سے اتفاق فرمالیا، بہر حال اجتہادی غلطی کے اس طرح کے چند استثنائی واقعات کے علاوہ (جن میں حق واضح ہو جانے پر انھوں نے رجوع فرمالیا) انھوں نے جو سوچا سمجھا اور جو احکام جاری کئے وہ سب حق ہی تھے۔

بلاشبہ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام تھا ــــ آئندہ درج ہونے والی بعض حدیثوں سے انشاء اللہ حضرت فاروق اعظمؓ کی اس خصوصیت اور فضیلت پر مزید روشنی پڑے گی

عن عقبة بن عامر قال، قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم
"لو كان بعدى نبىٌّ لكان عمر بن الخطاب" (رواه الترمذى)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک صحبت میں) ارشاد فرمایا کہ اگر بالفرض میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب نبی ہوتے ــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ مجھ پر ختم فرمادیا اور قیامت تک کے لئے نبوت کا دروازہ بند ہوگیا (جس کا اعلان قرآن پاک میں بھی فرمادیا گیا ہے

اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فیصلہ نہ فرما دیا گیا ہوتا اور میرے بعد بھی نبوت کا سلسلہ جاری رہتا تو عمر بن الخطاب اپنی روحانی خصوصیات کی وجہ سے بالخصوص اس لائق تھے کہ ان کو نبی بنایا جاتا —— اس حدیث میں بھی ان کے اس خصوصی کمال و امتیاز کی طرف اشارہ ہے، جسکا ذکر مندرجہ بالا حدیثوں میں کیا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے قلب پر حق کا القا اور الہامات کی کثرت۔

عن علی قال: مَا كُنَّا نُبْعِدُ اَنَّ السَّكِينَةَ تَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ —— (رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ہم لوگ اس بات کو بعید نہیں جانتے تھے کہ عمرؓ کی زبان پر سکینہ بولتا ہے۔
(دلائل النبوۃ للبیہقی)

(تشریح) حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جب خطاب فرماتے یا بات کرتے تو دلوں میں ایک خاص قسم کا سکون و اطمینان پیدا ہوتا تھا، ہم اس بات کو بعید نہیں سمجھتے تھے کہ ان کی زبان و بیان میں یہ خاص تاثیر اللہ تعالیٰ نے رکھدی ہے۔ یہ مطلب لیا جائے تو حضرت علیؓ کے اس کلام میں "السکینہ" سے مراد یہی خداداد تاثیر ہے —— شارحین نے لکھا ہے کہ "السکینہ" سے مراد خاص فرشتہ بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں حضرت علیؓ کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم یہ بات بعید نہیں سمجھتے تھے کہ حضرت عمرؓ خطاب اور بات فرماتے ہیں تو ان کی زبان سے اللہ کا ایک خاص فرشتہ کلام کرتا ہے جس کا نام یا لقب "السکینہ" ہے۔

عن ابن عمر قال، قال عمر وَافَقْتُ رَبِّي فِي ثَلٰثٍ: فِي مَقَامِ اِبْرَاهِيمَ، وَفِي الْحِجَابِ وَفِي اُسَارٰى بَدْرٍ —— (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے تین باتوں میں اپنے خداوند تعالیٰ سے موافقت کی (یعنی میری رائے وہ ہوئی جو خداوند تعالیٰ کا حکم آنے والا تھا) مقامِ ابراہیمؑ کے

بار میں، اور پردے کے مسئلہ میں، اور غزوہ بدر کے قیدیوں کے مسئلہ میں

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) واقعہ یہ ہے کہ ذخیرۂ حدیث میں کم از کم پندرہ ایسے واقعات کا ذکر ملتا ہے کہ کسی مسئلہ میں حضرت عمرؓ کی ایک رائے ہوئی یا ان کے قلب میں داعیہ پیدا ہوا کہ کاش اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آجاتا تو وہی حکم وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگیا اس حدیث میں ان میں سے صرف تین کا ذکر کیا گیا ہے ــــ ایک مقام ابراہیم سے متعلق حکم کا دوسرے پردے کے بارے میں، تیسرے غزوہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حکم کا ــــ جسکی مختصر تشریح یہ ہے کہ "مقام ابراہیم" سفید رنگ کا ایک پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تھی (اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشانات معجزانہ طور پر پڑ گئے تھے جو اب تک باقی ہیں) وہ اسی زمانہ سے محفوظ چلا آرہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک خانۂ کعبہ کے قریب ہی میں ایک جگہ کھلا رکھا رہتا تھا (بعد میں اس کو عمارت میں محفوظ کر دیا گیا)[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خواہش ظاہر کی کہ کاش ایسا ہوتا کہ مقام ابراہیم کو خصوصیت سے نماز کی جگہ قرار دیدیا جاتا، تو سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۵ نازل ہوئی اور اس میں حکم آگیا "وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى" (اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لیا کرو) آیت کا سہل الفہم مطلب یہ ہے کہ طواف کے بعد جو دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں وہ مقام ابراہیم کے پاس پڑھی جائیں، فقہا کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے، اگر سہولت سے مقام ابراہیم کے پاس پڑھی جا سکیں تو وہیں پڑھی جائیں، ورنہ مسجد حرام میں کہیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔

دوسرا مسئلہ حجاب یعنی پردے سے متعلق ہے، جب تک مستورات کے لئے حجاب یعنی پردے کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ عام مسلمانوں کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] اب وہ جس شکل میں محفوظ ہے وہ مرحوم مغفور شاہ فیصل بن عبدالعزیز بن سعود کے دور حکومت کی یادگار ہے رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

کے گھروں میں بھی بضرورت صحابہ کرام کی آمدورفت ہوتی تھی، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے داعیہ پیدا فرمایا کہ خاص کر ازواج مطہرات کے لئے حجاب کا خصوصی حکم آجائے چنانچہ اس بارے میں آیت نازل ہوگئی اذا سألتموهن متاعاً فاسئلوهن من وراء حجاب ـــــ سورۂ احزاب آیت ۵۴ ـ

تیسری بات یہ کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور مشرکین کی شکست کے بعد ان کے جو آدمی گرفتار کر کے قیدی بنائے گئے، ان کے متعلق میری رائے یہ تھی کہ یہ سب اسلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے جانی دشمن اور اکابر مجرمین ہیں، ان سب کو قتل کر دیا جائے، ان کو زندہ چھوڑ دینا ایسا ہی ہے جیسے زہریلے سانپوں کو زندہ چھوڑنا لیکن ابوبکر صدیق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم دلی کا غلبہ تھا ان کی رائے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی ہوئی، اور اسی پر عمل کیا گیا ـــــ بعد میں سورۂ انفال کی وہ آیات نازل ہوئیں جو میری رائے کے مطابق تھیں ـ

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ واقعہ یہ تھا کہ ان تینوں مسئلوں میں وحی الٰہی نے حضرت عمرؓ کی رائے کی موافقت کی تھی، لیکن حضرت عمرؓ نے ازراہِ ادب اس کو اس طرح تعبیر کیا کہ میں نے حکم خداوندی کی موافقت کی تین مسئلوں میں ـ بلاشبہ یہ حسن ادب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیم و تربیت اور فیض صحبت ہی کا نتیجہ تھا ـ

عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اَللّٰھُمَّ أَعِزَّ الاسلام بابی جھل بن ھشام او بعمر بن الخطاب فاصبح عمر فغدا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فأسلم ثُمَّ صَلّٰی فی المسجد ظاھراً ـــــ رواہ احمد والترمذی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دعا کی رات میں) کہ اے میرے اللہ اسلام کو عزت اور قوت عطا فرما ابوجہل ابن ہشام کے ذریعہ یا عمر بن الخطاب کے ذریعہ پس صبح کو اٹھے عمرؓ اور آئے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں اور اسلام لے آئے اور مسجد حرام میں اعلانیہ نماز
پڑھی۔ (مسند احمد و جامع ترمذی)

(تشریح) اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے یہاں ہر بڑے کام اور ہر عظیم مقصد کے لئے اس کے مطابق تدبیر اور عملی جد وجہد اور خاص صلاحیت رکھنے والے جانباز کارکنوں کی ضرورت ہوتی ہے، ابوجہل بن ہشام اور عمر بن الخطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین کے درجہ اول کے دشمن تھے، اسی کے ساتھ ان دونوں میں وہ صلاحیتیں تھیں جو کسی بڑے کام کے لئے درکار ہوتی ہیں، (راقم سطور کا خیال ہے کہ غالباً حضور پر منکشف کر دیا گیا تھا کہ دونوں میں سے کسی ایک کو ہدایت دی جا سکتی ہے) تو آپؐ نے ایک رات کو یہ دعا فرمائی جسکا حدیث میں ذکر ہے۔

تقدیر الٰہی میں یہ سعادت حضرت عمرؓ کے لئے مقدر ہو چکی تھی، ان کے حق میں دعا قبول ہو گئی اور ان کو توفیق مل گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے جو کام لیا خاص کر خلافت کے دس سالوں میں وہ بلاشبہ امت میں ان کا اور صرف ان کا حصہ ہے۔

مسند احمد اور جامع ترمذی کی مندرجہ بالا روایت میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بہت اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے مشکوٰۃ المصابیح کے بعض شارحین نے ابوعبداللہ حاکم کی "دلائل النبوۃ" کے حوالہ سے حضرت ابن عباس ہی کی روایت سے یہ واقعہ مفصل روایت کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ابوجہل جو مشرکین مکہ کا سردار اور بڑا سرمایہ دار بھی تھا اس نے اعلان کیا کہ جو کوئی محمدؐ کو قتل کر دے میں اس کو سو اونٹنیاں اور ایک ہزار اوقیہ چاندی بطور انعام دینے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ عمرؓ نے ابوجہل سے کہا کہ تمھاری یہ بات پکی ہے؟ ابوجہل نے کہا بالکل پکی، فوراً ادا کر دوں گا ___ اس کے بعد عمر تلوار لے کر (اس ناپاک ارادہ سے) نکلے، راستہ میں ایک شخص نے ان کو اس حال میں دیکھا تو پوچھا کہ عمر کہاں اور کس ارادہ سے جا رہے ہو۔ عمرؓ نے کہا محمدؐ کو قتل کرنے جا رہا ہوں ___ اس شخص نے کہا کیا تم ان کے کنبہ بنی ہاشم سے بے خوف ہو (وہ ان کی حمایت میں میدان میں آجائیں گے اور پھر خونریز جنگ ہوگی) ___ عمرؓ نے کہا کہ معلوم

ہوتا ہے کہ تو نے بھی باپ دادا کا دین چھوڑ کے محمد کا دین قبول کر لیا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ میں تم کو بتلاتا ہوں کہ تمھاری بہن (فاطمہ) اور بہنوئی (سعید بن زید) نے بھی محمد کا دین قبول کر لیا ہے۔ یہ سن کر عمرؓ سیدھے بہن کے گھر کی طرف گئے۔ وہ اس وقت سورہ طٰہٰ تلاوت کر رہی تھیں عمر نے دروازہ پر کھڑے ہو کر سنا، پھر دروازہ کھلوایا اور کہا کہ تم کیا پڑھ رہی تھیں؟ ان کی بہن نے بتایا کہ ہم لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور میں قرآن کی آیتیں پڑھ رہی تھی؟ عمر نے کہا کہ مجھے بھی پڑھ کر سناؤ! چنانچہ ان کی بہن نے سورۂ طٰہٰ پڑھنی شروع کی۔ جب یہ آیت تلاوت کی اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى تو عمر کے دل کی دنیا میں انقلاب آ گیا اور بول اٹھے کہ بیشک وہی اور صرف وہی الٰہ اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ اور کلمہ شہادت پڑھا، پھر بہن ہی کے گھر میں رات گزاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی تڑپ دل میں پیدا ہو گئی۔ بار بار کہتے تھے "واشوقاہ الی محمد" اسی حال میں خباب بن الارتؓ ان کے پاس آئے اور ان کو بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج رات برابر دعا کرتے رہے کہ اے اللہ عمر بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام کے ذریعہ اسلام کو عزت اور قوت عطا فرما! اور میرا خیال ہے کہ حضورؐ کی دعا تمھارے حق میں قبول ہو گئی۔ اس کے بعد صبح کو عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ اور اسی وقت کہا کہ ہم لات اور عزیٰ کی پرستش کرتے تھے وادیوں کے نشیب میں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور خدا کی عبادت کریں ہم چھپ چھپا کر؟ یہ نہیں ہو گا ـــــ خدا کی قسم ہم اللہ کی عبادت علانیہ خانہ کعبہ کے صحن میں کریں گے ـــــ (اس وقت تک مسلمان علانیہ مسجد حرام میں نماز ادا نہیں کرتے تھے)

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ابو جعفر بن ابی شیبہ کی تاریخ کے حوالہ سے ابن عباس ہی کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کرنے کے فوراً بعد طے کیا کہ ہم ابھی چل کر علانیہ مسجد حرام میں نماز پڑھیں گے اور ایسا ہی کیا گیا ـــــ فتح الباری ہی میں ابن ابی شیبہ اور طبرانی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان نقل کیا گیا ہے۔

واللہ ما استطعنا ان نصلی حول البیت ظاھرین حتی اسلم عمر	خدا کی قسم عمر کے اسلام لانے سے پہلے ہماری یہ طاقت نہ تھی کہ ہم بیت اللہ کے قریب میں علانیہ نماز پڑھ سکتے (عمر کے اسلام میں داخل ہونے کے بعد ہی ہمارے لئے یہ ممکن ہوا)۔

حافظ ابن حجر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کی بہت سی روایات مختلف صحابہ کرام کی روایت سے حدیث کی مختلف کتابوں کے حوالوں سے نقل کی ہیں جن میں حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت انس، حضرت عائشہ صدیقہ حضرت ابن عمر کے علاوہ حضرت علی مرتضیٰ بھی ہیں۔ (فتح الباری باب مناقب عمر پارہ ۱۴ صـ ۳۰۳)

عن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول بین انا نائم، اُتیتُ بقدحِ لبنٍ فشربتُ حتّٰی انی لاری الری یخرج فی اظفاری ثمّ اعطیتُ فضلی عمر بن الخطاب قالوا فما اوّلتہ یارسول اللہ قال العلم ——

—— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ نے بیان فرمایا کہ میں سو رہا تھا، اسی حال میں میرے پاس لایا گیا دودھ کا بھرا ہوا پیالہ تو میں نے خوب سیر ہو کر پیا یہاں تک کہ میں نے سیرابی کا اثر اپنے ناخنوں تک میں محسوس کیا۔ پھر میں نے وہ دودھ جو میرے پینے کے بعد بچ گیا تھا وہ عمر بن الخطاب کو دیدیا کہ وہ اس کو پی لیں۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ آپ نے اس کی کیا تعبیر دی؟ آپؐ نے فرمایا کہ علم۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) علمائے عارفین نے کہا ہے کہ علم حق کی صورت مثالیہ دوسرے عالم میں دودھ کی ہے، جو شخص خواب میں دیکھے کہ اس کو دودھ پلایا جا رہا ہے اس کی تعبیر یہ ہے

کر اس کو علم حق نافع عطا ہوگا ۔ دودھ اور علم حق میں یہ مناسبت ظاہر ہے کہ دودھ جسم انسانی کے لئے بہترین نافع غذا ہے ، اسی طرح علم حق جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو روح کے لئے بہترین اور نافع ترین غذا ہے ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے ہوئے علم حق میں حضرت عمرؓ کا خاص حصہ تھا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد جس طرح دس سال انھوں نے خلافت اور نبوت کی نیابت کا کام انجام دیا اور جس طرح امت کی رہنمائی فرمائی وہ اسکی دلیل اور شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم حق سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا ۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخفا میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے علمی کمالات پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ اہل علم کے لئے قابل دید ہے اس کے مطالعہ سے اس بارے میں فاروق اعظم کے امتیاز اور انفرادیت کو پوری طرح سمجھا جا سکتا ہے ۔

عن ابی سعید ، قال : سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول " بَيْنَا انا نائمٌ ، رأیت الناس یعرضون علی ، وعلیهم قُمُصٌ ، منها مایبلغ الثدی ، ومنها مادون ذلك ، وعرض عَلَيَّ عمر بن الخطاب وعلیه قمیصٌ یجرُّہٗ " قالوا : فما اَوَّلْتَ ذلك یا رسول اللہ ؟ قالَ " الدِّین " ـــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے بیان فرمایا کہ اس حالت میں کہ میں سویا ہوا تھا میں نے خواب میں دیکھا لوگوں کو وہ میرے سامنے لائے جاتے ہیں اور وہ سب کرتے پہنے ہوئے ہیں ، ان میں سے کچھ کے کرتے ایسے ہیں جو صرف سینے تک ہیں ، اور کچھ ایسے ہیں جن کے کرتے سینے کے کچھ نیچے تک ہیں ، اور عمر بن خطاب بھی میرے سامنے لائے گئے ان کا کرتہ اتنا لمبا تھا کہ زمین تک پہنچتا تھا اور وہ اس کو زمین پر گھسیٹ کر چلتے تھے ، بعض صحابہ نے عرض کیا کہ

حضورؐ نے اسکی کیا تعبیر دی ؟ آپ نے فرمایا کہ "دین"۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) لباس اور دین میں یہ مناسبت اور مشابہت ظاہر ہے کہ لباس سردی اور دھوپ کی تپش وغیرہ اس عالم کی آفات و تکالیف سے جسم انسانی کی حفاظت کرتا ہے اور سامان زینت ہے۔ اور دین عالم آخرت میں سامان زینت ہوگا اور عذاب سے حفاظت کا ذریعہ و وسیلہ ۔۔ خواب میں جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے تھے وہ بظاہر امت کے مختلف طبقات اور درجات کے لوگ تھے۔ کچھ وہ تھے جن کے دین میں مختلف درجات کا نقص تھا، اور ان میں حضرت عمر بھی تھے جن کا دین بہت کامل تھا۔ وہ سراپا دین تھے ان کا دین ان کی اپنی ہستی سے بھی زیادہ تھا۔۔ رضی اللہ عنہٗ وارضاہ

عن المسور بن مخرمۃ، قال: لما طعن عمر جعل یألم فقال لہ ابن عباس وکانہ یجزعہ یا امیر المومنین! ولا کل ذلک؟ لقد صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاحسنت صحبتہ، ثم فارقک وھو عنک راض، ثم صحبت ابا بکر فاحسنت صحبتہ، ثم فارقک وھو عنک راض، ثم صحبت المسلمین فاحسنت صحبتھم، ولئن فارقتھم لتفارقنھم وھم عنک راضون، قال: اما ما ذکرت من صحبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورضاہ فانما ذلک منّ من اللہ منّ بہ علیّ واما ما ذکرت من صحبۃ ابی بکر ورضاہ فانما ذلک منّ من اللہ منّ بہ علیّ، واما ما تریٰ من جزعی، فھو من اجلک ومن اجل اصحابک واللہ لو ان لی طلاع الارض ذھبا لافتدیت بہ من عذاب اللہ قبل ان اراہ ۔۔۔ (رواہ البخاری)

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ جب زخمی کئے گئے حضرت عمرؓ (ان کو خنجر سے زخمی کیا ابو لؤلؤ مجوسی نے) تو تکلیف اور دکھ کا اظہار فرمانے لگے، تو حضرت ابن عباس نے ان سے اس طرح کہا

کہ گویا وہ سمجھتے تھے کہ تکلیف کا یہ اظہار صبر و برداشت کی کمی کی وجہ سے ہے
(اور تسلی دینے کے لئے کہا) کہ اے امیر المومنین درد و تکلیف کا یہ اظہار
آپ کی طرف سے بالکل نہ ہونا چاہیئے (آپ اسوقت اللہ تعالیٰ کے انعامات
کو یاد کیجئے کہ اس نے آپ کو کیسی عظیم نعمتوں سے نوازا) آپ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اور رفیق بن کر آپ کے ساتھ رہے اور آپ نے
اس صحبت و رفاقت کا اچھا حق ادا کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں
آپ سے جدا ہوئے کہ وہ آپ سے راضی اور خوش تھے، پھر آپ حضور کے
خلیفہ ابوبکر کے خصوصی ساتھی اور رفیق بنے تو ان کی صحبت و رفاقت کا بھی آپ
نے اچھا حق ادا کیا، پھر وہ بھی اس حال میں آپ سے جدا ہوئے کہ وہ آپ سے
پوری طرح راضی اور خوش تھے (یہاں تک کہ آپ کو اپنے بعد کے لئے خلیفہ بنایا)
پھر (اپنے دور خلافت میں) سب مسلمانوں کے ساتھ آپ کا اچھا معاملہ رہا (آپ
نے سب کے حقوق ادا کئے) اور اگر آپ ان کو چھوڑ کر جائیں گے تو اس
حال میں ان سے جدا ہوں گے کہ وہ سب آپ سے راضی خوش ہوں گے۔
(حضرت ابن عباس کا یہ مطلب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور پھر حضرت
ابوبکر کا اور پھر سب مسلمانوں کا آپ سے راضی خوش رہنا اس بات کی دلیل
اور علامت ہے کہ اللہ بھی آپ سے راضی ہے اس لئے آپ کی طرف سے
تکلیف اور بے قراری کا جو اظہار ہو رہا ہے نہ ہونا چاہیے اللہ تعالیٰ کے
ان انعامات کو یاد کر کے مطمئن رہنا چاہیئے —— حضرت عمرؓ نے
ابن عباس کی اس بات کے جواب میں فرمایا کہ (اے ابن عباس) تم نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میری صحبت رفاقت کا اور حضورؐ کی
رضا کا جو ذکر کیا تو یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا خاص احسان تھا جو اس نے
مجھ پر فرمایا، اور اسی طرح ابوبکرؓ کے ساتھ صحبت و رفاقت اور ان کی رضا
کا جو ذکر کیا وہ بھی خداوندی انعام و احسان تھا (یعنی یہ میرا ذاتی کمال نہیں

تھا) ۔ اور میری طرف سے تکلیف اور پریشانی کا اظہار جو تم دیکھتے ہو وہ (زخم کی تکلیف کی وجہ سے نہیں بلکہ) تم لوگوں کی وجہ سے ہے (یعنی مجھے فکر اور ڈر ہے کہ تم لوگ میرے بعد فتنوں میں مبتلا نہ ہو جاؤ ـــــ اور جہاں تک اخروی انجام کی فکر کا تعلق ہے تو) میرا حال یہ ہے کہ اگر میرے پاس اتنا سونا ہو کہ ساری زمین بھر جائے تو میں وہ سب عذاب الٰہی سے بچنے کے لئے بطور فدیہ دیدوں قبل اس کے کہ اللہ کا عذاب دیکھوں ۔

(صحیح بخاری)

(تشریح) حضرت فاروق اعظمؓ نے عبداللہ ابن عباسؓ کو جواب دیتے ہوئے آخر میں جو یہ فرمایا کہ تم جو مجھے بےچینی اور بے قراری کی حالت میں دیکھ رہے ہو یہ زخم کی تکلیف کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ یہ اس فکر اور اندیشہ کی وجہ سے ہے کہ میرے بعد تم لوگ فتنوں میں مبتلا نہ ہو جاؤ ـــــ اس کی بنیاد یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ عمر فتنوں کے لئے بند دروازہ ہیں۔ جبتک وہ ہیں امت فتنوں سے محفوظ رہے گی، جب وہ نہ رہیں گے تو فتنوں کے لئے دروازہ کھل جائے گا ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ان کی شہادت کے بعد سے شیاطین الجن والانس کی طرف سے فتنوں کی تخم ریزی شروع ہوئی اور حضرت عثمانؓ کے آخری دور خلافت میں فتنہ اس حد تک پہنچ گیا کہ اپنے کو مسلمان کہنے والوں ہی کے ہاتھوں وہ انتہائی مظلومیت کے ساتھ شہید ہوئے اور اس کے بعد خانہ جنگی کا جو سلسلہ شروع ہوا اس میں ہزارہا صحابہ و تابعین شہید ہوئے ۔ یہی وہ فتنے تھے جن کی فکر اور اندیشہ سے اپنے زخم کی تکلیف کو بھلا کر فاروق اعظم بےچین اور مضطرب تھے اور آخر میں جو فرمایا (واللہ لو ان لی طلاع الارض ذھبا الخ (خدا کی قسم اگر میرے پاس زمین بھر سونا ہو تو میں اللہ کا عذاب دیکھنے سے پہلے ہی اس سے بچنے کے لئے وہ سارا سونا فدیہ میں دیدوں ۔ اس کا مقصد حضرت ابن عباسؓ کو یہ تبلانا ہے کہ میں جو اضطراب اور بےچینی محسوس کر رہا ہوں اس کا ایک دوسرا سبب جو زیادہ اہم ہے وہ عذاب الٰہی کا خوف بھی ہے ـــــ راقم سطور عرض کرتا ہے فاروق اعظم کا یہ خوف ان کے کمال ایمان

اور کمال معرفت کی دلیل ہے، جس کا ایمان اور عرفان جس قدر کامل ہوگا اس پر اسی قدر خوف خدا کا غلبہ ہوگا ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انا اعلمکم باللہ واخشاکم مجھ کو اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی معرفت تم سب سے زیادہ ہے اور اس کا خوف ڈر بھی مجھے تم سب سے زیادہ ہے ۔ قرآن مجید میں بار بار یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی خاص رحمت اور جنت کے مستحق وہ بندے ہیں جو اس کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں سورہ "بینہ" میں مومنین صالحین کا یہ انجام بیان فرما کر کہ وہ "خیر البریہ" (اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر) ہیں، وہ آخرت میں ان غیر فانی جنتی باغات میں رہیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، ان کو رضائے خداوندی کی نعمت حاصل ہوگی ؟ اور وہ اپنے اس خداوند سے راضی ہوں گے ۔ آخر میں فرمایا گیا ہے "ذلک لمن خشی ربہ (یہ سب ان مومنین صالحین کے لئے ہے جو خداوند تعالیٰ سے (یعنی اس کی پکڑ اور اس کے عذاب سے) ڈرتے رہے ہیں ـــــ الغرض حضرت فاروق اعظم کا یہ ارشاد ان کے کمال ایمان اور کمال معرفت کی دلیل ہے ـــ قربیاں را بیش بود حیرانی

شہادت

اس حدیث میں حضرت فاروق اعظم کے جس زخمی کئے جانے کا ذکر ہے وہ وہی ہے جس کے نتیجہ میں آپ کی شہادت ہوئی ـــــ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اختصار کے ساتھ اس انتہائی المناک واقعہ کا ذکر کر دیا جائے ۔

فاروق اعظم کے دور خلافت میں ہی ایران فتح ہوا ، ایران کے جو مجوسی جنگی قیدیوں کی حیثیت سے گرفتار کر کے لائے گئے وہ شرعی قانون کے مطابق مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے کہ ان سے غلام اور خادم کی حیثیت سے کام لیں اور ان کے کھانے پینے وغیرہ ضروریات زندگی کی کفالت کریں اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں ـــ ایران سے آئے ہوئے ان اسیران جنگ میں ایک بدبخت ابولولو نامی مجوسی بھی تھا جو مشہور صحابی مغیرہ بن شعبہ کے حوالے کیا گیا تھا ۔ اس نے فاروق اعظم کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا ایک خنجر تیار کیا اور اس کو بار بار زہر میں بجھایا اور اس کے بعد رات میں مسجد شریف کی

محراب میں چھپ کر بیٹھ گیا، فاروق اعظمؓ فجر کی نماز بہت سویرے اندھیرے میں شروع کرتے اور بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے، ذی الحجہ کی ستائیسویں تاریخ تھی وہ حسب معمول فجر کی نماز کے لئے تشریف لائے اور محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانی شروع کر دی ابھی تکبیر تحریمہ ہی کہی تھی کہ اس خبیث ایرانی مجوسی نے اپنے خنجر سے تین کاری زخم آپ کے شکم مبارک پر لگائے، آپ بے ہوش ہو کر گر گئے، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے جلدی سے آپ کی جگہ آکر مختصر نماز پڑھائی، ابو لولو نے بھاگ کر مسجد سے نکل جانا چاہا نمازیوں کی صفیں دیواروں کی طرح حائل تھیں، پھر اس نے اور نمازیوں کو زخمی کر کے نکل جانا چاہا اس سلسلہ میں اس نے تیرہ صحابہ کرام کو زخمی کیا جن میں سے سات شہید ہو گئے اتنے میں نماز ختم ہو گئی اور ابو لولو کو پکڑ لیا گیا، تو اس نے اسی خنجر سے خودکشی کر لی نماز ختم ہو جانے کے بعد حضرت فاروق اعظم کو اٹھا کر گھر لایا گیا، تھوڑی دیر میں آپکو ہوش آیا تو اسی حالت میں آپ نے نماز ادا کی —— سب سے پہلے آپ نے پوچھا کہ میرا قاتل کون ہے تبلایا گیا کہ ابو لولو مجوسی آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے ایک کافر کے ہاتھ سے شہادت عطا فرمائی —— آپ کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا کی قبولیت اس طرح مقدر فرمائی - آپ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے شہادت نصیب فرما اور میری موت تیرے رسول پاک کے شہر مدینہ میں ہو، ایک دفعہ آپ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ نے آپ کی زبان سے یہ دعا سن کر عرض کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ فی سبیل اللہ شہید ہوں اور آپ کی وفات مدینہ ہی میں ہو (ان کا خیال تھا کہ فی سبیل اللہ شہادت کی صورت تو یہی ہے کہ اللہ کا بندہ میدان جہاد میں کافروں کے ہاتھ سے شہید ہو) آپ نے فرمایا کہ اللہ قادر ہے اگر چاہے گا تو یہ دونوں نعمتیں مجھے نصیب فرما دیگا بہر حال آپ کو اپنی شہادت کا یقین ہو گیا، آپ نے حضرت صہیبؓ کو اپنی جگہ امام نماز مقرر کیا اور اکابر صحابہ میں سے چھ حضرات کو (جو سب عشرہ مبشرہ میں سے تھے) نامزد کیا کہ وہ میرے بعد تین دن کے اندر مشورہ سے اپنے ہی میں سے ایک کو خلیفہ مقرر کر لیں۔

پھر آپ نے صاحبزادے حضرت عبد اللہ بن عمر سے فرمایا کہ ام المومنین حضرت عائشہ

کے پاس جاؤ اور میری طرف سے سلام کے بعد عرض کرو کہ میری دلی خواہش یہ ہے کہ میں اپنے دونوں بزرگ ساتھیوں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ) کے ساتھ دفن کیا جاؤں، اگر آپ اس کے لئے دل سے راضی نہ ہوں تو پھر جنۃ البقیع میرے لئے بہتر ہے ـــــ انھوں نے ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ پیام پہونچایا انھوں نے فرمایا کہ وہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی لیکن اب میں اپنے اوپر ان کو ترجیح دیتی ہوں ۔ جب عبداللہ بن عمرؓ نے آپ کو یہ خبر پہنچائی تو فرمایا کہ میری سب سے بڑی تمنا یہی تھی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے یہ بھی پوری فرما دی ۔

۲۷ ذی الحجہ بروز چہارشنبہ آپ زخمی کئے گئے تھے یکم محرم بروز یکشنبہ وفات پائی جب آپ کا جنازہ نماز کے لئے رکھا گیا تو حضرت علی مرتضیٰؓ نے آپ کے بارے میں وہ فرمایا جو ناظرین کرام آگے درج ہونے والی حدیث میں پڑھیں گے ۔ نماز جنازہ حضرت صہیبؓ نے پڑھائی اور روضۂ اقدس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پہلو میں آپ دفن کئے گئے ـــــ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

الیٰ رحمۃ اللہ

عارف باللہ حضرت قاری فتح محمد صاحب مہاجر مدنی علیہ الرحمہ

یہ سیہ کار بندہ اپنے زمانہ کے جن بزرگوں سے بہت زیادہ متاثر ہوا اور ان کو خواص اہل اللہ میں سے جانا ان میں ایک حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔

آج سے قریباً ۵۵ سال پہلے محرم سنہ ۱۳۵۲ھ سنہ ۱۹۳۴ء میں جب بریلی سے الفرقان جاری ہوا تھا تو یہ عاجز ہی اس کا مدیر بھی تھا، ناظم دفتر بھی تھا، محرر بھی تھا اور کلرک بھی تھا، سب دفتری کام اپنے ہاتھ ہی سے کرتا تھا، خوب یاد ہے کہ اس کے ابتدائی دور میں اس کے قدر دانوں میں ایک نام پانی پت کے قاری فتح محمد صاحب کا بھی تھا، انھوں نے رسالہ اپنے نام بھی جاری کرا دیا تھا اور اپنے کچھ شاگردوں کے نام بھی، وہ اس وقت پانی پت کے ایک مدرسہ میں مدرس تھے۔ اس زمانہ میں ان سے بس اسی حیثیت سے واقفیت تھی، پھر حضرت قاری صاحب سنہ ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم اور مشرقی پنجاب سے مسلمانوں کے تخلیہ کے فیصلہ کے بعد اپنے وطن پانی پت سے پاکستان تشریف لے گئے۔ اس کے بعد طویل عرصہ تک اس عاجز سے ان کی ملاقات نہ ہو سکی، البتہ مختلف ذرائع سے ان کی خصوصیات اور ان کے بلند احوال سنتا رہا اور دل میں ان کی محبت و عقیدت بڑھتی رہی۔ پھر حضرت قاری صاحب اب سے قریباً پندرہ سولہ سال پہلے ہجرت کی نیت سے مدینہ منورہ جا کر مقیم ہو گئے۔ وہیں ایک دو بار زیارت و ملاقات ہوئی اور جہاں تک یاد آتا ہے ایک دن رمضان المبارک میں قیام اللیل کی چند نفیس ان کی اقتدا

یں مسجد نبوی میں ادا کرنے کا بھی موقع ملا، آخری دفعہ زیارت و ملاقات کی سعادت قریبًا ڈھائی سال پہلے جنوری ۱۹۸۵ء میں حاصل ہوئی تھی جب کہ یہ عاجز مدینہ منورہ حاضر ہوا تھا اس ملاقات کا حال راقم سطور نے الفرقان میں اس طرح بیان کیا تھا۔

"حضرت قاری فتح محمد صاحب کئی سال سے فالج زدہ ہیں، آنکھیں بھی اپنا کام نہیں کرتی ہیں، لیکن ذکر و تلاوت اور نماز سے ایسا شغف ان کو نصیب ہے جس کو الفاظ میں ادا نہیں کیا جا سکتا، اس حالت کے باوجود نماز کے لئے مسجد تشریف لاتے ہیں۔ اس طرح کہ ان کا خادم انھیں گود میں اٹھا کر پہیوں والی کرسی پر بٹھا دیتا ہے، پھر کرسی سے اٹھا کر مسجد میں لا کر بٹھا دیتا ہے ۔۔۔ ان کو دیکھنے سے ایمان تازہ ہوتا ہے۔ جو چند لمحات ان کی خدمت میں گذرے انشاء اللہ اس کی برکتیں آخرت میں ظاہر ہوں گی۔ ان ....
... سے خصوصیت کے ساتھ میں نے ایرانی خطرہ اور اس کے دور رس نتائج کا ذکر کیا، اور دعاؤں کے اہتمام کی گذارش کی" (الفرقان اپریل ۱۹۸۵ء)

آج تک اس عاجز کو اس ملاقات کا ذائقہ محسوس ہوتا ہے۔

اس عاجز و سیہ کار بندے پر اللہ تعالیٰ کے بہت عظیم انعامات میں سے ایک یہ ہے کہ اسے اہل اللہ کی محبت و شفقت اور توجہ نصیب رہی، عزیزی مولوی خلیل الرحمٰن سجاد سلمہ، جن کا قیام مدینہ طیبہ میں تقریبًا ۹ سال رہا بیان کرتے ہیں کہ جب بھی وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو حضرت قاری صاحب اس عاجز کے ساتھ غیر معمولی محبت کا اظہار فرماتے یہاں انکا یہ بیان بھی قابل ذکر ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب دامت برکاتہم سے دریافت کیا کہ اپنی نماز کو بہتر بنانے کے لئے کیا تدبیر اختیار کریں، تو حضرت مولانا نے برجستہ فرمایا "قاری فتح محمد صاحب کو نماز پڑھتا ہوا دیکھو اور پھر اسکی مشق کرو"

یہ عاجز حضرت قاری صاحب کو اکابر اہل اللہ میں سمجھتا ہے اس لئے ان کی محبت و عنایت کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا ہے۔

گذشتہ شوال میں ایک ذریعہ سے حضرت کی وفات کی خبر ملی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ "الفرقان" میں سانحۂ وفات کی اطلاع کے ساتھ حضرت علیہ الرحمۃ کے وہ احوال بھی لکھے جائیں جو دینی لحاظ سے نافع اور سبق آموز ہوں۔ لیکن یہ عاجز خود حضرت کے حالات سے ایسا واقف نہ تھا ۔۔۔ یہ معلوم تھا کہ حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی (دامت فیوضہم) (جو اس سیہ کار کے ساتھ عنایت و محبت کا تعلق رکھتے ہیں) حضرت قاری فتح محمد صاحب علیہ الرحمۃ کے خاص تلامذہ میں سے ہیں، اس لئے ان کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ حالات تحریر فرمادیں ۔۔۔ مولانا ممدوح نے جو تحریر فرمایا کسی قدر اختصار کے ساتھ پہلے وہی نذر ناظرین کیا جارہا ہے۔

" حضرت قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نابینا تھے، پانی پت ہی میں پیدا ہوئے وہیں تعلیم حاصل کی ۔ فن قرأت اس وقت کے امام القرا، حضرت قاری محی الاسلام صاحب عثمانی پانی پتی سے حاصل کیا، لیکن اپنی خداداد صلاحیت کی وجہ سے اپنے استاد بلکہ اپنے زمانے کے تمام ماہرین فن سے فائق تھے ۔۔۔ درسیات کی تکمیل حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب پانی پتی سے کی اس میں بھی اچھا ملکہ رکھتے تھے، طلبہ کو قرأت سبعہ و عشرہ کے ساتھ درسیات کی بھی تعلیم دیتے تھے۔

پانی پت میں قریباً چالیس بڑے مدرسے تھے ان میں چار بڑے مدرسے تھے ان میں ایک خود حضرت قاری صاحب کا مدرسہ تھا، احقر کے زمانہ طالبعلمی میں (اب سے قریباً پچپن سال پہلے) پانی پت کے اندر تقریباً دو ڈھائی ہزار طلبہ تھے، جن کے اخراجات اور مدارس کے دیگر مصارف سب اہل قصبہ ہی برداشت کرتے تھے باہر چندہ نہیں کیا جاتا تھا۔

حضرت قاری صاحب اپنے مدرسہ میں خالصاً لوجہ اللہ تعلیم دیتے تھے، اور بڑی سادگی اور مجاہدہ کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔

علم کی حرص کا یہ عالم تھا کہ احقر جس وقت پانی پت میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، اس وقت حضرت کی عمر چالیس سال سے اوپر رہی ہوگی۔ اس وقت بھی حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ (نبیرہ امام القراء والمحدثین حضرت قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتی) سے

ہدایہ کی تکرار کرتے اور روزانہ بعد ظہر تشریف لاتے تھے۔

حضرت قاری صاحب اوقات مدرسہ کے علاوہ خارج میں بھی اسباق پڑھاتے تھے فجر سے کر عشاء تک یہ سلسلہ جاری رہتا تھا۔ اشراق، چاشت، اوّابین، تہجد کا اہتمام تھا۔ (اس سے جو وقت خالی ہوتا اس میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہتے۔ فضول گوئی سے ہمیشہ اجتناب رہا۔

رمضان المبارک میں صرف فجر کے بعد کچھ دیر آرام کرتے، باقی اوقات، نوافل یا تلاوت میں صرف ہوتے ——— تراویح میں ہر سال دو قرآن پاک دو روایتوں سے ختم کرتے تھے، تراویح کے بعد نوافل میں پوری رات قرآن پاک کی تلاوت کا ہمیشہ معمول رہا۔

حضرت قاری صاحب کے ہزاروں کی تعداد میں شاگرد ہیں، زیادہ تر پاکستان میں ہیں اس ناکارہ کو بھی حضرت سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

حضرت قاری صاحب نے فن قرأت میں کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں شاطبی کی شرح "عنایات رحمانی" کو بڑی مقبولیت حاصل ہے۔ احقر کے زمانہ طالبعلمی میں یہ کتاب اردو اور فارسی میں لکھی جا رہی تھی، ملک کی تقسیم کے بعد پاکستان میں چھپی ہے۔

حضرت قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک عزیز و سعید شاگرد، مدرسہ تجوید القرآن دہلی کے مہتمم اور روح رواں جناب قاری محمد سلیمان صاحب بھی ہیں، حضرت قاری صاحب کی وفات کی خبر ملنے پر حضرت کے احوال اور تاریخ وفات وغیرہ دریافت کرنے کے لے اس عاجز نے ان کی خدمت میں بھی عریضہ لکھا تھا، (غالباً اس کے جواب ہی میں) ان کے مدرسہ کی طرف سے مجھے ایک مطبوعہ مختصر رسالہ موصول ہوا جس کا عنوان ہے "شیخ وقت کی وفات حسرت آیات" اس کے مرتب حضرت قاری صاحب کے ایک مسترشد اور عاشق صادق ملتان (پاکستان) کے قاری محمد طاہر صاحب رحیمی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت و توفیق اور اپنے شیخ حضرت قاری فتح محمد صاحب کی روحانی کشش سے حضرت کی وفات

سے صرف چند دن پہلے حضرت کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہو گئے تھے، اور آخری وقت تک حاضر خدمت رہے ـــــ جس رات میں حضرت قاری صاحب کا وصال ہوا اس رات کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے جو لکھا ہے اس کا کچھ اقتباس یہاں نذر ناظرین کیا جا رہا ہے یہ ملحوظ رہے کہ قریباً آٹھ سال سے حضرت کے جسم کا داہنا حصہ مفلوج ہو گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ایسے عاشق خادم مسخر فرما دیئے تھے جو پانچوں وقت کی نماز کے لئے حضرت کو مسجد شریف لے جاتے اور حضرت ہر وقت کی نماز جماعت سے مسجد نبوی میں ادا کرتے۔ جناب قاری محمد طاہر صاحب نے آخری رات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"نماز مغرب کے بعد عشاء سے کچھ قبل مسجد نبوی (علی صاحبہ الف الف صلوٰۃ و سلام) کے امام شیخ علی عبد الرحمٰن حذیفی حضرت اقدس کی خدمت میں تشریف لائے آپ اپنے مقررہ مخصوص مقام خوضہ ابی بکرؓ کے قریبی اسطوانہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، شیخ حذیفی مدظلہٗ نے انتہائی عاجزی و نیازمندی کے ساتھ دست بوسی فرمائی اور دعا کی درخواست کی، حسن خاتمہ کی دعا کے لئے عرض کیا اور غالباً حضرت والا کو بھی یہ دعا دی ـ حضرت اقدس نے شیخ ممدوح کے اعزاز و اکرام میں اٹھ کر بیٹھنا چاہا تو موصوف نے آپ کے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھ کر اٹھنے سے روک دیا اور استراحت کے متعلق فرمایا ـ حضرت والا نے دوسری اور تیسری مرتبہ بھی اٹھنے کا قصد فرمایا مگر شیخ حذیفی ہر مرتبہ آپ کو اپنے دست مبارک کے ذریعہ باز رکھتے رہے ـ یہ پیاری ملاقات کچھ دیر جاری رہی، حتیٰ کہ شیخ حذیفی دست بوسی اور مصافحہ کے بعد تشریف لے گئے ـ .... نماز عشاء کے بعد حسب معمول متعدد حضرات سے مصافحہ و ملاقات کر کے حضرت والا اپنی جائے قیام پر تشریف لے گئے ہم خدام بھی حاضر خدمت ہوئے، اس رات کمرہ میں ایک عجیب خلاف معمول یہ بات محسوس ہوئی کہ کمرہ خوشبو سے مہک رہا تھا، اور کمرہ میں صفائی بھی معمول سے خوب زیادہ ہوئی تھی ـ احقر نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت اماں جی مدظلہا نے پانچ چھ اگر بتیاں میز پر سلگا رکھی ہیں اور کمرہ کو خوب ہی صاف کیا ہے

"...... گویا یہ قدرتی طور پر حضرت والا کی اس وصیت پر عمل درآمد ہو رہا تھا کہ "بوقت وفات میرے پاس خوشبو مہکائیں" فجزاہا اللہ خیرالجزا

ہم خدام نے حسب معمول حضرت والا کے ہمراہ کھانا کھایا، کھانے سے فارغ ہو کر مولوی عبدالقادر صاحب (خادم خاص حضرت اقدس نے) حضرت والا کو جناب قاری محمد سلیمان صاحب دہلی والوں کا چھ صفحات پر مشتمل مفصل مکتوب گرامی سنایا، وہ آخری مکتوب ہے جو آپ نے اپنی زندگی میں سب سے آخر میں سنا۔ اور گویا آخر میں آپ کو اپنے اس محبوب تلمیذ ارشد سے بھی لطف ملاقات میسر آگئی ۔

اس کے آگے قاری محمد طاہر صاحب نے اس مجلس میں ہونے والی کچھ اور باتوں کا ذکر کیا ہے آخر میں لکھا ہے کہ)

اس کے بعد حضرت والا بھی بغرض استراحت سو گئے اور ہم خدام بھی اسی کمرہ میں آپ کے قریب ہی محو خواب ہو گئے ــــ مولوی عبدالقادر صاحب کے بیان کے مطابق رات کو ڈیڑھ بجے کے قریب بیدار ہو کر ضروری حوائج سے فراغت حاصل کی۔ ساڑھے تین بجے حضرت والا کو کافی اونچی آواز سے ایک ہچکی سی آئی، احقر کچھ پہلے سے جاگ رہا تھا اور یونہی لیٹا ہوا تھا، ہچکی کی اس آواز کو ہم تینوں حاضر خدمت خدام نے خوب شدت سے محسوس کیا اور اٹھ کر ٹیوب روشن کی تو دیکھا کہ حضرت والا لیٹے ہوئے ہیں، چہرۂ مبارک پر کچھ تکلیف اور گھبراہٹ کے آثار ہیں اور اٹھنے کی کوشش فرما رہے ہیں، مولوی عبدالقادر صاحب نے سہارا دے کر آپکو سیدھا بٹھا دیا اور پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کیا پیشاب کرنا ہے؟ فرمایا نہیں ــــ پھر آپ نے لٹا دینے کا اشارہ فرماتے ہوئے لیٹنے کی کوشش کی جس پر آپ کو لٹا دیا گیا۔ مولوی عبدالقادر صاحب نے دریافت کیا حضرت! طبیعت گھبرا رہی ہے؟ کیا بات ہے؟ اس بات کا آپ نے کوئی جواب مرحمت نہ فرمایا اور اس کے معاً بعد ہی آپ کی حالت تبدیل ہو کر بے ہوشی طاری ہو گئی اور سکرات کی کیفیت شروع ہو گئی، مولوی عبدالقادر صاحب تو فوری طور پر ڈاکٹر کی تلاش میں نکل گئے، اور ساتھیوں کی اطلاع کے لئے بھی

تک ورد فرمانے لگے اور ہم دونوں خدام (احقر محمد طاہر رحیمی و قاری خدابخش کراچی) نے کلمہ طیبہ کا ورد اور سورہ یٰسین کی تلاوت شروع کر دی، آپ کا سانس مبارک اکھڑ گیا اور تین چار منٹ تک یہی کیفیت رہی جس کے دوران آپ نے صرف تین چار ہچکیاں لیں اور بالآخر اس شیخ وقت و محبوب خلق و محبوب خدا ہستی نے ۱۸ر شعبان ۱۴۰۷ھ (مطابق ۱۶ر اپریل ۱۹۸۶ء) بروز جمعرات ۳ بج کر ۲۵ منٹ پر ہماری آنکھوں کے سامنے اپنی پیاری جان خوب رضا و رغبت اور انتہائی مسرت کے عالم میں اپنے پیارے خالق و محبوب حقیقی و جاں آفریں کے سپرد کر دی ــــ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ان للّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل عندہ باجل مسمی فلتصبر ولتحتسب"

سبحان اللّٰہ آپ کے آخری ایام زندگی میں بھی آپ کی کوئی نماز باجماعت فوت نہ ہوئی، وفات کی شب رات کو عشا کی نماز باجماعت مسجد شریف میں ادا کی اور صبح کو نماز فجر کا وقت شروع ہونے سے پہلے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے"۔

(آگے جناب قاری محمد طاہر صاحب نے قانونی مراحل کے جلد طے ہو جانے اور پھر غسل و تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ کا تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ)

احقر سمیت بہت سے ساتھیوں کی خواہش تھی کہ خدا کرے حضرت والا کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور والے اصل و قدیمی جنۃ البقیع میں جگہ نصیب ہو، اور جگہ بھی حضرت شیخ القراء امام نافع مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے جوار میں عطا ہو ..... ہم کئی احباب و خدام اس دعا میں لگے رہے اور متعدد حضرات ظاہری اسباب کے درجہ میں اس کے لئے ساعی و کوشاں بھی رہے ــــ الحمد للہ کہ یہ تمنا بھی پوری ہو گئی ـــ

(آگے قاری محمد طاہر صاحب نے تفصیل سے لکھا ہے کہ کس طرح یہ خواہش اور تمنا پوری ہوئی اور حضرت قاری فتح محمد صاحب امام القراء حضرت نافع مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے جوار ہی میں دفن کئے گئے)

جناب قاری محمد طاہر صاحب نے اسی رسالہ یا کتابچہ میں سانحۂ وفات کے تذکرہ کے ساتھ زیر عنوان مختصر تعارف حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ حالات زندگی بھی لکھے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں لکھے گئے تھے اور حضرت کو سنا بھی دیئے گئے تھے، حضرت نے کہیں کہیں ترمیم و اصلاح بھی کرائی تھی ـــــ ان حالات میں کچھ تو وہ ہیں جو خود حضرت علیہ الرحمہ ہی سے معلوم ہوئے ہوں گے اور کچھ حالات و واقعات بعض دوسرے حضرات کی نقل و روایات سے معلوم ہوئے، ان کے راویوں کا حوالہ دیدیا گیا ہے اس تعارف میں سے بھی کچھ اقتباسات اختصار و تلخیص کے ساتھ نذر ناظرین کئے جارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے مطالعہ کو نافع بنائے اور عبرت و سبق حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مختصر تعارف

پیدائش ـــ ۱۱ یا ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ (مطابق ۲۱ جنوری ۱۹۰۷ء) کو پانی پت کے محلہ راعیان میں پیدا ہوئے، عمر ابھی ڈیڑھ سال کی ہوئی تھی کہ چیچک کے نکلنے سے نظر جاتی رہی

تعلیم ـــ ۵ سال کی عمر میں میانجی شرف الدین صاحب سے قرآن مجید کا آغاز کیا "حفظ کی تکمیل بروایت حفص مدرسہ اشرفیہ محلہ افغانان میں قاری شیر محمد خانصاحب سے کی .... سبعہ کی کچھ روایات بھی انھیں سے پڑھی تھیں ـــــ پھر حضرت مولانا قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانیؒ سے سبعہ کی تکمیل کی۔ اسی دوران آپ مدرسہ گنبدان پانی پت میں درس نظامی کی تعلیم حاصل کرنے بھی جاتے۔ ابتدائی فارسی و عربی نیز ہدایہ و تفسیر جلالین آپ نے مفتی عبدالرحیم صاحب سے پڑھیں، اور درس نظامی کی اس سے آگے کی کتابیں (مشکوٰۃ وغیرہ) مولانا حمد اللہ عثمانی (تلمیذ شیخ الہند) اور مولانا سعید احمد ابن مولانا فتح محمد تائب لکھنوی سے پڑھیں (یہ حضرات مدرسہ گنبدان میں پڑھاتے تھے) پھر ۱۳۴۷ھ میں بعمر ۲۵ سال دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ وغیرہ اسوقت کے دارالعلوم کے اکابر اساتذہ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کرکے سند فراغ حاصل کی۔

تدریسی خدمات :۔ اس عنوان کے تحت جناب قاری محمد طاہر صاحب نے ذکر کیا ہے کہ

حضرت قاری صاحب نے پاکستان منتقل ہونے سے پہلے تیس سال مسلسل اپنے وطن پانی پت ہی میں درس تدریس کا سلسلہ جاری رکھا، پھر پاکستان تشریف لانے کے بعد ابتدا میں مختلف شہروں کے مختلف مدارس میں پڑھایا، آخر میں قریبًا ۱۵ - ۱۶ سال حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ کے قائم کئے ہوئے دارالعلوم میں شعبہ تجوید و قرأت کے گویا صدر و رہنما رہے۔ پھر وہیں سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی، یہاں بھی طالبین کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا

تصانیف وتالیفات :-

(اس عنوان کے تحت قاری محمد طاہر صاحب نے لکھا ہے کہ)

آپ نے باوجود معذور (نابینا) ہونے کے قرأت وتجوید وغیرہما کی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا اور متعدد نظموں اور کتابوں کی شروح لکھیں۔ آپ کی تصانیف کی تعداد سترہ ۱۷ ہے، جو مجموعی طور پر تین ہزار تین سو چھبتر (۳۳۷۶) صفحات پر مشتمل ہیں۔ آگے قاری محمد طاہر صاحب نے ان ۱۷ کتابوں کا اجمالی تعارف بھی کرایا ہے۔

بیعت وخلافت :

۱۳۵۲ھ میں آپ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے مشرف بہ بیعت ہوئے اور مسلسل استفاضہ فرماتے رہے، آپ اپنے استاد قاری شیر محمد خاں صاحب کی معیت میں حضرت تھانوی کی خدمت اقدس میں جاتے تھے پھر حضرت تھانوی کے وصال (رجب ۶۲) کے بعد قریبًا ۱۳۶۷ھ میں (یعنی پاکستان منتقل ہو جانے کے بعد) حضرت کے خلیفہ ارشد حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری سے تجدید بیعت کر کے تکمیل کی اور ۱۹۵۶ء (۸-۲) میں خلافت واجازت بیعت سے نوازے گئے۔

آپ کا فنی وعلمی مقام

آپ اپنے زمانے کے ماہر تجوید وقرارت، جامع طرق وروایات اور قصیدہ شاطبیہ مشتمل بہ ۱۱۷۳ اشعار - درہ " ۲۴۲ " طیبہ " ۱۰۰۰ "، " نظم احکام قوا تعالی الان " ۳۷، الفوائد المعتبرہ " ۵۷، ۲ - فاطمۃ الزہرا ۲۹۷، - " قصیدہ رائیہ " ۲۹۸ " مقدمہ جزریہ " ۱۰۹ تحفہ ۶۱ - ان ۹ نظموں کے حافظ تھے ـــــ آپ کو فن قرأت میں اللہ تعالیٰ

نے ایسا کمال عطا فرمایا تھا کہ آپ کے شیخ امام القراء حضرت مولانا قاری ابو محمد محی الاسلام صاحبؒ آپ کی تعریف فرماتے اور برملا اس کا اظہار فرماتے کہ انھوں نے قرآن حرفاً حرفاً مجھ سے پڑھا ہے لیکن اب یہ فن میں مجھ سے آگے ہو گئے ہیں۔

ذوق عبادت و ریاضت

اس پر اتفاق ہے کہ آپ عالم باعمل اور صاحب باطن بزرگ تھے۔ تمام دینی امور کی انجام دہی میں آپ کو خاص مقام حاصل تھا۔ نماز باجماعت ہی کے اہتمام کے بارے میں دیکھا کہ معذوری (نابینائی) کے باوجود سفر و حضر کسی حالت میں بھی کوئی جماعت فوت نہیں ہوتی تھی۔ بارہا دیکھنے میں آیا کہ بشری ضرورت کی بنا پر کبھی آپ کو تاخیر ہو بھی جاتی اور اپنی مسجد میں آپ کو جماعت نہ ملتی تو دوسری مسجد میں، تیسری مسجد میں، چوتھی مسجد میں، غرض جس مسجد میں بھی آپکو نماز باجماعت میسر آجانے کی توقع ہوتی وہاں تشریف لے جاتے تھے، اور اگر اس کوشش اور جد و جہد کے باوجود شہر میں آپ کو جماعت نہ ملتی تو شہر سے باہر کسی ایسی مسجد میں تشریف لے جاتے جہاں اذان و جماعت نہ ہوتی ہو وہاں پہنچ کر آپ اس فریضہ کو ادا فرماتے۔ اسی طرح دیگر سنن و مستحبات اور نوافل کا پورا پورا اہتمام تھا۔ آپ کو کسی وقت بھی فارغ نہیں دیکھا گیا، تمام وقت طلبہ کی تعلیم، نوافل، ذکر میں گزر جاتا، اکثر روزے سے رہتے تھے اور اللہ کی یاد سے تو آپ کی زبان اس طرح تر رہتی تھی کہ سوتے وقت بھی اکثر زبان اور ہونٹ متحرک رہتے۔ آپ کے پاس بیٹھنے والے تھوڑی دیر ہی کی مجلس میں اپنے اندر نمایاں فرق محسوس کرتے تھے۔

نماز سے عشق کی انتہا

حضرت کے خاص خدمت گزار مولوی عبد القادر صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ دریافت کیا کہ اگر حق تعالیٰ شانہٗ آپ سے آخرت میں پوچھیں کہ مانگ کیا مانگتا ہے! تو آپ کیا مانگیں گے؟ — فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے عرش کے سایہ میں نماز پڑھنے کی اجازت چاہوں گا۔

(بہ روایت جناب حاجی نثار احمد خانصاحب)

طویل ترین سجدہ

حضرت قاضی عفران احمد عثمانیؒ کی روایت ہے کہ ایک بار آپ نے میرے اندازے کے مطابق ٹھیک دو گھنٹے پچپن منٹ کے بعد سجدے سے سر اٹھایا۔ اللہ اکبر

نفلی روزے

روزہ تو حضرت والا کی عادت اور طبیعت ثانیہ بن گیا تھا، معذوری اور ناسازگی کی حالت میں بھی اکثر روزہ سے رہتے تھے، ایک بار احقر نے عرض کیا کہ صحت کا خیال فرماتے ہوئے افطار فرمائیں، حضرت نے فرمایا کہ مجھے تو روزہ میں سرور و کیف اور لذت و فرحت حاصل ہوتی ہے جو افطار کی صورت میں نہیں ہوتی اور روزہ سے میری طبیعت بہت اچھی رہتی ہے احقر نے ناز کے انداز میں عرض کیا کہ حضرت ہم خدام ہی کا خیال فرمالیا کریں کہ حضرت کے افطار کی صورت میں ہم لوگوں کو تو خوب کھانے پینے کا موقع مل جاتا ہے۔ اس پر حضرت مسکرا پڑے اور پھر کئی روز تک افطار فرماتے رہے۔ فللّٰہ درہ وعلیہ اجرہ

آگے جناب قاری محمد طاہر صاحب نے چند اور عنوانات کے تحت بھی کچھ واقعات تحریر فرمائے ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ۔ آپ کے مفصل حالات "سوانح حیات فتحیہ" میں آرہے ہیں جو عنقریب طبع ہونے والی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ALFURQAN MONTHLY
31, NAYA GAON WEST
LUCKNOW-226 018 (INDIA)

Regd. No. LW/NP-62
Vol. 55 No. 8
August 1987

OLYMPIA PRESS, Nazirabad, Lucknow.

سرپرست:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

مدیر:

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

Rs. 3/

Se
19

جلد ۵۵ شمارہ ۹

ستمبر سنہ ۱۹۸۷ء

مطابق

محرم الحرام سنہ ۱۴۰۸ھ

یہ شمارہ -/۳

سالانہ چندہ

برائے ہندوستان -/۳۰ پاکستان -/۴۰

برائے بیرونی ممالک

بحری ڈاک -/۷۵ (-/5 پونڈ)

ہوائی ڈاک -/۱۶۰ (-/۱۰ پونڈ)

اگر اس دائرہ ◯ میں سرخ نشان

ہے تو اس کا مطلب یہ کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا اطلاع مہینے کے آخر تک موصول نہ ہونے کی صورت میں اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا

خط و کتابت یا ترسیل کا پتہ

دفتر:- ماہنامہ "الفرقان"

۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ

پاکستان سے ترسیل زر کا پتہ:

ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور

محمد حسان نعمانی پرنٹر پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

خمینی اور شیعہ اثنا عشریہ کے بارے میں
عصر حاضر کے اکابر اہل علم و فتویٰ
کے متفقہ فیصلہ پر مشتمل
الفرقان کی تاریخ ساز خصوصی اشاعت
جسکا ذکر آپ "نگاہ اولیں" میں پڑھیں گے
انشاء اللہ ماہ دسمبر ۸۷ء کے شروع میں شائع ہو جائے گی
اس خصوصی اشاعت میں
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم
کا استفتاء اور اس کے جواب میں
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری، حضرت مولانا مفتی ولی حسن
ٹونکی مفتی اعظم پاکستان، حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی (کراچی)، حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری،
مولانا صلاح الدین (لاہور) ـــــ اور ان کے علاوہ بہت سے اکابر اہل علم و اصحاب فتویٰ
اور دینی اداروں کے دار الافتاء کے فتاویٰ و تصدیقات شائع کئے جائیں گے۔
شروع میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کے قلم سے ایک جامع مقدمہ بھی ہوگا۔
انشاء اللہ یہ خاص نمبر تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ہوگا، اور اعلیٰ کاغذ پر
آفسیٹ کے ذریعہ طبع کرایا جائے گا قیمت صرف ۱۲/-

اس خاص نمبر کے شائقین کیلئے کچھ ضروری باتیں

★ یہ نمبر انشاء اللہ مستقل خریداروں کی خدمت میں بلا کسی اضافی قیمت کے پیش کیا جائے گا۔

★ نئے خریدار حضرات چالیس روپے ۴۰/- بھیجکر یہ نمبر خریداری کے حساب میں ہی حاصل کریں ـــــ نمبران کی خدمت میں بذریعہ رجسٹری روانہ کیا جائے گا اور ان کی مدت خریداری اکتوبر ۸۷ء تا ستمبر ۸۸ء قائم کی جائے گی۔

★ اس قیمتی نمبر کو محفوظ طریقہ پر منگانے کے لئے ہندوستانی خریداران رجسٹری فیس پانچ روپے 5/- ذریعہ منی آرڈر ارسال کریں۔ سادہ ڈاک سے ضائع ہونے پر عام شماروں کی طرح یہ شمارہ دوبارہ نہ بھیجا جاسکے گا۔

★ پاکستانی خریدار ۱۲/- روپے رجسٹری فیس ادارہ اصلاح وتبلیغ لاہور کو ۳۱ اکتوبر تک ارسال کردیں۔

★ دی پی کے ذریعہ یہ نمبر منگانے کے لئے چوتھائی رقم پیشگی آنا ضروری ہے

★ خریدار یا ایجنٹ حضرات میں سے جن کے ذمہ ادارہ الفرقان کا کچھ بقایا ہو ان کے لئے لازمی ہے کہ اکتوبر ۸۷ء تک حساب بیباق کردیں تاکہ نمبران کو وقت پر بھیجا جاسکے۔

★ یہ نمبر محدود تعداد میں شائع کیا جارہا ہے اس لئے زیادہ تعداد میں خریدنے والے حضرات اپنا آرڈر پہلے سے بک کرالیں ـــــ ختم ہوجانے پر کتابی ایڈیشن کی اشاعت کا انتظار کرنا پڑے گا۔

★ زیادہ تعداد میں طلب فرمانے والوں کو خصوصی رعایت دی جائے گی۔ شائقین حضرات خط لکھ کر معلومات حاصل کریں

★ پاکستانی وبیرونی ممالک کے جو حضرات صرف یہ نمبر حاصل کرنا چاہتے ہیں ان سے درخواست ہے کہ اپنی مطلوبہ تعداد لکھ کر رقم اور طریقہ کار معلوم کریں۔

الفرقان کے چندے میں اضافہ

خدا کرے آپ یقین کرسکیں کہ بڑھتی ہوئی گرانی اور اندرون ملک) رسالہ کے محصول میں تین گنے اضافہ کے باعث آپ کا پسندیدہ رسالہ گزشتہ آٹھ ماہ سے نقصان پر شائع ہو رہا ہے ـــ ہماری کوشش تھی کہ ہم کسی طرح دسمبر تک اس کو برداشت کرتے رہیں اور جنوری سے چندہ میں اضافہ کریں لیکن حالات نے مجبور کردیا اور ہمیں یہ اعلان کرنا پڑ رہا ہے کہ الفرقان کے زر تعاون کی نئی شرح اب یہ ہوگی۔

خریداران وایجنٹ حضرات نوٹ فرمالیں ـــ اندرون ملک ۳۵/- فی شمارہ ۳/۵۰ بنگلہ دیش ۴۰/-
پاکستان ۸۰/- دیگر ممالک ذریعہ بحری ڈاک ۹۰/- یا 5/- ہوائی ڈاک ۱۸۰/- یا ۲۴/-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہ اولیں

مدیر

گذشتہ شمارہ میں ہم نے اس سال حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں ہونے والے واقعہ کی کچھ تفصیل لکھی تھی ساتھ ہی اس کے پس منظر، اور مسئلہ کی حقیقی نوعیت کا مختصر تذکرہ کرنے کے بعد عرض کیا تھا کہ:-

"ہم ہندوستان کے مسلمان، بالخصوص یہاں کے علماء کرام، دانشور، قائدین اور تعلیمی و تربیتی ادارے اس چیلنج کے مقابلہ اور سخت ترین خطرہ سے اسلام، امت مسلمہ اور حرمین شریفین کی حفاظت کے لئے جو کچھ کر سکتے ہیں اس کے کرنے کے لئے ہمیں تیار ہو جانا چاہیے —— ورنہ اس عظیم فتنہ کے مقابلہ میں غفلت اور تساہل کے جرم کی سزا جب آئے گی تو ہم بھی اس سزا سے بچ نہ پائیں گے —— آئندہ شمارہ میں اب تک اس سلسلہ میں جو کوششیں کی جا چکی ہیں، ان کا بھی مختصر سا تذکرہ کر کے آئندہ کے لائحہ عمل پر گفتگو کی جائے گی اور ان خطوط کو واضح کرنے کی سعی کی جائے گی جن پر ہمیں اپنی جدوجہد کو جاری رکھنا اور آگے بڑھانا ہے۔"

آج کی صحبت میں ہم انشاء اللہ اسی موضوع پر چند معروضات پیش کریں گے۔ لیکن پہلے ایک بات اور عرض کرنی ہے۔ جس کا تعلق مکہ مکرمہ میں ہونے والے واقعہ سے ہے۔ اور جو ہمارے علم میں لندن سے نکلنے والے مشہور اسلامی پندرہ روزہ "امپیکٹ انٹرنیشنل" کے ذریعہ اس وقت آئی جب گزشتہ شمارہ پریس جا چکا تھا، اس بات کو سننے کے بعد ہی آپ اس کی اہمیت اور اس کی روشنی میں واقعہ مکہ کی سنگینی کا صحیح اندازہ کر سکیں گے —— امپیکٹ (IMPACT) کے ۱۴ و ۲۷ اگست ۸۷ء کے مشترکہ شمارہ میں ایک مفصل مضمون "ایران کا جہاد حج، مقدس گمراہی کا المیہ، جلوس تبرا جو بے نتیجہ خونریزی میں بدل گیا" کے زیر عنوان شائع ہوا ہے۔ اس کے چند پیراگرافوں کا ترجمہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ مضمون میں کہا گیا ہے:

"دو مہینے پہلے تک ایران کے "محاذ حج" پر کوئی خاص سرگرمی نہیں دکھائی دے رہی تھی، اور یہ سمجھا جا رہا تھا کہ اس سال حج معمول کے مطابق گذر جائے گا کہ اچانک کئی حج کانفرنسیں منعقد کی گئیں، جن میں حسب معمول حج کے غلاف میں لپیٹ کر سیاسی مطالبے دہرائے گئے۔ ۲۹ جون کو شاہ فہد نے صاف

الفاظ میں ان "دھو کے بازوں کے اس طرز عمل پر تنقید کی جو بعض مخصوص عرب اور اسلامی ملکوں میں امن و سکون کو غارت کرنے کے لئے دین کو استعمال کر رہے ہیں، اور عوام کو ہوشیار اور چوکنا رہنے کا مشورہ دیا تاہم یہ بات واضح نہیں تھی کہ شاہ فہد کا اشارہ کس طرف تھا، لیکن تین دن کے بعد ایران کے سابق مدیر حج جناب موسوی خوینیہا نے اپنے ایک پروگرام کا انکشاف کیا (یہ موسوی خوینیہا صاحب ان طلبہ کے لیڈر تھے جنھوں نے نومبر ۱۹۷۹ء میں تہران میں امریکی سفارتخانہ پر قبضہ کیا تھا) پروگرام یہ تھا کہ ساری دنیا سے آئے ہوئے حجاج کے سامنے ایران عراق جنگ اور کویتی جہازوں پر (امریکی جھنڈے لگانے جیسے مسائل کی وضاحت کی غرض سے مبینہ طور پر صرف ایک رات کے لئے مسجد حرام پر قبضہ کر لیا جائے گا پھر اگر "مسلمان" یہ کہیں گے کہ ایران کو جنگ بند کر دینی چاہیئے تو ہم مسلم اقوام کا فیصلہ تسلیم کریں گے۔ اور اگر مسلمانوں کا فیصلہ یہ ہوگا کہ جارحیت عراق کی طرف سے ہے تو عراق کے خلاف جنگ کرنا مسلمانوں کے ذمے لازم ہوگا، جناب خوینیہا نے مزید کہا تھا کہ امام کا حکم ہے کہ حج کو فیصلہ کن اقدامیت پر مشتمل (CRUSHING) ہونا چاہیئے جس میں بڑی طاقتوں، امریکہ و روس کی کھل کر مذمت کی جاتی ہیں اسی طرح کا حج کرنا چاہیئے ورنہ اسے حج نہیں کہا جائے گا"

یہ جذباتی باتیں مظلوم سادہ لوح مسلمانوں کو متاثر کر سکتی ہیں۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ حج خالصتہً عبادت، توبہ و استغفار اور تجدید ایمان کی روح پر مشتمل عمل ہے۔ کسی کو برا بھلا کہنے سے اس کا کوئی تعلق نہیں[1]۔ اگر واقعتہً امام کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہیں تو بد قسمتی سے یہ بات (گستاخانہ)

---

[1] ایپیکٹ انٹرنیشنل کے فاضل مضمون نگار کے ان جملوں کا، جن میں حج کو خالص عباداتی عمل اور تجدید ایمان کا ایک ذریعہ بتایا گیا ہے، ہم خاص طور پر خیر مقدم کرتے ہیں ـــــ مکہ مکرمہ میں تازہ ایرانی فتنہ میں خیر کا ایک پہلو یہ نظر آرہا ہے کہ وہ لوگ بھی جو حج کو عباداتی عمل کہنے کو ناقص تصور دین کا نتیجہ کہتے تھے، اب زور و شور سے اسے خالص عباداتی عمل قرار دینے لگے ہیں۔ حادثہ مکہ کے بعد جاری کئے گئے امیر جماعت اسلامی ہند کے بیان میں بھی یہی بات کہی گئی ہے۔ خدا کرے کہ اس حلقہ کے ذمہ دار از سر نو اپنی فکر اور اپنے لٹریچر کا جائزہ لیں جس نے پورے دین کو ایک خالص سیاسی تحریک کی شکل میں پیش کر کے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد کے ذہنوں کو خمینی صاحب کی دینی تفہیم و تشریح کو قبول کرنے کے لئے بلکہ انکی شخصیت کو مثالی اسلامی رہنما کی حیثیت سے تسلیم کرنے کے لئے تیار کر رکھا تھا۔

حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے اور اس کی صحیح نوعیت، اس کے نتائج و مقاصد اور اس کے "قائد اعظم" آیۃ اللہ خمینی صاحب کے افکار و عقائد، مزاج و منہاج اور منصوبوں اور ارادوں کو صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش کی جائے اور شیعہ مذہب کے بنیادی عقائد کا تجزیہ کر کے اسلام سے اس کے تعلق کے بارے میں قطعیت، وضاحت اور صراحت کے ساتھ، ایک نتیجہ تک پہنچا جائے، اور پھر اس پورے غور و فکر اور علمی کاوش کا حاصل دنیائے اسلام کے سامنے رکھ دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اس ضرورت کا اتنا شدید احساس اور اس کی تکمیل کا اتنا مضبوط داعیہ حضرت والد ماجد (دامت برکاتہم) کے دل و دماغ پر طاری کیا کہ مخدومنا حضرت مولانا علی میاں مدظلہ، کے الفاظ میں ان کے ضعیف اور بیماریوں سے نزار و نزار جسم میں ایک نئی حرکت و قوت اور فکر و مطالعہ کی ایک نئی صلاحیت پیدا ہو گئی اور پھر انھوں نے اس محنت و انہماک کے ساتھ کام شروع کیا کہ بار ہا ان کی صحت خطرہ میں پڑ گئی " پھر اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت سے وہ کتاب شائع ہو گئی جس نے ایک حد تک اس ضرورت کو پورا کر دیا۔ الحمدللہ کہ ایسے افراد کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہو گی جنھوں نے مختلف زبانوں میں اس کتاب کے تراجم کے ذریعہ ایرانی انقلاب اور خمینی صاحب کی شخصیت کے اس رخ کو دیکھا جسے دانستہ طور پر دنیائے اسلام سے چھپانے کی کوشش کی جا رہی تھی، ساتھ ہی اس سے اس زمانہ کے عام مسلمانوں کے لئے شیعیت کو سمجھنے کا دروازہ بھی کھلا اور یہ احساس و اعتراف بہت سی زبانوں پر آیا کہ واقعۃً شیعہ مذہب سے ناواقفیت عام ہے۔ اور یہ کہ اس ناواقفیت کو دور کئے بغیر اور شیعہ مذہب کو سمجھے بغیر ایرانی انقلاب اور خمینی صاحب کی شخصیت کے بارے میں صحیح رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔

یہاں پر یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہو گا کہ کتاب کی اشاعت کے بعد ایک مخصوص حلقہ کے خواص و عوام کی طرف سے ہزاروں (بلا مبالغہ ہزاروں) کی تعداد میں حضرت والد ماجد مدظلہ، اور ان کے خدام کے نام ایسے خطوط بھی پہنچے تھے اور اب بھی ان کا سلسلہ جاری ہے جن میں گالیاں تھیں، صلواتیں تھیں، لعنت و ملامت تھی، دھمکیاں تھیں، سعودی حکومت کے کارندے، اور امریکی و سامراجی ایجنٹ ہونے کے الزامات تھے اور خدا جانے کیا کیا تھا، کچھ خطوط ایسے بھی تھے جن میں کہا گیا تھا کہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت اتحاد بین المسلمین ہے۔ لہٰذا اس وقت ان بحثوں کو نہیں چھیڑنا چاہیے۔ (اور اب جبکہ سعودی حکومت خود اپنے رویہ کو بدلنے پر مجبور ہو گئی ہے ان خطوط کے لکھنے والے ہی بعض

کفر کے مترادف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ۳۱ جولائی والے ایرانیوں کے جلوس کو مسجد حرام کے اندر تک جانا تھا، لیکن سعودیوں نے ایرانیوں پر واضح کر دیا تھا کہ وہ کسی جلوس یا مظاہرہ کی اجازت نہیں دیں گے، حرم شریف کے اندر جلوس کی شکل میں جانے کی اجازت کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا جس سے مسجد حرام کے اندر سخت انتشار کا پھیلنا یقینی تھا۔

ایک دن پہلے ایرانی حج مشن کے سربراہ حجۃ الاسلام مہدوی کروبی کو آخری وارننگ بھی دے دی گئی تھی۔ لیکن ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا، انھوں نے یہی جواب دیا تھا کہ وہ امام خمینی کے احکام پر عمل کرنے کے پابند ہیں ـــــ امام خمینی پہلے ہی سعودیوں کو ایسے مسائل کھڑے کرنے کے نتائج سے آگاہ کر چکے تھے جو بقول ان کے 'طرفین کے لئے مشکلات کا سبب بن سکتے تھے'، ایران کی سرپرستی میں ہونے والی بین الاقوامی حج کانگریس کے نام ایک طویل پیغام میں امام خمینی ایرانی اور غیر ایرانی حاجیوں سے یہ بھی کہہ چکے تھے کہ وہ اپنے حج کو "کافروں" سے اظہار برأت (تبرا) کے لئے استعمال کریں، اور حج کے دنوں میں مظاہروں اور جلوسوں کی شکل میں ممکنہ جوش وخروش کے ساتھ یہ فریضہ انجام دیں"

یہ تھی اس سال حج کے موقع پر ایرانی جلوس کی اصل نوعیت! ہم نے ضروری سمجھا کہ اپنے محترم قارئین کو اس سے بھی آگاہ کر دیں ـــــ ہم ادارہ امپیکٹ کے بھی شکر گذار ہیں جنکی بدولت اندر کی یہ بات ہمیں معلوم ہو سکی ـــــ اس موقع پر ہمیں اور پوری امت کو ان لوگوں کے لئے بھی دعائے خیر کرنی چاہیئے جنھوں نے اللہ کے گھر کی حفاظت کے لئے اس خطرناک ایرانی حملہ کا مقابلہ کیا، خدا انھیں اور ہمت وشجاعت دے

اسلام، امت مسلمہ اور حرمین شریفین کو ایران کے راستہ سے جو خطرات درپیش ہیں ان کے مقابلہ کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہیئے، اس بارے میں کچھ عرض کرنے سے پہلے جو کوششیں اب تک اس سلسلہ میں کی جا چکی ہیں ان کا اور ان کے نتائج کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ صحیح صورتحال کا اندازہ ہو جائے۔ جگہ کی کمی کی وجہ سے ہم مختصراً اشارات ہی کر سکیں گے۔

انقلاب ایران کے بعد سب سے پہلے اسکی شدید ضرورت محسوس کی گئی کہ اس انقلاب کی فکری بنیادوں کا

حضرات بڑھ چڑھ کر ایران کی مذمت کر رہے ہیں) — الغرض اس حلقہ کی طرف سے خمینی کے انکار و عقائد معلوم ہو جانے کے بعد بھی جس رویہ کا اظہار ہوا، اس سے اس حلقہ میں دینی ذوق و مزاج کے جس درجہ اضمحلال اور عقائد کے بارے میں جس طرز عمل کا تجربہ ہوا۔ سچی بات یہ ہے کہ اس سے وہ تمام اندیشے حرف بحرف صحیح ثابت ہونے لگے جن کا اظہار بہت سے اہل فراست اور ارباب بصیرت نے اس وقت کیا تھا جب اسکی اتنی واضح علامتیں موجود نہیں تھیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس کتاب کی تصنیف کے لئے شیعیت کی مستند کتابوں اور خمینی صاحب کے منصوبوں اور ارادوں کا جو مطالعہ حضرت والد ماجد مدظلہ نے کیا تھا اس سے یہ بات ان پر یقینی طور پر منکشف ہو گئی تھی کہ خمینی صاحب کا اصل نشانہ حرمین شریفین ہے۔ اور یہ کہ شیعہ مذہب کی رو سے جس کے وہ پرجوش داعی ہیں ان کا مذہبی فریضہ ہے کہ وہ جس وقت بھی ممکن ہو حرمین شریفین اور دوسرے اسلامی ممالک پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ انھوں نے کتاب کے آخر میں (ص ۲۹۷ پر) لکھ بھی دیا تھا کہ .... "صاف نظر آرہا ہے کہ عراق کے بعد ان کا نشانہ حرمین شریفین ہے اور دوسرے ممالک عربیہ ہیں ..."[1]

---

[1] اس موقع پر ۱۹۸۳ء میں لکھے ہوئے بھائی صاحب مدظلہ (مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی) کے ایک مضمون کا یہ اقتباس بھی ملاحظہ فرما لیجئے جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ،

۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۱ء کے حج کے موقع پر یہ خبریں آئیں کہ اس دفعہ ایرانی حجاج نے حرمین کے اندر اور باہر وہ خاص نعرے اجتماعی شکل میں لگائے جو انقلاب کے بعد سے ان کے خاص نعرے اور انقلابی شعار بن گئے ہیں یعنی اللہ اکبر، خمینی رہبر، اللہ واحد، خمینی قائد، مرگ بر امریکہ، مرگ بر صدام، مرگ بر اسرائیل .. یہ خبر آئی تو ایسا زور کا جھٹکا ذہن کو لگا کہ اس کا صحیح صحیح بیان مشکل ہے ...... اس خبر کے جھٹکے نے تاثرات کی دنیا بالکل تہ و بالا کر دی اور ہمخیال دوستوں کی ایک مجلس میں اس وقت کا نیا تاثر ان الفاظ میں نکلا کہ "یہ تو دوسرا اسرائیل پیدا ہو رہا ہے"! غیر فرقہ وارانہ اسلام اور اخوت و اتحاد اسلامی صرف لبادہ ہے ورنہ اصل میں مکمل شیعیت ہے۔ اور عزائم کا آخری نشانہ —— باقی اگلے صفحہ پر

ایک طرف یہ صورتحال تھی، دوسری طرف سعودی حکومت کا یہ رویہ تھا کہ اس نے ایران کے مسئلہ میں بالکل چپ سادھ لی تھی، اور صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ سعودی حکمراں ایرانیوں کی چھیڑ چھاڑ کے جواب میں خاموش رہنے ہی میں عافیت سمجھ رہے ہیں ــــ حالانکہ یہ طرز عمل نہ صرف یہ کہ دینی لحاظ سے نامناسب تھا، بلکہ دنیاوی اور سیاسی لحاظ سے بھی اسکی ہلاکت خیزیاں اور مضرتیں، ان لوگوں کے نزدیک جو شیعیت کی حقیقت، شیعوں کے ارادوں اور انکی تاریخ اور خاص طور پہ خمینی کی شخصیت کے حدود اربعہ سے واقف تھے، اسکے وقتی منافع سے کہیں زیادہ تھیں۔

اس صورتحال کا یہ تقاضا تھا کہ عالم عرب، بالخصوص مملکت سعودیہ کے علمار کو دینی و سیاسی ہر لحاظ سے ایرانی فتنہ اور اسکی خطرناکی نیز شیعیت کی حقیقت اور اسکی فکری بنیادوں کے لازمی نتائج سے آگاہ کیا جائے، اور ان سے درخواست کی جائے کہ وہ اس مسئلہ پر اپنی منصبی ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے کھل کر اظہار خیال کریں، اور اپنے ارباب حکومت کو مناسب طریقہ پر اپنے رویہ پر نظر ثانی کی دعوت دیں، اس صورتحال کا یہ بھی تقاضا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو سعودی حکومت کے ذمہ داروں سے براہ راست بھی اس بارے میں گفتگو کی جائے۔

اسی ضرورت کے ماتحت دسمبر ۱۹۸۵ء میں حضرت والد ماجد مدظلہ نے رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی کے سالانہ اجلاس کے موقع پر، باوجود شدید معذوری کے حجاز مقدس کا سفر کیا اور وہاں کی بعض ذمہ دار شخصیتوں اور اکابر اہل علم سے ملاقاتیں کیں، رابطہ کے اجلاس میں بھی اس مسئلہ کا ذکر آیا ہر موقع پر حضرت والد ماجد مدظلہ نے ایک طویل اور مرتب گفتگو کے ذریعہ ایران کی شیعہ انقلابی قیادت کے خطرناک ارادوں کی وضاحت کی، اس غرض سے ایک یادداشت بھی مرتب کر لی گئی تھی، اسے بھی تقریباً ہر ملاقات میں پیش کیا گیا، اس یادداشت کے آخری پیراگراف کا ترجمہ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:

آخر میں ہم اس طرف اشارہ کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ اس دوہرے

بقیہ حاشیہ:- مدینہ منورہ (بوجہ روضۂ اقدس و جنت البقیع) ہے جو اسرائیل عزائم کا بھی اصل نشانہ (بنو قریظہ اور بنو نضیر وغیرہ کی یہودی بستیوں کی یاد کی بنا پر) ہے۔

خطرے کے مقابلہ میں خاموشی ہرگز مفید نہیں ہوگی، ہم یہ بات، ایران کی انقلابی قیادت کے منصوبوں اور مقاصد اور شیعوں کی تاریخ اور ان کے مزاج کے بارے میں بہت سے حقائق سے واقفیت کی وجہ سے کہہ رہے ہیں۔ تقیہ کا شیعی اصول نظری طور پر بھی اور تاریخی شہادت کی بنیاد پر عملی طور پر بھی جتنے وسیع دائرہ پر محیط ہے جو شخص اس سے واقف ہے وہ ہرگز ادھر سے دھوکا نہیں کھا سکتا .....

لیکن ان تمام ملاقاتوں اور گفتگوؤں سے یہی اندازہ ہوا تھا کہ اعلیٰ سطحی حکومتی حلقوں کی طرف سے ابھی اسی پالیسی کو برقرار رکھنے پر اصرار ہے۔ اور وہاں کے دستور زباں بندی کی وجہ سے بہت سے لوگ جو مسئلہ کی سنگینی کو کسی حد تک محسوس بھی کر رہے تھے، خاموش رہنے اور انتظار کرنے پر مجبور ہیں ـــــ قدرتی طور پر اس صورتحال کے براہ راست تجربہ سے حضرت والد ماجد مدظلہٗ کے کرب والم میں بہت اضافہ ہوا، لیکن ہندستان واپس آکر بھی انھوں نے کوشش جاری رکھی اور خط و کتابت کے ذریعہ وقتاً فوقتاً سعودی عرب کے اہل علم سے اس مسئلہ کی جانب خاطر خواہ توجہ مبذول کرنے کی گذارش کرتے رہے۔

لیکن اس سال کے حادثۂ مکہ تک سعودی حکومت کے رویہ میں تبدیلی کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی[1] بلکہ بعض بین الاقوامی اخبارات میں اس سلسلہ میں کچھ الٹی خبریں بھی آئیں۔

---

[1] گزشتہ سالوں میں ایران کے معاملہ میں سعودیوں کی جو پالیسی رہی ہے اس کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ حضرت والد ماجد مدظلہٗ کی کتاب کا عربی ایڈیشن سعودی عرب میں داخل نہیں ہو سکتا تھا، نہ اس کا کوئی اقتباس وہاں کے کسی اخبار میں شائع ہو سکتا تھا، شروع میں وہاں کے کئی ناشروں نے اس کتاب کی اشاعت کی پیش کش کی، لیکن بعد میں انھوں نے بتایا کہ انھیں اسکی اشاعت کی اجازت نہیں مل سکی۔

اس حقیقت کے آئینہ میں ہمارے ان مہربانوں کی سطح بھی ملاحظہ فرمایئے جنھوں نے زمین و آسمان کی فضا اس چیخ پکار سے بھر رکھی ہے کہ یہ لوگ ایران کے خلاف یہ مہم اپنے سعودی خداؤں کو خوش کرنے ہی کے لئے چلا رہے ہیں، اور بالفعل بہت بڑی قیمت ان لوگوں کو وہاں سے مل بھی چکی ہے۔

ساء ما یحکمون ـــــ

جو لوگ سعودی سرکاری پالیسی سے واقف تھے، انھیں اس سال کے واقعہ پر اس پہلو سے حیرت ہوتی تھی کہ سعودی حکومت کے رویہ میں جو تبدیلی آتی نظر آرہی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اپیکٹ انٹرنیشنل سے واقف کی جو تفصیلات ہم نے اس مضمون کے آغاز میں نقل کی ہیں ان سے اس سوال کا جواب مل گیا ہے۔

بات زیادہ پھیلتی جارہی ہے، اور جگہ کم ہے۔ اس لئے سلسلۂ کلام کو یہیں روک کر اب ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اس میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں ہے کہ ایران میں طاقتور شیعہ حکومت قائم ہو جانے اور اسلام دشمن طاقتوں سے اس کے خفیہ روابط کی وجہ سے شیعہ، قادیانیوں سے بھی زیادہ بڑا خطرہ بن کر ابھر رہے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ بیروت میں جو ہزاروں (سنی) فلسطینی مسلمان تڑپا تڑپا کر مارے گئے ہیں اور اس طرح مارے گئے ہیں کہ ان کو کتے، بلی اور مردار کھا کر اپنی بھوک مٹانی پڑی ہے، اس میں سب سے بڑا حصہ ایران کی سرپرستی میں جنگ کرنے والے شیعوں کا ہے؟ اور کون نہیں جانتا کہ پاکستان میں اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے اس میں اصل کردار شیعوں ہی کا ہے؟ بلکہ ہمارے ملک میں بابری مسجد کے نام پر تحریک چلوا کر مسلمانوں کو سڑکوں پر لانے کی اور بالآخر بے گناہ مسلمانوں کو مروانے کی جو مذموم کوشش ہو رہی ہے، اور مسجدوں کو بند کرنے اور ان پر کالے جھنڈے لگانے کا جس طرح رواج ڈالا جارہا ہے، ہم جانتے ہیں اور باوثوق ذرائع سے جانتے ہیں کہ اس کے پیچھے بھی ایران کا ہاتھ ہے۔ امریکہ وغیرہ میں مسلمان بچوں کے لیے جو نصاب تعلیم MSA کی طرف سے چلایا جارہا ہے، اب بعینہ طور پر اس سلسلہ میں خلفائے ثلاثہ کا تذکرہ غائب کر دیا گیا ہے۔ اور حال ہی میں ملیشا سے بڑی تعداد میں مسلمان نوجوانوں کے شیعیت قبول کر لینے کی بھی خبریں مل رہی ہیں۔

اس عالمگیر صورتحال کا اور سیاسی و دینی محاذوں پر شیعیت کے واضح اسلام دشمن عزائم اور کارروائیوں کا جن کا سہرا بلاشبہ خمینی صاحب کے سر بندھنا چاہیئے جنھوں نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے الفاظ میں "تشیع کے تن مردہ میں روح پھونکی ہے اور اس کو جارحیت و دہشت گردی کی راہ پر ڈالا ہے، اور ایک ایسی طویل و خطرناک جنگ کے شعلے بھڑکائے ہیں جس کی لپیٹ میں تقریباً سارا عالم اسلام

آگیا ہے[۱]"۔ اب یہ فوری تقاضا ہے کہ وہ تمام علمائے کرام جو خالص شرعی دلائل کی بنیاد پر شیعہ اثنا عشری مذہب کے نہ صرف منافی اسلام ہونے بلکہ "اسلام کے بالمقابل اور متوازی ایک مستقل دین و مذہب اور کتاب و سنت پر مبنی اسلام سے حریفانہ طور پر متصادم و متحارب[۲] بھی ہونے کے قائل ہیں" وہ فیصلہ کن انداز میں اور پوری وضاحت اور قطعیت کے ساتھ خمینی اور اثنا عشری شیعوں کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا اعلان کردیں، تاکہ امت کے کروڑوں عوام کفر کو اسلام سمجھنے کی گمراہی سے بچیں، اور ایک نہایت خطرناک سازش کے مقابلہ کے لئے ذہنی طور پر آمادہ ہوں ـــــ اور پھر قادیانیت کی طرح شیعیت کے مسئلہ کو بھی مسلم ممالک میں حکومتی سطح پر طے کرانے کی تحریک چلائی جاسکے۔

ہم جانتے ہیں کہ اس فیصلہ پر علماء کرام کے خلاف پھبتیاں کسی جائیں گی، اور انھیں تفریق بین المسلمین اور تکفیر بازی کا دیرینہ مجرم قرار دیا جائے گا...... لیکن انشاء اللہ ماضی کی طرح یہ سب کچھ میل کچیل کی طرح بیٹھ جائے گا اور جھاگ کی طرح ہوا میں تحلیل ہوجائے گا اور پھر آنے والی نسلیں ان علماء کرام کو عظمت و احترام کے ساتھ یاد کریں گی جنھوں نے مخالفانہ ماحول میں، اور سلطانی جمہور کے دور میں کلمۂ حق کہا تھا۔

اپنی حقیر سی بساط پر نظر رکھنے کے باوجود پورے یقین و اعتماد کے ساتھ ہم عرض کرتے ہیں کہ جو شخص شیعہ اثنا عشری مذہب کے قدیم و جدید ماخذ اور خمینی صاحب کی کتابوں اور ان کے افکار و خیالات کا مطالعہ کرے گا، اگر وہ کفر و اسلام کے حدود کو سمجھتا ہے تو ذرہ برابر تردد اسے ان کے کفر کے متعلق نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے ہم نے یہاں یہ گفتگو نہیں چھیڑی ہے کہ ان ان وجوہ سے شیعہ اثنا عشری مذہب کے ماننے والوں کو خارج از اسلام قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ جہاں تک ہمارے علم میں ہے۔ کم از کم برصغیر کے معتبر اہل علم و فتویٰ میں سے کسی کو اس سے اختلاف نہیں ہے۔ اگر کسی کو کچھ تردد ہوسکتا ہے تو وہ صرف اس پہلو سے کہ "موجودہ حالات میں اس فیصلہ کا اعلان مناسب نہیں ہے"۔ تاہم اس سلسلہ میں گذشتہ سال بھر کے غور و خوض اور ملکی و عالمی حالات کے تجزیہ نے ہمیں اس نتیجہ تک پہنچایا ہے کہ "اس اعلان میں اب ایک دن کی بھی تاخیر مناسب بلکہ جائز نہیں ہے"۔

اس سلسلہ میں ایک اور پہلو بھی قابل غور ہے۔ وہ یہ کہ ابھی اللہ کے فضل و کرم سے ایسے

---

۱ ملاحظہ ہو تقریظ از قلم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی برکتاب "اسماعیلیہ اور عقیدۂ امامت کا تعارف" از سید نظیم حسین صاحب، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۶ء
۲ قوسین کے درمیان کے الفاظ بھی حوالۂ بالا ہی سے ماخوذ ہیں

بہت سے اکابر اہل علم کا سایہ ہمارے سروں پر قائم ہے جنھوں نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری حکیم الامت حضرت تھانوی ؒ بیہقی وقت حضرت مولانا انور شاہ کشمیری شیخ الاسلام حضرت مدنی حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مولانا محمد ابراہیم بیاکوٹی، حضرت مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری شارح ترمذی وغیرہ ان علم وایمان کے سرچشموں کو دیکھا ہے جن سے گذشتہ صدی میں اللہ تعالیٰ نے اشاعت وحفاظت دین کا کام لیا تھا، اور جنھیں حق گوئی و بیباکی اور حکمت و بصیرت سے حصہ وافر ملا تھا۔ اور شاید اس میں مبالغہ نہ ہو کہ عصر حاضر میں دینی غیرت وحمیت اور عقیدے میں صلابت کے اعتبار سے برصغیر کے علمار کرام آج بھی عالم اسلام کے علمار میں امتیاز رکھتے ہیں اور علمار حق کی یہی وہ صف ہے جنکی ہمت وجرأت اور جنکی مجاہدانہ کوششوں کے نتیجہ میں قادیانیوں کا مسئلہ طے ہو سکا تھا، اس نسل کے رخصت ہو جانے کے بعد عقیدے کی اہمیت کے کم سے کم ہوتے جانے کے اس دور میں آئندہ یہ کام اور بھی زیادہ مشکل ہو جائے گا۔

انہی سب باتوں کے احساس کی بنا پر کچھ عرصہ پہلے حضرت والد ماجد مدظلہ نے ایک طویل استفتار مرتب کر کے برصغیر کے اکابر اہل فتویٰ کی خدمت میں ارسال فرمایا تھا، الحمد للہ بہت بڑی تعداد میں اسکے جوابات موصول ہو چکے ہیں۔ اور اب یہ ناچیز حضرت والد ماجد دامت برکاتہم کی طرف سے یہ اعلان کرتے ہوئے سعادت محسوس کر رہا ہے کہ انشار اللہ

شیعہ اثنا عشریہ کے کفر کے بارے میں برصغیر ہند وپاک کے اکابر اہل علم وفتویٰ کے فتاویٰ وتصدیقات پر مشتمل الفرقان کی ایک خصوصی اور تاریخی اشاعت دسمبر ۸۷ء میں انشاء اللہ شائع ہوگی۔ اس خاص نمبر کے بارے میں ضروری اطلاعات صٓ ۲ وصٓ ۳ پر آپ ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

اس موقع پر ہم اپنے بڑوں کی خدمت میں یہ تجویز بھی پیش کرنا چاہتے ہیں کہ:

کسی مرکزی دینی ادارہ کی طرف سے وسیع پیمانے پر علمائے کرام کا ایک اجتماع منعقد کیا جائے جس میں اس خطرناک صورتحال کو سامنے رکھ کر جو حج کے موقع پر ایرانیوں کی خونریز شرانگیزی اور اس کے بعد ایرانی حکومت کی دھمکیوں اور جارحانہ رویہ کی وجہ سے حرمین شریفین کے لئے مستقل طور پر پیدا ہو گئی ہے حرمین شریفین کے تحفظ کے لئے مناسب لائحہ عمل طے کیا جائے ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

کتاب المناقب و الفضائل

فضائل شیخین

گزشتہ اشاعتوں میں پہلے حضرت صدیق اکبرؓ کے فضائل ومناقب سے متعلق حدیثیں نذر ناظرین کی گئی تھیں، اس کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ کے فضائل ومناقب سے متعلق ——— اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند وہ ارشادات پیش کئے جا رہے ہیں، جن میں آپ نے اپنے ان دونوں خاص رفیقوں کا ایک ساتھ اس طرح ذکر فرمایا ہے جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کی نظر مبارک میں ان دونوں کا خاص مقام تھا اور بہت سے موقعوں پر آپ نے ان دونوں کا اپنے ساتھ اسطرح ذکر فرمایا ہے کہ گویا یہ دونوں آپ کے شریک حال اور خاص رفیق کار ہیں ——— اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے حضرت علی مرتضیٰؓ کا ایک بیان نذر ناظرین کیا جا رہا ہے

عَنْ ابنِ أَبِي مُلَيْكَةَ سَمِعَ ابنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ وُضِعَ عُمَرُ عَلَى سَرِيرِهِ فَتَكَنَّفَهُ النَّاسُ يَدْعُونَ وَيُصَلُّونَ قَبْلَ أَنْ يُرْفَعَ وَأَنَا فِيهِمْ فَلَمْ يَرُعْنِي إِلَّا رَجُلٌ أَخَذَ مَنْكِبِي فَإِذَا عَلِيٌّ فَتَرَحَّمَ عَلَى عُمَرَ وَقَالَ مَا خَلَّفْتَ أَحَدًا أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ أَلْقَى اللَّهَ بِمِثْلِ عَمَلِهِ مِنْكَ وَايْمُ اللَّهِ إِنْ كُنْتُ لَأَظُنُّ أَنْ يَجْعَلَكَ اللَّهُ مَعَ صَاحِبَيْكَ وَحَسِبْتُ أَنِّي كُنْتُ كَثِيرًا أَسْمَعُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ ذَهَبْتُ أَنَا وَ

أَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَدَخَلْتُ أَنَا وَأَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَخَرَجْتُ أَنَا وَأَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ ——————— رواہ البخاری ومسلم

ابن ابی ملیکہ (تابعی) سے روایت ہے کہ میں نے عبد اللہ ابن عباسؓ سے سنا وہ بیان کرتے تھے کہ حضرت عمرؓ کو (وفات کے بعد) جب (غسل دینے کیلئے) تخت پر رکھا گیا تو لوگ ان کے ارد گرد کھڑے تھے اور ان کے لئے دعائیں اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کی استدعا کر رہے تھے، قبل اس کے کہ ان کو تخت سے اٹھایا جائے، اور میں بھی ان لوگوں میں کھڑا تھا، تو (اچانک میں نے محسوس کیا) کہ کوئی آدمی میرا کندھا پکڑے کھڑا ہے (میں نے دیکھا) کہ وہ حضرت علی ابن ابی طالبؓ ہیں وہ حضرت عمرؓ کے لئے رحمت کی دعائیں کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تم نے اپنے بعد کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا کہ مجھے اس کی خواہش ہو کہ میں اس شخص کے سے عمل لے کر اللہ کے حضور میں حاضر ہوں، اور خدا کی قسم! میں یہی گمان کرتا تھا کہ تم کو اللہ تعالیٰ تمھارے دونوں (پیش رو) ساتھیوں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابو بکر صدیقؓ) کے ساتھ کر دیگا، میں (یہ اسلئے) سمجھتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت موقعوں پر سنتا تھا آپ فرماتے تھے (فلاں کام کے لئے) میں گیا اور ابو بکر وعمر بھی گئے اور (مسجد میں یا فلاں مکان میں) میں داخل ہوا اور میرے ساتھ ابو بکر وعمر بھی داخل ہوئے اور میں نکلا اور ابو بکر وعمر بھی نکلے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان کسی وضاحت اور تشریح کا محتاج نہیں ہے، اس میں انھوں نے یہ جو فرمایا کہ "اللہ کی قسم! میں یہی گمان کرتا تھا کہ وہ تم کو تمھارے دونوں ساتھیوں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیقؓ) کے ساتھ کر دیگا — اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے یہی امید تھی کہ تم انھیں کے ساتھ دفن کئے جاؤ گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخرت میں جنت میں تم ان کے ساتھ کر دیئے جاؤ گے

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں ہی مراد ہوں ـــــ اور اس عاجز کے نزدیک یہی راجح ہے ـــــ حضرت علی مرتضیٰ نے اپنے اس بیان میں اس واقعی حقیقت کا واضح طور پر اظہار فرما دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ان دونوں صاحبوں رفیقوں کے ساتھ خاص اختصاص تعلق تھا جو صرف انہی کا حصہ تھا۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے اس کلام کے شروع میں یہ جو فرمایا مَا خَلَّفْتَ اَحَدًا الخ (یعنی تم نے اپنے بعد اللہ کا کوئی ایسا بندہ نہیں چھوڑا جس کے اعمال کے مثل اعمال لے کر اللہ کے حضور میں حاضر ہونے کی مجھے تمنا اور خواہش ہو) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی تمنا اور خواہش تھی کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حضرت عمرؓ کے جیسے اعمال لے کر حاضر ہوں۔ اور حضرت عمرؓ کے بعد کوئی آدمی ایسا نہیں رہا۔

حافظ ابن حجر نے اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

وقد اخرج ابن ابی شیبة ومسدد من طریق جعفر بن محمد عن ابیه عن علی نحو هذا الکلام وسنده صحیح وهو شاهد جید لحدیث ابن عباس لکون مخرجه من آل علی رضی اللہ عنهم (فتح الباری جزء ۱۴ صفحہ ۳۷) (طبع انصاری دہلی)

اور ابن ابی شیبہ اور مسدد نے جعفر صادق کے طریقے سے روایت کیا ہے انھوں نے اپنے والد محمد (باقر) سے خود حضرت علی سے اس قسم کا کلام روایت کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے، اور یہ روایت ابن عباس کی اس حدیث کے لئے بہت اچھا شاہد ہے کیونکہ یہ خود حضرت علی کی اولاد کی روایت ہے ـــ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَسُوْقُ بَقَرَةً اِذْ اَعْیٰی فَرَكِبَهَا فَقَالَتْ اِنَّا لَمْ نُخْلَقْ لِهٰذَا، اِنَّمَا خُلِقْنَا لِحِرَاثَةِ الْاَرْضِ، فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ بَقَرَةٌ تَكَلَّمُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِنِّیْ اُوْمِنُ بِهٖ اَنَا وَ

اَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ وَمَا هُمَا ثَمَّ ــــ وَقَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ فِیْ غَنَمٍ لَهٗ اِذْ عَدَا الذِّئْبُ عَلٰی شَاةٍ مِنْهَا فَاَخَذَهَا، فَاَدْرَکَهَا صَاحِبُهَا فَاسْتَنْقَذَهَا، فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ فَمَنْ لَهَا یَوْمَ السَّبُعِ یَوْمَ لَا رَاعِیَ لَهَا غَیْرِیْ؟ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ ذِئْبٌ یَتَکَلَّمُ فَقَالَ اُوْمِنُ بِهٖ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ وَمَا هُمَا ثَمَّ ــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مجلس میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی ایک بیل کو ہانکے لیے جا رہا تھا وہ (چلتے چلتے) تھک گیا، تو وہ بیل پر سوار ہو گیا، بیل نے کہا کہ ہم اس لیے پیدا نہیں کیے گئے تھے ہم تو زمین کی کاشت کے کام (جتائی وغیرہ) کے لیے پیدا کیے گئے تھے تو (حاضرین مجلس میں سے بعض) آدمیوں نے کہا، سبحان اللہ بیل بھی بات کرتا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا ایمان ہے اس پر کہ (ایسا ہی ہوا) اور ابوبکر و عمر کا بھی ایمان ہے (راوی کا بیان ہے کہ) اس مجلس میں (اس وقت) وہ دونوں موجود نہیں تھے ـــــ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بیان فرمایا کہ ایک آدمی اپنی بکریوں کے ریوڑ میں تھا ایک بھیڑیے نے ریوڑ کی ایک بکری پر حملہ کر کے اس کو اٹھا لیا، بکریوں والے نے اس کو جا پکڑا اور بھیڑیے سے بکری کو چھڑا لیا تو بھیڑیے نے اس سے کہا کہ ان بکریوں کے لیے کون (محافظ اور رکھوالا) ہوگا "یوم السبع" میں، وہ دن وہ ہوگا جس دن میرے سوا ان بکریوں کے کوئی چرواہا اور محافظ نہ ہوگا تو (حاضرین میں سے بعض) لوگوں نے کہا سبحان اللہ! بھیڑیا بھی باتیں کرتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا ایمان ہے کہ یہ بات حق ہے، اور ابوبکر و عمر کا بھی ایمان ہے، اور وہ دونوں (اس وقت) وہاں موجود نہ تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر

جو کچھ بیان فرمائیں اس پر یقین کیا جائے اور اس کو بغیر شک و شبہ کے حق مانا جائے اگرچہ دنیا کے عام حالات کے لحاظ سے وہ بات ناقابل فہم ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیل اور بھیڑیئے کے کلام کرنے کی جو بات بیان فرمائی وہ اسی طرح کی بات تھی، اسی وجہ سے بعض حاضرین نے تعجب کا اظہار کیا، تو حضورؐ نے فرمایا کہ میرا ایمان ہے کہ یہ حق ہے، اور اپنے ساتھ ابو بکرؓ و عمرؓ کا بھی نام لے کر فرمایا کہ ان دونوں کا بھی ایمان ہے کہ یہ حق ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ بات آپؐ نے ایسے وقت فرمائی جبکہ ان دونوں میں سے کوئی بھی وہاں موجود نہ تھا اس لئے یہ شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان دونوں کا لحاظ کرتے ہوئے اور ان کو خوش کرنے کے لئے یہ بات فرمائی ہو ــــ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے شیخین (ابو بکرؓ و عمرؓ) کے کمال ایمان اور ایمانی کیفیت میں حضورؐ کے قریب تر ہونے اور اس بارے میں ان کے اختصاص و امتیاز کی دلیل ہے۔ اور ان دونوں حضرات کے بارے میں حضورؐ کے اس رویہ کی یہ ایک اہم مثال ہے جس کا ذکر حضرت علی مرتضیٰؓ نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے موقعوں پر اپنے ساتھ ان دونوں کا ذکر بھی نام لے کر فرمایا کرتے تھے ــ رضی اللہ عنہما وارضاہما۔

حدیث کے آخری حصہ میں "یوم السبع" کا لفظ ہے، اس کا ترجمہ نہیں کیا گیا ہے شارحین نے اس کی تشریح میں متعدد اقوال نقل کئے ہیں، اس عاجز کے نزدیک راجح یہ قول ہے کہ اس سے مراد قیامت کے قریب کے وہ دن ہیں جب قیامت کے آثار ظاہر ہو جائیں گے اس وقت لوگ بھیڑ بکری وغیرہ اپنے مویشیوں کی حفاظت اور دیکھ بھال کو بالکل بھول جائیں گے وہ لاوارث ہو کر جنگلوں میں پھریں گے اور گویا بھیڑیئے وغیرہ درندے ہی ان کے وارث و مالک ہوں گے ــ اسی لحاظ سے اس کو "یوم السبع" (درندوں کا دن) کہا گیا ہے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ ذَاتَ يَوْمٍ وَدَخَلَ الْمَسْجِدَ وَاَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ اَحَدُهُمَا عَنْ يَمِيْنِهٖ وَالْاٰخَرُ عَنْ شِمَالِهٖ وَهُوَ اٰخِذٌ بِاَيْدِيْهِمَا فَقَالَ "هٰكَذَا نُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

ــــــــــ رواہ الترمذی

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن باہر تشریف لائے، اور مسجد میں داخل ہوئے (اور آپ کے ساتھ) ابوبکرؓ وعمرؓ بھی تھے ایک۔ ان دونوں میں سے آپ کے داہنی جانب اور دوسرے بائیں جانب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے (اسی حال میں) آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم تینوں قیامت کے دن اسی طرح اٹھائے جائیں گے (جامع ترمذی)

(تشریح) حدیث کا مطلب ظاہر ہے حضورؐ نے لوگوں کو تبلایا کہ تم جس طرح اس وقت دیکھ رہے ہو یہ دونوں (ابوبکر وعمر) میرے ساتھ ہیں اور میں ان دونوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہوں، قیامت کے دن ہم تینوں اسی طرح ساتھ اٹھیں گے اور ساتھ ہوں گے ـــ بلاشبہ یہ ان دونوں حضرات کی خاص فضیلت ہے، اس میں کوئی اور شریک نہیں اور حضورؐ نے اپنے دوسرے اصحاب کو انکی اس خصوصیت و فضیلت سے مطلع فرمانا بھی ضروری سمجھا۔

عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادری مابقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر۔

رواہ الترمذی

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ میں کب تک تم لوگوں میں باقی رہوں گا (تو جب میں تمھارے اندر نہ رہوں) تو تم اقتدا کیجیو میرے بعد ان دونوں ابوبکر وعمر کی ـــ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضورؐ پر منکشف کر دیا گیا تھا کہ آپکے بعد آپکے یہ دونوں خاص رفیق ابوبکر وعمر یکے بعد دیگرے آپ کی جگہ امت کی امامت وقیادت کرینگے آپ نے ہدایت فرمائی کہ میرے بعد ان کی اقتدا وپیروی کی جائے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ

سَیِّدَا کُھُوْلِ اَھْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ اِلَّا النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ

——— رواہ الترمذی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر و عمر ادھیڑ عمر والے اولین و آخرین میں سے تمام جنتیوں کے سردار ہیں سوائے انبیاء و مرسلین کے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ بنی آدم میں سے جو لوگ ادھیڑ عمر کو پہونچے اور اس کے بعد وفات پائی اور وہ ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے جنت میں جانے والے ہیں، خواہ وہ دنیا کے ابتدائی زمانے والے ہوں یا آخری زمانے والے ابوبکر و عمر جنت میں ان سب کے سردار ہونگے اور ان کا درجہ ان سب سے بالاتر ہوگا سوائے انبیاء و مرسلین کے یعنی جنت میں سب سے فائق و بالاتر انبیاء و مرسلین ہوں گے ـــ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارشاد ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت علی مرتضیٰ رضؓ سے بھی روایت کیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَبِیٍّ اِلَّا وَلَہٗ وَزِیْرَانِ مِنْ اَھْلِ السَّمَاءِ وَوَزِیْرَانِ مِنْ اَھْلِ الْاَرْضِ فَاَمَّا وَزِیْرَایَ مِنْ اَھْلِ السَّمَاءِ فَجِبْرَئِیْلُ وَمِیْکَائِیْلُ وَاَمَّا وَزِیْرَایَ مِنْ اَھْلِ الْاَرْضِ فَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ ——— رواہ الترمذی

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے دو وزیر ہوتے ہیں آسمان والوں میں سے (یعنی ملائکہ میں سے) اور دو وزیر ہوتے ہیں زمین میں بسنے والے انسانوں میں سے، تو آسمان والوں میں سے میرے وزیر جبرئیل و میکائیل ہیں اور زمین والوں میں سے میرے وزیر ابوبکر و عمر ہیں (جامع ترمذی)

(تشریح) واقعہ یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ اور برتاؤ ان دونوں حضرات کے ساتھ وہی تھا جو ارباب حکومت کا اپنے خاص معتمد وزیروں کے ساتھ ہوتا ہے، آپ ہر اہم قابل غور و فکر معاملہ میں ان دونوں حضرات سے مشورہ ضرور فرماتے تھے ——— رضی اللہ عنہما وارضاھما

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

غیر اسلامی اقتدار کے تحت رہنے والے مسلمانوں کے مسائل کا حل

(۱)

ایک زمانہ وہ تھا کہ مصر کے فرعونی دور میں فرعون کے بلائے ہوئے جادوگروں پر جب موسیٰ علیہ السلام کی صداقت ظاہر ہوگئی، اور انھوں نے ان کی ایمانی دعوت کو حق جان کر قبول کرلیا اور اپنے مومن و مسلم ہونے کا اعلان کردیا، تو فرعون نے صرف اسی جرم میں ان کو قابلِ دار اور گردن زدنی ٹھہرا کر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جانے اور سولی پر چڑھا دیئے جانے کا حکم دیدیا، نیز ایمان لانے والی اپنی بیوی کے ساتھ بھی اُس ظالم نے تشدد و سنگدلی کا ایسا ہی برتاؤ کیا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر جن غربا و ضعفا نے شروع میں اسلام قبول کیا، مکہ کے ظالم کافروں مشرکوں نے ان پر ایسے ایسے جان لیوا ظلم کئے جن کی یاد آج بھی مضبوط سے مضبوط آدمی کو رلادیتی ہے ـــــ بس کہنا یہ ہے کہ ظلم و بربریت کا یہ دَور تو غالباً اب گذر گیا، اور امید بھی ہے کہ فتنۂ دجال سے پہلے یہ تاریخ انشاء اللہ اب کہیں نہیں دہرائی جائے گی ـــــ لیکن اگر بالفرض کسی ملک میں مسلمانوں کے لئے حالات ایسے ہی ہو جائیں اور وہاں کی حکومت اسلام اور مسلمانوں کی ایسی ہی دشمن اور ان کے حق میں ایسی ہی ظالم و جلاد ہو جائے تو اُن کے لئے تین ہی راستے ہوں گے ـــــ یا تو کسی ایسے ملک اور ایسی سرزمین کی طرف ہجرت کر جائیں جہاں ایمان و اسلام کے ساتھ زندگی گذار سکیں (خواہ وہ بھی کوئی غیر اسلامی ہی ملک ہو) جیسا کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی ـــــ اور اگر اس کی بھی

گنجائش نہ ہو تو پھر دوسری عزیمت کی راہ یہ ہے کہ اس راہ میں جان دینے والے دوسرے شہدار سابقین کی طرح خود بھی جان دیدیں، اور جنت میں اپنے پیش رودوں سے جا ملیں انشاء اللہ ان کے خون کا ایک ایک قطرہ اس ملک میں ایمان و ہدایت کے پھیلنے کا ذریعہ بنے گا، اور جو کمزور دل والے اس کی ہمت نہ کر سکیں اُن کے لئے رخصت و اجازت اس کی بھی ہے کہ اپنے ایمان و اسلام کو چھپا کر اسی ملک میں رہیں، اور کسی اچھے موقع اور اچھے وقت کے منتظر رہیں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتے رہیں:-

رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيْرًا ——— (النساء ع ۱۰)

اے ہمارے رب! ہمیں اس آبادی سے نکال لے جس کے باشندے ظالم ہیں، اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی حامی اور کوئی مددگار پیدا کر دے (جس کے ذریعہ ہمیں اس ظلم و زبردستی سے نجات ملے)۔

(۲)

جیسا کہ عرض کیا گیا اوپر والی صورت ہمارے علم میں اس وقت دنیا کے کسی ملک اور کسی خطہ میں بھی نہیں ہے، ہاں بعض حکومتیں اس وقت بھی ایسی ہیں جو ان پرانے دقیانوسی ظالمانہ طریقوں سے تو نہیں لیکن نئی شاطرانہ چالوں اور سیاسی عیاریوں سے مسلمانوں کو اسلام سے (بلکہ خدا و مذہب کے ہر ماننے والے کو اس کے مذہب اور اسکے خدا سے) توڑنے کی کوششیں خفیہ و علانیہ کرتی ہیں، لیکن انھوں نے خدا پرستی اور کسی مذہب کے ماننے کو قانوناً جرم قرار نہیں دیا ہے، بلکہ جیسا کہ عرض کیا گیا دوسرے مکارانہ طریقوں سے وہ اس مقصد کو حاصل کرنا چاہتی ہیں۔

ایسی حکومتوں کے مسلمان شہریوں کے لئے لائحہ عمل یہ ہے کہ وہ خدا اور اس کے مقدس دین کی سچی وفاداری اور اس راہ میں عزیمت اور صبر کو اپنی پالیسی کی بنیاد بنائیں اور اپنے گھروں میں خدا پرستی اور اسلامی زندگی کی فضا قائم رکھنے کے لئے اور نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے جو تدبیر اور جو محنت و کوشش اپنے موجودہ حالات میں کرسکتے

ہوں اس میں کمی نہ کریں (ہماری سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ اگر سچا احساس اور صادق عزم ہو تو یہ سب کچھ ہو سکتا ہے) ——— اور اسی کے ساتھ اپنی ملکی حکومت کو اس غلطی سے بچانے کے لئے اور حالات کو بہتر بنانے کے لئے جو خیر خواہانہ اور دانشمندانہ تدبیریں اور کوششیں ممکن ہوں ان سے بھی غافل نہ رہیں، اس کے راستے سیاسی بھی ہو سکتے ہیں اور بالکل غیر سیاسی بھی، اور ان کوششوں کے نتیجے ایسے بھی نکل سکتے ہیں جن کا عام انسانوں کو وہم و گمان بھی نہ ہو، اللہ کی قدرت ہمارے سوچ فکر اور ہمارے قیاس و اندازہ سے بہت زیادہ وسیع ہے، اور اسی کی یہ غیر مبدل سنت اور اس کا یہ قطعی وعدہ ہے کہ اس پر ایمان لانے والے اس کے بندے اگر اس کے ساتھ سچی وفاداری کا ثبوت دیں گے اور ایسے ناموافق اور صبر آزما حالات میں جو کچھ وہ کر سکتے ہیں اس کے کرنے میں کمی نہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے گا، اور پردۂ غیب سے وہ ظاہر ہو گا جو ان کی مشکلات کو حل کر کے حالات کو ان کے موافق بنا دے گا۔

——— وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○

③

جن ملکوں میں اقتدار اس وقت مسلمانوں کے ہاتھوں میں نہیں ہے، اور وہاں مسلمانوں کی آبادی بھی خاصی ہے، ان میں سے اکثر و بیشتر کی نوعیت اس دور میں یہ ہے کہ ان ملکوں کو اور ان کی حکومتوں کو اسلام سے اور خدا و مذہب سے ضد اور بیر نہیں ہے، بلکہ وہاں کے مسلمانوں کو بھی ملک کے دوسرے طبقوں کی طرح عقیدہ اور عمل کی دستوری آزادی حاصل ہے لیکن ان حکومتوں کا نظام چونکہ غیر اسلامی اور خالص مادہ پرستانہ ہے، اس لئے اُن کے بعض قوانین ایسے بھی ہیں جو اسلامی احکام سے ٹکراتے ہیں، اور ان کی وجہ سے اسلامی احکام پر چلنا سخت مشکل ہو جاتا ہے[1] پھر ان میں بعض ملک ایسے بھی ہیں جن میں مسلمانوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچی ہوئی ہے، مثلاً ہمارے ملک ہندوستان ہی کو لے لیجئے، یہاں مسلمانوں کی آبادی

---

[1] اور بد قسمتی سے یہ مشکل تو اس وقت اکثر اُن ملکوں کے مسلمانوں کو بھی درپیش ہے جن کا اقتدار خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں میں ہے، کیونکہ ان کا نظام حکومت بھی اسلامی تعلیم و ہدایت کا پابند نہیں ہے۔

۲۰۰۰ کروڑ کے درمیان ہے۔ ظاہر ہے کہ ان مسلمانوں کو اپنے ان ہی ملکوں میں رہنا ہے، نہ تو ان کے لئے ہجرت کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ مسلمانوں کا کوئی ملک ان کو اپنے دامن میں جگہ دے سکتا ہے ـــــ تو جب واقعات کی اس دنیا میں یہ طے ہے، کہ ان کروڑوں مسلمانوں کو اپنے ملکوں ہی میں رہنا ہے، اور اس کے سوا کوئی دوسری امکانی صورت اُن کے لئے نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ مسلمان اپنے ملکوں کی حکومتوں کے غیر اسلامی ہونے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے حکومت اور اہل حکومت کے مکمل بائیکاٹ اور بے تعلقی کا فیصلہ تو نہیں کر سکتے، اور نہ شریعت نے اُن سے اس ناقابل عمل پالیسی کا مطالبہ کیا ہے۔

اسی طرح مسلمانوں کے لئے مسلمان رہتے ہوئے اس کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ وہ زندگی کے سیاست و حکومت جیسے اہم شعبہ کو دین و شریعت کے دائرۂ اقتدار و رہنمائی سے بالکل باہر قرار دیتے ہوئے ملک کے صرف ایک شہری کی حیثیت سے دوسرے غیر مسلم شہریوں کیطرح ملکی سیاست و حکومت میں جس طرح چاہیں حصہ لیں ـــــ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ ہم نے زندگی کے اس اہم شعبہ میں اپنے کو اللہ و رسول کی ہدایت و اطاعت کا پابند نہیں کیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اسلام سے ایک طرح کا انحراف ہوگا۔

اس لئے ان ملکوں کے مسلمانوں کے لئے اس کے سوا کوئی راہ نہیں ہے کہ وہ اپنے لئے ایک خاص پالیسی اپنے اپنے حالات کے مطابق اسی بنیاد پر وضع کریں کہ انھیں اول و آخر مسلمان اور بہ تاحدِ استطاعت و امکان اللہ و رسول کے احکام کا پابند رہ کر زندہ رہنا ہے، اور اس چیز کو ہر دوسری چیز سے حتیٰ کہ اپنے جان و مال اور عزت و آبرو سے بھی عزیز تر اور مقدم رکھنا ہے اور اسی کے ساتھ اپنے ملک کا بہی خواہ و خیر اندیش اور اچھا شریف شہری بھی بننا ہے

اس سلسلہ میں سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ ان دونوں بنیادی باتوں کے بارے میں خود مسلمانوں کا ذہن صاف اور بالکل صاف ہو، اور یہ اُن کا اجتماعی اور قومی فیصلہ ہو، اگر بالفرض کسی ملک کے مسلمانوں کے ذہن اس بارے میں پوری طرح صاف نہ ہوں تو ضروری ہوگا کہ پہلے اس مقصد کے لئے ایک مہم چلا کر اس کو مسلمانوں کا ایسا اجتماعی اور قومی فیصلہ بنا لیا جائے

٭ یہ تحریر آج سے تقریباً ۳۰ سال پہلے کی ہے۔ اب یہ تعداد بہت بڑھ چکی ہے۔

جس کے بارے میں ان میں کوئی تذبذب اور کوئی قابلِ لحاظ اختلاف رائے نہ ہے۔

ایک بات یہ بھی بنیادی اصول ہی کے طور پر اس سلسلہ میں یہاں قابل ذکر ہے کہ دنیا کے دوسرے مسلمانوں کی طرح ان ملکوں کے رہنے والے مسلمانوں کے لئے بھی یہ تو ضروری ہے بلکہ گویا شرطِ ایمان ہے کہ وہ اسلام۔ اسلامی تعلیم، یعنی انفرادی و اجتماعی زندگی کیلئے قرآن مجید کے بتائے ہوئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے قانون حیات اور نظام زندگی کو حق و ہدایت سمجھیں، اور اس کے خلاف ہر نظریہ اور ہر نظام کو غلط اور باطل یقین کریں، اور اس لئے انسانی ہمدردی کے تقاضے سے بھی اُن کی دلی آرزو اور چاہت یہی ہو کہ ساری انسانی دنیا اس حق کو قبول کرلے اور دینِ اسلام کو اپنا لے، اور روئے زمین کے سارے ملکوں میں اللہ کے نازل کئے ہوئے مقدس قانون کی حکومت و فرمانروائی ہو۔ (ویکون الدین کلّہٗ للہ) ـــــــ لیکن ان کے اپنے اپنے ملکوں کے جو حالات ہوں اور جو نظامِ حکومت وہاں قائم ہو، اس کو ایک نفس الامری حقیقت اور ایک واقعہ تسلیم کرتے ہوئے اور موافق و ناموافق امکانات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیتے ہوئے ان کو اپنا لائحہ عمل تجویز کرنا ہوگا، اور اس سلسلہ میں شریعت کے معروف اصول "اختیار انفع و دفع اضر" کو بطور رہنما اصول کے اپنے سامنے رکھنا ہوگا ـــــــ اسی اصول کی رہنمائی میں وہ مختلف حالات میں حکومت میں شرکت یا عدم شرکت، تعاون یا عدم تعاون وغیرہ کا فیصلہ کرسکیں گے۔

ایک چیز جو دینی اور شرعی حیثیت سے ہر مسلمان کے لئے یکساں درجہ میں ضروری ہے خواہ وہ دنیا کے کسی بھی علاقہ کا رہنے والا ہو، اور اس کی اصل جزا آخرت میں جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہے، لیکن غیر اسلامی ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں کے مسائل و مشکلات کو حل کرنے اور ان کو عزت و احترام کا مقام دلانے میں اس کو خاص دخل ہے، وہ ایمان و یقین اور اعتماد علی اللہ کی دولت، تقویٰ یعنی سیرت کی طہارت و پاکیزگی، اللہ تعالیٰ سے خاص رابطہ اور خلق اللہ کی نفع رسانی والی زندگی ہے۔ ان ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں کی یہ خاص الخاص ضرورت ہے کہ اپنے اندر یہ ایمانی اوصاف پیدا کرنے اور ان اوصاف کو

اپنے معاشرہ میں عام کرنے کے لئے ہر دوسری چیز سے زیادہ جد وجہد کریں، اگر انھوں نے ایسا کیا تو اُن کے لئے وہ راہیں کھلیں گی جن کا خود ان کو گمان بھی نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید میں جابجا اس کی ضمانت دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک آیت یہاں بھی پڑھ لیجیے۔ "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ۝ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝" (یونس ۔ ع ۔ ..)

جو بندے صاحب ایمان ویقین ہوں، اور تقویٰ ان کا شعار ہو، اُن کے لئے فلاح وکامیابی کی بشارت ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی، اللہ کے سب فرمان پورے ہونے والے اور اٹل ہیں (دنیا اور آخرت کی یہ کامیابی) بڑی فیروزمندی ہے۔"

سورۂ یوسف کا پیغام ہمارے اس زمانہ میں مسلمان جن ملکوں میں سیاسی حیثیت سے کمزور یا اقلیت میں ہونے کی وجہ سے اپنے کو بے بس اور مغلوب ومجبور محسوس کرکے مایوسی ودلشکستگی کی زندگی گذار رہے ہیں، ان کے لئے قرآن مجید کی سورۂ یوسف میں خاص روشنی اور امید کا خاص پیغام ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کا خاص سبق یہی ہے کہ کسی ملک میں مسلمان کی سیاسی پوزیشن خواہ کتنی ہی کمزور ہو، خواہ وہ بالکل اکیلا ہی ہو، کوئی دوسرا اس کا ہم مذہب اور ہم مسلک نہ ہو، اور اسے ہم نسلی اور ہم وطنی کی ہمدردی بھی کسی طبقہ کی حاصل نہ ہو لیکن اگر وہ سچا مؤمن اور خداپرست ہے، تقویٰ اور پرہیزگاری اس کا شعار ہے، اور اس میں کچھ ایسی صلاحیتیں بھی ہیں جن سے وہ ملک اور اہل ملک کو فائدہ پہنچا سکتا ہے، اور وہ فائدہ پہنچاتا بھی ہے، تو ملک چاہے اس کا کلمہ نہ پڑھے، لیکن ملک میں اس کو عزت واحترام کا خاص مقام ضرور حاصل ہو کر رہے گا، اور اس کے دین ومذہب کو بھی عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا، اور اہل ملک اس کے سامنے جھکنے پر مجبور ہوں گے —— یہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اُس کا دستور ہے —— حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کی اس حیرت کو رفع کرنے کے لئے کہ یوسف کو ہم نے کنوئیں میں ڈال دیا تھا، وہ مصر میں اقتدار کے اس مقام تک کیسے پہنچ گیا؟ یہ جو ارشاد فرمایا تھا،

اِنَّہٗ مَنْ یَّتَّقِ وَیَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝

جو بندہ تقویٰ اور صبر اختیار کرے، تو اللہ کا یہ قانون ہے کہ وہ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع

نہیں کرتا، ان کو اجر ضرور مل کر رہے گا۔

اس میں اللہ تعالیٰ کے اسی دستور کا ذکر ہے، اور اوپر کی سطروں میں اس سلسلہ میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے، در حقیقت وہ اللہ تعالیٰ کے اس ازلی قانون دستور ہی کی بنیاد پر کہا گیا ہے۔

خالص فکری راستہ سے عقل کا اس پر مطمئن ہو جانا پہلے شاید کچھ مشکل رہا ہو، لیکن جمہوریت اور آزاد خیالی کے اس دور میں تو یہ بات دو اور دو چار کی طرح آسانی سے سمجھ میں آجانے والی ہے۔

لیکن وائے بدقسمتی! اس وقت پورے عالم کے مسلمانوں کا یہ عجیب حال ہے کہ ریاست و حکومت کے سلسلہ کی اپنی مشکلات اور اپنے مسائل حل کرنے کے لئے اُن سب طرح بازیوں کو تو وہ اختیار کر سکتے ہیں جو خالص مادی تحریکوں کی ایجاد ہیں، اور جن کے نتیجہ میں نہ کوئی خیر کبھی پیدا ہوا ہے نہ پیدا ہو سکتا ہے، لیکن قرآن مجید کے بتائے ہوئے اس راستے کو وہ آزمانے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں، گویا ان کا حال اس وقت بعینہ وہ ہے جو قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے ایک بے توفیق گروہ کا ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے:۔

وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۚ وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ۚ (اعراف۔ ع۔ ۱۷)

اگر وہ ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا راستہ نہ بنائیں (اور اس پر چلنے کے لئے آمادہ نہ ہوں) اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا راستہ بنا لیں (اور اس پر چل پڑیں)

غیر اسلامی ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے یہ رہنمائی تو قرآن مجید کے بیان کے مطابق اسوۂ یوسفی کی تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کے واقعات میں صلح حدیبیہ سے بھی بڑی رہنمائی ان مسلمانوں کو مل سکتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کی صلح، مکہ کے کافروں مشرکوں کے ساتھ بادی النظر میں ایسی مغلوبانہ شرائط پر اور بظاہر اس قدر دب کر کی تھی کہ حضرت عمرؓ جیسے کامل الایمان اور وفادار صحابی کو اس پر ضبط کرنا اور آداب کے تقاضے کے مطابق خاموش رہنا بھی مشکل

ہوگیا ـــــ لیکن یہ صلح آپ نے اس قدر دب کر اور بظاہر ایسی ذلت آمیز ہار مان کر کیوں کی؟۔

ـــــ ہر صاحب فکر اور واقف کار جانتا ہے کہ اس وقت آپ کے سامنے ایک خاص مقصد یہ تھا کہ مکہ والوں کے ساتھ (جو اس وقت اسلام دشمنی میں گویا پورے عرب کے لیڈر تھے) مسلمانوں کے اختلاط کی راہیں کھلیں، تعصب اور اشتعال کی فضا ختم ہو، اور انھیں اس کا موقع ملے کہ وہ مسلمانوں کو اور اسلام کو برت کر دیکھ سکیں۔ اور صلح کی ٹھنڈی فضا میں ٹھنڈے دل سے معاملہ پر غور کرنا، اور حقیقت کا سمجھ سکنا اُن کے لئے آسان ہو جائے۔

اور تاریخ گواہ ہے کہ "بظاہر اس مغلوبانہ صلح" ہی نے مکہ والوں کیلئے اسلام کی طرف آنے کا راستہ کھولا، اس کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ جیسے کتنے ہی ممتاز قریشی سرداروں نے اسلام قبول کیا ـــــ اہل سیر کا بیان ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد کے چند سالوں میں جتنے لوگوں نے برضا و رغبت اسلام قبول کیا ہے، اُن کی تعداد اُن سے کہیں زیادہ ہے جنھوں نے آغاز اسلام سے صلح حدیبیہ تک کے ۱۹، ۲۰ برسوں میں قبول کیا تھا، اسی لئے قرآن مجید میں صلح حدیبیہ کو "فتح مبین" کہا گیا ہے۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ (سورۃ الفتح۔ ع ۱)

تو کہنا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں اس قدر مغلوبانہ صلح کر کے جو خاص فائدہ اٹھایا تھا وہ آج اکثر غیر اسلامی ملکوں کے رہنے والے مسلمانوں کو بڑی حد تک اسوقت حاصل ہے۔ لیکن خود مسلمانوں میں وہ ایمان، وہ ایمانی زندگی، وہ اسلامی اخلاق، تمام بنی نوع انسان کا درد اور ان کی ہمدردی و غمخواری کا جذبہ اور اللہ کی طرف اور اس کی جنت کیطرف سب کو کھینچنے کا مخلصانہ داعیہ اور دین کی بے لوث دعوت، کچھ بھی نہیں ہے، نتیجہ وہ ہے جو آنکھوں کے سامنے ہے، بس ان ملکوں کے مسلمان اگر اسلام اور قرآن سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ ہمارے لئے کیا ہدایت ہے، اور ہمارے مسائل کا کیا حل ہے، تو اصل جواب بس یہ ہے ـــــ کہ اپنے کو مسلمان بناؤ، سب سے پہلے ایمان و یقین اور ایمان و یقین والی زندگی، اور ایمانی صفات اخلاق، اور اللہ کے بندوں کی مخلصانہ فکر اپنے میں اور دوسرے مسلمانوں میں پیدا کرنے اور عام کرنے کے لئے جد و جہد کرو ـــــ اس کے بعد تمہارے لئے وہ راہیں کھلیں گی جن کا اس وقت

تم کو وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ واللہ غالبٌ علیٰ امرہٖ۔

ان ملکوں کے مسلمانوں کے لئے سب سے اہم اور بنیادی بات تو بس یہی ہے جو اوپر عرض کی گئی ——— اس کے بعد چند اصولی ہی باتیں اور عرض کرنی ہیں، لیکن ان کی حیثیت ہمارے نزدیک ثانوی ہے اور فرعی، بہرحال ہم ان کو بھی ذکر کرتے ہیں۔

یہ بات اوپر ذکر کی جا چکی ہے کہ ان ملکوں کے مسلمانوں کو سب سے پہلے یہ فیصلہ اور اس کا عزم کر لینا چاہیئے کہ انھیں مسلمان رہ کر اور اسلامی احکام پر چلتے ہوئے اپنے ملک میں جینا ہے۔ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ ملکی حکومت غیر اسلامی ہوتے ہوئے بھی اپنی معقولیت اور انصاف پسندی کی وجہ سے اس میں زیادہ سے زیادہ سہولتیں بھی پیدا کر سکتی ہے، اور اپنی بدنیتی اور تنگ نظری کی وجہ سے اس کے راستے میں سخت مشکلات بھی پیدا کر سکتی ہے، اس لئے سیاست و حکومت کے باب میں ان ملکوں کے مسلمانوں کا ایک اصول یہ بھی رہے گا، کہ وہ ملک میں ایسے عنصر اور ایسی پارٹی کے برسر اقتدار آنے میں اگر مدد دے سکتے ہوں تو ضرور مدد دیں جس سے اس مقصد میں ہمدردی اور زیادہ سہولتیں حاصل ہونے کی امید ہو، مثلاً کسی ملک میں متعدد سیاسی پارٹیاں ہیں جو ملک کے نظامِ حکومت کو اپنے ہاتھ میں لینے کیلئے الکشن کے میدان میں اتری ہوئی ہیں، اور مسلمان یہ محسوس کرتے ہیں کہ کسی پارٹی کو برسر اقتدار لانے میں ان کی حمایت و تائید اثر انداز ہو سکتی ہے تو وہ اس پارٹی کو برسر اقتدار لانے کی کوشش کریں جس سے یہ امید ہو کہ مسلمانوں کے ساتھ اور خاص کر اُن کے دینی مسائل کے ساتھ اُس کا رویہ زیادہ ہمدردانہ رہے گا، اسی طرح اگر اس مقصد کا تقاضا حکومت میں شرکت کا ہو، تو اس میں شریک بھی ہوں۔

یہ حکمت عملی بداہت عقل کا بھی تقاضا ہے اور شریعت میں اس کی بنیاد وہ معروف و مسلّم اصول ہے جس کا مشہور عنوان فقہاء اور اصولیین کی زبان میں "اختیار اھون البلیتین" ہے، اور اس کی صریح نظیر (بلکہ دلیل بھی) وہ مشہور واقعہ ہے کہ جس زمانہ میں صحابہ کرام رضی کی ایک جماعت نے ہجرت کر کے حبشہ میں قیام کر لیا تھا تو حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے کسی دشمن نے ان دنوں میں

نجاشی کے خلاف نبرد آزمائی کی، اس موقع پر صحابہ کرامؓ نے نجاشی کی کامیابی کے لئے بڑے اخلاص اور الحاح سے دعائیں کیں، اور مہاجرین کے اس قافلہ کے سردار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس معرکہ میں کوئی ایسا کارنامہ بھی انجام دیا جس کی وجہ سے نجاشی کے ہاں اُن کا اعتماد اور زیادہ بڑھ گیا ——— اس واقعہ سے متعلق حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی مفصل روایت میں تصریح ہے کہ نجاشی کے ساتھ ہماری یہ ہمدردی اس لئے تھی کہ ہم سمجھتے تھے کہ نجاشی کا دشمن اگر کامیاب ہوگیا تو اس کا سلوک ہمارے ساتھ اتنا اچھا نہ ہوگا جتنا اچھا کہ نجاشی کا ہے۔[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام ج۱ ص۳۶۱، البدایہ والنہایہ ج۳ ص۷۵، شرح سیر کبیر ج۱ ص۱۸۳)

---

[1] شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنے رسالہ "الحسبۃ فی الاسلام" میں اس پر کلام کرتے ہوئے کہ جب کوئی ایسا معاملہ درپیش ہو کہ ہماری کسی کوشش سے صورت حال میں نسبتاً کچھ بہتری پیدا ہو سکتی ہو یا کسی بدی میں کچھ کمی کی جا سکتی ہو، تو مسلمانوں کو اس کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے، استناد اور استشہاد کے طور پر لکھتے ہیں:۔

وقد کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ یفرحون بانتصار الروم و النصاری علی المجوس وکلاھما کافر لان احد الصنفین اقرب الی الاسلام وانزل اللہ فی ذلک سورۃ الروم ۔۔۔۔ وکذلک یوسف الصدیق کان نائبا لفرعون مصر وھو وقومہ مشرکون وفعل من العدل والخیر ما قدر علیہ ودعا الی الایمان بحسب الامکان ——— (الحسبۃ ص۳۸)

جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جب ایران کے آتش پرستوں اور روم کے عیسائیوں میں جنگ ہو رہی تھی تو اگرچہ دونوں فریق کافر تھے، لیکن چونکہ رومی عیسائی بہ نسبت مجوسیوں کے اسلام سے قریب تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو عیسائیوں کی فتح کی خبروں سے خوشی ہوتی تھی، اور سورۂ روم اسی سلسلہ میں نازل ہوئی تھی ——— اور اسی طرح مصر کے بادشاہ فرعون اور اس کی پوری قوم کے مشرک ہونے کے باوجود سیدنا یوسف علیہ السلام نے اُس کا نائب ہونا قبول فرمایا تھا، اور جو اختیارات ان کو اس طرح حاصل ہو گئے تھے ان کو انھوں نے خیر اور عدل کیلئے حسب استطاعت استعمال فرمایا، اور اپنے امکان کے بقدر لوگوں کو ایمان کی دعوت دی ——— شیخ الاسلام کی یہ عبارت اس مسئلہ میں بالکل واضح اور فیصلہ کن ہے۔

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

مکہ معظمہ کے المیہ کے بارے میں

ایک ہی مکتب فکر کے دو اخباروں کے متضاد تبصرے

عالم اسلام میں جانا پہچانا ایک مخصوص حلقہ ایرانی انقلاب کے خیر مقدم، اسکی تائید، اور اس پر تنقید کرنے والوں کے "محاسبہ" میں پیش پیش رہا ہے، ــــــ اور بلاشبہ سنی مسلمانوں، بالخصوص حالات کے موجودہ رخ سے بیزار اور تبدیلی کے لئے بے چین، لاکھوں کروڑوں نوجوانوں کو اس انقلاب سے جو توقعات قائم ہوئیں، اور جس طرح ان کی نگاہ کے سامنے تصویر کا صرف ایک ـ اور نہایت دلکش و دلآویز ـ رخ آیا، اس میں سب سے زیادہ حصہ اسی مکتب فکر کے اخبارات، رسائل اور اس کے ترجمانوں کی تقریر و تحریر کا ہے ــــــ لیکن مکہ معظمہ کے تازہ المیہ نے جس نے حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے، اس حلقہ کے بھی بہت سے عمائدین کو سجدۂ سہو کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اور اب اس حلقہ کے ترجمان بھی" ایرانی انقلاب کے قائدین سے مخلصانہ گذارش کر رہے ہیں کہ (اسلامی ؟) انقلاب برآمد کرنے کے جوش میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔

لیکن جن لوگوں نے ایک طویل مدت تک پوری دنیا میں اس کا چرچا کیا ہو کہ ایرانی انقلاب کے قائدین پوری دنیائے اسلام کو، خالصتہً اسلام کے نام پر، اور اسلام ہی کے لئے متحد کرنا چاہتے ہیں اور جن کی

زبانیں ایرانیوں کے جوشِ جہاد اور جذبۂ اخوت و اتحاد کی تعریف سے تر رہی ہوں ان کے لئے ایک دم سے الٹی بات کہنے لگنا یقیناً آسان نہ ہوگا۔ چنانچہ المیۂ مکہ مکرمہ کے بارے میں اس مکتب فکر کے ترجمانوں نے جو تبصرے کئے ہیں ان سے اُس مشکل صورتحال کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جس سے وہ اچانک دوچار ہو گئے ہیں:

ذیل میں ہم ہفت روزہ اخبار "جمعہ" دہلی کی وساطت سے مکہ معظمہ کے المیہ کے بارے میں اس مکتب فکر کے دو ترجمانوں سہ روزہ "دعوت" اور ہفت روزہ کانتی (ہندی) کے تبصروں کے کچھ اقتباسات پیش کر رہے ہیں۔ ان تبصروں کے بارے میں ہمیں کہیں کہیں جو کچھ کہنا ہوگا وہ ہم متعلقہ جملہ پر حاشیہ دے کر کہیں گے ــــ اور کاش کہ ہمیں کچھ کہنا ہی نہ پڑتا!

سہ روزہ دعوت کے ۶ اگست کے شمارہ میں "حرمین کی حرمت اور امن کو غارت نہ کیجئے" کے زیرعنوان لکھا گیا ہے:

"حرم میں ایرانی حاجیوں کے ہنگامہ کے باعث جو المیہ پیش آیا ہے اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ خانہ کعبہ توحید کا مرکز اور وحدت اسلامی کا رمز ہے۔ اسی وحدت کو پائیدار بنانے کے لئے اسے پروردگار نے قبلہ قرار دیا لیکن ایک مدت سے اس اسلامی رمز کو کمزور کرنے کی جو سازشیں کی جا رہی ہیں، اب وہ روز بروز نمایاں ہوتی جا رہی ہیں۔ کبھی لندن میں کبھی لبنان میں اور کبھی کسی اور ملک میں حج کانفرنسوں کے نام سے ایک سلسلہ جاری ہے اور ان کے ذریعہ یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ مکہ اور مدینہ پر ساری دنیا کے مسلمانوں کا حق ہے اس لئے اس پر سعودی حکومت کا کنٹرول ختم ہونا چاہئے اسی طرح ہر سال ایران کے حاجی مخالفت کے باوجود حج کے موقع پر خلفشار پیدا کر کے پرامن ماحول کو مکدر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس بار بھی سعودی حکومت نے واضح طور پر اعلان کیا تھا کہ حج کے زمانہ میں کسی کو مظاہرہ اور ریلی منظم کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ حج کے زمانہ میں تقریباً تیس لاکھ حاجی یہاں مناسک حج ادا کرنے کے لئے دنیا کے مختلف ملکوں سے آتے ہیں۔ ان میں مقامی حاجیوں کی بھی ایک

بڑی تعداد ہوتی ہے۔ ایسے موقعوں پر اگر مظاہروں اور جوابی مظاہروں کی اجازت دیدی گئی تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حاجیوں کے لئے صرف دشواریاں ہی پیدا نہیں ہوں گی بلکہ مناسک حج کی ادائیگی کے لئے جو پرامن ماحول چاہیئے وہ بھی ختم ہو جائے گا اور غالباً اسلام دشمن طاقتیں یہی چاہتی بھی ہیں کہ اتحاد اسلامی کا یہ مرکز پراگندگی کا مظہر بن جائے۔

حاجیوں کے لئے حرمین شریفین کا پرامن ماحول باقی رہے اس لئے کسی ملک سے آنے والے حاجیوں کو مظاہرہ یا ریلی منظم کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ دنیا کے مختلف گوشوں سے آنے والے حاجی اس کا احترام بھی کرتے ہیں لیکن ایرانی حاجی معلوم نہیں اپنے آپ کو کیوں مستثنیٰ سمجھتے ہیں اور ہر سال کوئی نہ کوئی ہنگامہ کھڑا کرتے رہتے ہیں[1] شاید وہ انھیں ہنگاموں کو انقلاب برآمد کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اگر یہ بات نہیں ہے تو دوسرے ملک میں جاکر وہاں کے قوانین کی پابندی نہ کرنا چہ معنی دارد؟ اگر مکۃ المکرمہ سعودی عرب کے کنٹرول میں نہ ہوتا تب بھی وہاں ایرانیوں کو اس طرح کا مظاہرہ کرنے کی اجازت نہ ملتی۔ اس لئے کہ عالم اسلام صرف ایران کا نام نہیں ہے۔ لیبیا اور سیریا تو ایران کے دوست ہیں وہاں جاکر اس طرح کا مظاہرہ کرکے دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

توحید کے مرکز اور دعوت اسلامی کے رمز کو پراگندہ کرنے کا نام انقلاب نہیں ہے جن کی رواداری اور اسلام پسندی کا یہ عالم ہے کہ اپنے پرانے ساتھی مفتی زادہ کو برداشت نہ کرسکے، جن کی دین پسند عینک میں اخوانی بھی امریکی ایجنٹ کی صورت میں نظر آتے ہیں، حالانکہ اخوانیوں نے اسلامی انقلاب کی پوری پوری تائید کی تھی البتہ وہ اپنے

---

[1] جی ہاں! فاضل مضمون نگار کو "نہیں معلوم" کہ ایرانی حاجی اپنے آپ کو کیوں مستثنیٰ سمجھتے ہیں؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے تجاہل عارفانہ کے سوا اور کیا نام دیا جائے ــــ؟ یا شاید بات یہ ہے کہ ؏

جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

آپ کو خمینی رنگ میں ڈھالنے کے لئے راضی نہ تھے جن لوگوں کی فکری وسعت کا یہ عالم ہو وہ انقلاب برآمد کرنے کے لئے حرم کے پرامن ماحول کو پراگندہ کرنے کی کوشش کریں گے تو اس کی اجازت کون دے گا اور کیوں دے گا؟ سعودی حکومت نے تو اس سلسلہ میں سعودیوں کو بھی برداشت نہیں کیا پھر اوروں کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے مکہ المکرمہ پہنچ کر زندہ باد اور مردہ باد کے نعرے لگانا، ٹریفک کو جام کر دینا، بسوں اور کاروں کو نذر آتش کرنا اور حاجیوں کی راہ میں دشواریاں پیدا کرنا ہی انقلاب پسندی کی علامت نہیں ہے۔

اسی لئے ہم ایرانی قائدین سے مخلصانہ گذارش کرتے ہیں کہ انقلاب برآمد کرنے کے جوش میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیئے[1] زمزمہ توحید کا یہ مرکز اور اتحاد کا یہ رمز خدانخواستہ اگر متاثر ہو گیا تو اس سے کسی اور کو نہیں اسلامی دنیا ہی کو نقصان پہونچے گا اور ایران بھی اپنے آپ کو نہ بچا سکے گا اس لئے کہ اختلافات کے باوجود ایران بھی اسلامی دنیا ہی کا جزء ہے۔

دوسری طرف سعودی حکومت کو بھی اس پہلو سے غافل نہیں ہونا چاہیئے جو لوگ اس ہنگامے میں شہید ہوئے ہیں وہ بھی اسلامی دنیا کی ہی افرادی طاقت تھے۔ اللہ انھیں اپنی رحمتوں سے نوازے[2] یہ صحیح ہے کہ حرمین شریفین میں ان کی

---

[1] یعنی یہ کہ انقلاب برآمد تو ضرور کریں، مگر ذرا اعتدال کے ساتھ، اب رہی یہ بات کہ اس اعتدال سے کیا مراد ہے اور اس کے حدود اربعہ کیا ہیں، یہ راز کی بات ہے، عام مسلمانوں سے یہ راز نہیں بتایا جا سکتا۔

[2] اللہ اللہ! کیسی بے خبری اور مدہوشی کا عالم ہے جس میں یہ الفاظ مضمون نگار صاحب کے قلم سے نکل رہے ہیں۔ جو لوگ مکہ مکرمہ میں بسوں اور کاروں کو نذر آتش کریں، حرم کے پرامن ماحول کو پراگندہ کریں، حاجیوں کی راہ میں دشواریاں پیدا کریں، جب انھیں ایسا کرنے سے روکنے اور حرم الٰہی کے تقدس اور امن اور حجاج کے جان و مال کی حفاظت کے لئے کارروائی کی جائے جس کے نتیجہ میں ان شرپسند باغیوں اور حرم میں بدامنی پھیلانے کے مجرموں میں سے چند ہلاک ہوں تو انھیں شہید کا درجہ بھی

(باقی حاشیہ ص ۳۵ پر)

برقراری اس کی ذمہ داری ہے لیکن اس سلسلے میں اسے اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے اگر طاقت کے استعمال کی ضرورت پیش آتی ہے تو اندھا دھند نہیں استعمال ہونی چاہئے۔ دانائی کی بات یہی ہے کہ کم سے کم طاقت کے استعمال سے حالات پر کنٹرول کیا جائے۔ اگرچہ مرنے والوں کی صحیح تعداد کا علم ابھی تک نہیں ہو سکا لیکن مختلف ذرائع سے جو خبریں آرہی ہیں ان پر اگر بھروسہ کیا جائے تو تشویش پیدا ہوتی ہے اور یہ احساس ابھرتا ہے کہ حالات پر قابو پانے کے لئے طاقت کا زیادہ استعمال کیا گیا۔ اس سے احتراز بہرحال ضروری ہے۔ دایاں ہاتھ زخمی ہو یا بایاں ہاتھ درد اسلامی جسد ہی کو ہوگا۔ خدا ہم سب کو صحیح سوجھ بوجھ دے کہ آئندہ اس طرح کے ہنگاموں کی نوبت نہ آئے۔"

ہفتہ وار کانتی ۱۶ر تا ۲۲ر اگست کے شمارہ میں اس کے مدیر شہیر رقمطراز ہیں:

"عید قربان اصل میں اس بڑے تیوہار کا ایک بڑا حصہ ہے جسے حج کے نام سے جانا جاتا ہے، حج کے لئے حج یاتریوں کا مکہ میں جمع ہونا ضروری ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں حج یاتری اس بار بھی جمع ہوئے اور حج کی رسمیں ادا کیں۔ دنیا کے دوسرے ملکوں کی طرح ایرانی بھی وہاں آئے، ان کا جلوس بھی نکلا، کچھ نعرے بھی لگے اور نعروں کا بہانہ بنا کر سعودی حکومت نے ان پر گولی چلادی، کہا جاتا ہے کہ گولی چلانے سے پہلے انھوں نے یہ احتیاط بھی نہیں کی جو ہر ملک اپنے شہریوں پر بھی گولی چلانے سے پہلے کرتا ہے۔ ایرانی تو بہرحال غیر ملکی تھے، وہ بھی حج جیسے مبارک سفر پر آئے تھے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴ کا)

مل جائے اور ان کے لئے دعائے رحمت بھی کی جائے، اللہ جانے دینی حس کا یہ فقدان اور صحافیانہ انداز اور سیاسی ذوق کا یہ غلبہ "دعوت" کے ان علمبرداروں کو اور کہاں تک لے جائے گا؟!

لے چلئے مکہ مکرمہ کے المیہ نے ایران کو دائیں سے بائیں حصے تک تو پہنچا ہی دیا، اب اس حصے میں بھرے ہوئے زہریلے مواد پر نظر پڑنے میں خدا کرے زیادہ دیر نہ لگے ورنہ یہ زہر سارے جسم کو ہلاک کر ڈالے گا۔

بہرحال جو بھی ہوا وہ افسوسناک ہی نہیں، تکلیف دہ بھی ہے۔ حج جیسے فریضے کی ادائیگی کے وقت اس طرح کی حرکتیں انسانی خود غرضی، جانب داری اور نفس پرستی کا پتہ دیتی ہیں۔ جب کہ حج کا مہینہ بھی اور حرم کا مقام بھی مسلمانوں کے لئے حد درجہ لائق احترام قرار دیا گیا ہے، اس حد تک کہ گالی، جھوٹ، دنگا فساد ہر چیز سے منع کیا گیا ہے قتل و خون تو ان سے بھی زیادہ گھناؤنی چیزیں ہیں۔ کیا اتنی سی بات بھی ان لوگوں کو معلوم نہیں تھی پھر یہ سب کیوں ہوا؟ اس کے جواب کی بیشتر ذمہ داری سعودی حکومت کو جاتی ہے، اسے یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ فتنہ بہت بھیانک تھا اس لئے ایسا کیا گیا اگر وہ ثابت نہ کر سکا تو تاریخ اسے مجرم کہے گی:

ہفتہ وار کانتی کے اسی شمارہ میں مکہ معظمہ کے المیہ کے بارے میں صفحۂ آخر کے ایک اور مضمون میں جس کا عنوان ہے "مکہ میں حاجیوں کا قتل، یہ کس کا خون بہا؟" لکھا گیا ہے۔

کوئی اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ حج جیسے مبارک موقع پر اور مکہ جیسے مقدس شہر میں اس طرح کا خون خرابہ بھی ہو سکتا ہے لیکن حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

واقعے کے رونما ہو چکنے کے بعد یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ اس میں پوری کی پوری غلطی ایران ہی کی ہے۔ ہم اس بات کو صحیح نہیں سمجھتے کہ حج کے موقع پر کسی طرح کا مظاہرہ اور ہنگامہ کیا جائے لیکن اگر ایرانیوں نے اس طرح کا کوئی مظاہرہ کیا تھا تو کم سے کم سعودی حکومت کو تو اس موقع پر اپنی پولیس کو گولیاں چلانے سے باز رکھنا چاہیئے تھا۔۔۔۔۔

پوری دنیا میں مسلمان دوسروں کا شکوہ کر رہے ہیں، کہیں ہندو مسلم جھگڑوں میں مسلمان مارے جا رہے ہیں تو کہیں کمیونسٹ مسلمانوں کو قتل کر رہے ہیں، کہیں اسرائیل ان کی جان کے پیچھے پڑا ہوا ہے، لیکن مکہ میں جو کچھ ہوا اس کے لئے ہم کسے قصوروار ٹھہرائیں؟ یہاں کون سا دشمن سامنے آیا، یہاں کس نے کس کا خون بہایا؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ جب سے ایران میں اسلامی انقلاب آیا ہے اسی وقت سے اسلام دشمن طاقتیں ایران کے خلاف کام کر رہی ہیں۔ ان اسلام دشمنوں کی اصل لڑائی ایران سے نہیں بلکہ اسلام سے ہے۔ ایران کے اسلامی انقلاب کو بدنام کرنے کیلئے کبھی عراق کو استعمال کیا گیا تو کبھی کویت کو۔ حیرت کی بات ہے کہ ایران عراق جنگ میں سبھی مسلم ملک اسلام دشمن طاقتوں کے شکار ہو کر رہ گئے —— سعودی عرب جو اسرائیل کے خلاف کبھی جہاد نہ کر سکا، ایران کے خلاف جہاد کا اعلان کرنے لگا۔

اس بات کو سبھی جانتے ہیں کہ اسلام میں بادشاہت نہیں ہے۔ اسلام خلافت کی بات کرتا ہے۔ یہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اسلامی نظام کے لئے کوشش کرے سعودی حکومت کی ایران سے لڑائی اس بنیاد پر بھی ہے کہ اسے ڈر ہے کہ کہیں ایران کی طرح سعودی عرب میں بھی اسلامی انقلاب نہ آجائے، اگر ایسا ہو گیا تو شاہی خاندان کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔

یہی سبب ہے کہ حج کے موقع پر سعودی حکومت کسی بھی طرح کے جلسے جلوس اور اجتماعات پر پابندی لگا دیتی ہے۔ سعودی عرب میں اسلامی نظام اور اسلامی قانون پر مبنی کوئی کتاب بھی لے جانے پر پابندی ہے۔

اب اسے ایرانی حاجیوں کی غلطی کہہ لیجئے یا ان کا فرض کہ وہ اسلامی نظام کی باتیں حج کے موقع پر بھی کرتے ہیں، اس بات کو سعودی حکومت پسند نہیں کرتی۔"

اخبار کا نتی کا یہ تبصرہ، تبصرہ سے بالکل بے نیاز ہے —— البتہ آخر میں ہم ایک بار پھر ان دونوں تبصروں کی روشنی میں اس ذہنی انتشار، غیر یقینی کیفیت اور دشوار صورتحال کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرنا چاہتے ہیں جس سے یہ حضرات اپنی ہی روش کی بدولت، دوچار ہیں۔ کاش کہ یہ حضرات ایک بار پھر سر جوڑ کر بیٹھتے، اور اطمینان سے ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ ایرانی مسئلہ کی تمام تفصیلات اور اس کے سب پہلوؤں پر از سر نو غور کرتے اور پھر پوری بصیرت اور اعتماد کے ساتھ ایک واضح موقف کو امت کے سامنے رکھکر عام مسلمانوں اور خاص کر اپنے متعلقین کو بے یقینی، تضاد بیانی اور شکوک کے دلدل سے نکال کر یقین و اطمینان اور علمی اعتماد کی فضا میں جینے کا موقع فراہم کرتے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ

یادِ رفتگاں

جناب محمد یوسف صاحب پالنپوری علیہ الرحمۃ

الفرقان کے قارئین میں شاید کوئی ایک بھی ایسا نہ ہوگا جو مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری زید مجدھم سے واقف نہ ہو، بلکہ بڑی تعداد تو ان حضرات کی ہوگی جنھیں مولانا کو، اور ان کی نہایت مشغول اور منہمک زندگی اور دعوت الی اللہ کے لئے ان کے ہمہ تن انقطاع ویکسوئی کو زیادہ قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہوگا۔ اور انھیں اندازہ بھی ہوگا کہ مولانا کی ذات سے عالمی سطح پر امت کو کس قدر نفع پہنچ رہا ہے۔ لیکن بہت کم لوگ اس بات سے واقف ہوں گے کہ مولانا کی اس یکسوئی میں بہت بڑا حصہ ان کے چھوٹے بھائی محمد یوسف صاحب کا تھا جنھوں نے تمام گھریلو ذمہ داریاں اپنے اوپر لے کر مولانا کو ہر فکر و مشغولیت سے فارغ کر دیا تھا۔ ۱۹ اگست کو اچانک ان کا وقت موعود آ گیا اور وہ مالک حقیقی کے حضور میں حاضر ہو گئے۔

ان کے حادثۂ انتقال کی اطلاع کے لئے مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری (عظم اللہ اجرہ) نے اس عاجز کو جو خط لکھا وہ بعینہٖ نقل کیا جا رہا ہے ــــــ مقصد یہی ہے کہ مرحوم کے لئے اور ان کے متعلقین کے لئے دعاؤں اور ایصال ثواب کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے۔

باسمہ تعالیٰ　　　　از بندہ محمد عمر

بنگلہ والی مسجد دہلی

مخدوم معظم و محترم حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب دام مجدکم و ظلکم العالی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر و عافیت ہوں گے۔ بفضلہ تعالیٰ ہم لوگ حضرت جی دامت برکاتہم کی رفاقت میں بعافیت حجاز مقدس سے مرکز پہونچ گئے تھے اور حسب سابق دعوت کے کام میں مشغول تھے، پہونچنے کے چند روز بعد ۱۹ اگست بدھ اور جمعرات کی درمیانی شب میں میرے چھوٹے بھائی محمد یوسف مرحوم کا انتقال ہو گیا۔ صبح فجر سے قبل ہی فون پر

اطلاع ملی۔ حضرت جی دامت برکاتہم کے مشورہ سے جمعرات کے دن بعد فجر ہی ساڑھے آٹھ بجے کی فلائٹ سے بمبئی روانہ ہوا الحمد للہ جنازہ میں شرکت ہوئی جنازہ کی نماز میں نے ہی پڑھائی میں سیدھے بمبئی ایرپورٹ سے قبرستان پہونچ گیا کیونکہ جنازہ وہاں پہونچ چکا تھا تدفین کے بعد بھائی مرحوم کے گھر پہونچا۔ وہاں تقریبًا سارے اعزہ واقارب جمع تھے جن پر کافی اثر تھا اور غمزدہ تھے میری چھوٹی بچی جنکا نکاح گودھرا کے اجتماع میں اسی سال حضرت جی دامت برکاتہم نے بھائی مرحوم کے لڑکے کے ساتھ پڑھایا تھا حج کے زمانہ میں اس کی رخصتی بھی ہوئی تھی بھائی مرحوم سے کافی مانوس تھی جسکی وجہ سے مجھے دیکھتے ہی اسکی چیخیں نکل گئیں۔

موت تو ہر ایک کو آنے والی ہے اس سے کسی کو مفر نہیں کبھی اسباب کے ساتھ اور کبھی بغیر اسباب کے آتی ہے۔ بھائی صاحب مرحوم کی طبیعت اللہ کے فضل سے بالکل ٹھیک تھی جس رات ان کا انتقال ہوا انتقال سے پہلے والے دن میں دعوت کے تمام اعمال میں شریک رہے تعلیم، گشت وغیرہ۔ عشاء کے بعد ڈھائی گھنٹے دیا کرتے تھے اس دن بھی دیئے اور اچھی طرح ایمان واعمال کی بات سمجھائی ایک کارخانہ میں جاکر وہاں ساتھیوں کو جوڑا اور بات کی اور ایمان واعمال کی اہمیت و عظمت اور قیمت سمجھائی، بات کرکے جس میں یہ بھی سمجھایا کہ بھائی موت ہر انسان کو آنے والی ہے اور قبر میں تین سوال کا جواب دینا ہے اور اسکی تیاری یہی موت سے پہلے کا وقت ہے، جتنا ہم موت کو یاد رکھیں گے اتنا ہی آخرت کی تیاری کرنا آسان ہوگا، پھر واپس آئے بچے تو سوچکے تھے ان کی اہلیہ جاگ رہی تھیں۔ دو بجے رات میں استنجے کے لئے اٹھے۔ استنجا کرکے آئے اور سو گئے، کیا معلوم تھا کہ اب انکی آنکھ اس دنیا میں نہیں کھلے گی بلکہ رخت سفر باندھ چکے ہیں۔ اللہ ان کو غریق رحمت کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے بھائی صاحب مرحوم کو حضرت جی دامت برکاتہم نے گھر کا امیر بنایا تھا، مجھ سے چھوٹے تھے لیکن گھر کی ذمہ داری اپنے اوپر لیکر مجھے تمام مشغولیات سے فارغ کر دیا تھا اب گھر میں میرے بڑے بیٹے یونس سلمہ سے بڑا کوئی نہیں، اس لئے بوجھ ان پر ہی آئیگا آپ حضرات سے التماس ہے کہ مرحوم کے لئے تو ایصال ثواب جتنا ہوسکے کرائیے اور میرے لئے بھی دعا فرمائیے کہ اللہ پاک باقی زندگی بھی اسی عافیت اور سکون کے ساتھ دعوت کے کام میں لگوا دے اسی نیت سے یہ خط لکھ رہا ہوں اور اسی کے لئے گذارش ہے کہ تمام احباب کو اسکی اطلاع دیکر ان سے بھی دعائیں کرائیں، مرحوم کہا کرتے تھے کہ اللہ مجھے بڑے بھائی سے پہلے اٹھائے اسطرح مجھے ایصال ثواب بہت پہونچے گا اور اگر بڑے بھائی پہلے چلے گئے تو مجھے کوئی پوچھنے والا نہیں، اللہ نے ان کی یہ دعا سن لی۔ لیکن اب یہ میری ذمہ داری ہے کہ انھوں نے جسطرح مجھے دنیاوی مسائل سے فارغ کیا تھا اسطرح اللہ پاک اپنے فضل سے اپنے بندوں کی دعاؤں کے ذریعہ انکو اخروی تمام مسائل سے چھٹکارا دیوے، اور اپنی شایان شان رحمت ومغفرت اور رفع درجات فرمائے (آمین) ایصال ثواب جتنا ہوسکے کیا جائے مجھ پر احسان عظیم ہوگا۔ والسلام

مولوی شبیر احمد جذبی کاندھلوی علیہ الرحمہ

اسی سال ۱۹۸۷ء کے ابتدائی تین شماروں میں مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی کا ایک مضمون زیر عنوان حضرت گنگوہی کے ایک گمنام شاگرد اور خلیفہ مجاز حضرت مولانا صدیق احمد کاندھلویؒ شائع ہوا تھا۔ اسکی آخری قسط میں ان کے فرزندوں کے تذکرے کے سلسلے میں سب سے چھوٹے اور آخری فرزند مولوی شبیر احمد جذبی کا ذکر کیا گیا تھا گذشتہ شوال میں مولانا نورالحسن صاحب ہی کے خط سے ان کے بارے میں یہ انتہائی المناک اطلاع ملی تھی کہ ۲۵ر رمضان المبارک کی شب میں جب وہ اپنے گھر میں تنہا سوئے ہوئے تھے، مقتول پائے گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون، مرحوم بہت ہی مرنجاں مرنج اور ہر دلعزیز تھے، کسی سے ان کی عداوت اور دشمنی نہیں تھی، یہی سمجھا گیا کہ ڈاکوؤں کے ہاتھ سے شہید ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مظلومانہ شہادت کو خصوصی مغفرت ورحمت اور رفع درجات کا وسیلہ بنائے۔

مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ "متعدد تصنیفات اور منظومات اور تراجم ان کی یادگار ہیں۔ قرآن مجید کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا، جو زبان وبیان کے لحاظ سے خاص تحفہ ہے مگر یہ ترجمہ اٹھارہ پارے تک ہی ہوسکا تھا، مولانا روم کے ملفوظات "فیہ ما فیہ" کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا مگر اسکی بھی طباعت ابھی تک نہیں ہوسکی۔ قصیدہ بانت سعاد اور قصیدہ بردہ کے منظوم ترجمے بھی کئے تھے غم نامہ فراق اور دردنامہ حسرت بھی ان کے منظومات میں سے ہیں جن میں انھوں نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی وفات کے بعد اپنے جذبات واحساسات اور حضرت شیخ کے احوال وکمالات بیان کئے تھے رہے ان کے مفصل احوال وسوانح تو خود ان کے الفاظ میں۔

"میرے احباب کی فرمائش یہ ہے کہ ایک گندے ناپاک اور فاسق وفاجر انسان کے کارنامے سپرد خامہ و قرطاس کئے جائیں، بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ ضرور ہے کہ مصنف کا خاندان ایک علمی خاندان ہے۔ اور جدھر نظر جاتی ہے باکمال علماء وفضلاء ہی نظر آتے ہیں۔ ہمہ قبیلہ من عالمان دیں بودند　　مرا معلم عشق تو شاعری آموخت میرے سوانح حیات یوم الاشہاد نظر آئیں گے۔ جب ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے، اور ہاں قیامت کے دن کا کون انتظار کرے ہم ابھی آسمان دنیا کے نیچے خود اپنے ایک ایک گناہ کا اقرار کرتے ہیں، اور ہاتھ پھیلائے رحمت الٰہی کے طلبگار بنے بیٹھے ہیں، ایک یتیم ومسکین کے "حسنت مستقراً ومقاماً" کی بشارت کے کان مشتاق ہیں عجب کیا ہے کہ کوئی خضرؑ اس مسکین ویتیم کی گرتی ہوئی دیوار کو بھی آیت کریمہ "وکان ابوہما صالحاً" کے تحت چن کر کھڑی کردے اور کلیم طور بینا کی آنکھیں دیکھتی ہی رہ جائیں۔　　دردنامہ حسرت ص ۱۶۵/۱۶۸

ہمارے اسٹاک میں نئی آنے والی کتابیں

اقوال سلف (حصہ اول) مرتبہ مولانا قمر الزماں صاحب ۲۲/-

★ ایک تبلیغی جماعت کی کارگزاری ۶/-

★ اردو غزل ڈاکٹر یوسف حسین خاں ۴۶/۰۰

★ اسلام ہمارا راہنما ہے ۱۲/-

★ اسلام کے سائے میں شیخ محمد اقبال صاحب ۲۵/-

★ آپ خود فیصلہ کریں مولانا محمد منظور نعمانی ۱/-

★ اسلامی سیرت و اخلاق (مولانا شمس الحق ندوی) ۱۵/-

★ امثال عبرت (حضرت تھانویؒ کے منتخب خطبات) ۱۲/۵۰

★ بزم رفتگاں (اول) سید صباح الدین عبدالرحمٰن ۲۱/-

★ بہادر خواتین اسلام علامہ سید سلیمان ندوی ۶/-

★ بصیرت ۱۶/-

★ بابری مسجد غیر مسلم دانشوروں کی نظر میں ۱/۵۰

★ پیغمبر اعظم و آخر ڈاکٹر نصیر احمد ناصر ۴۰/-

★ تالیفات مصلح الامت چہارم (حضرت مولانا شاہ وصی اللہؒ) ۵/۰۰

★ تذکرۃ المصنفین (مولانا حبیب الرحمٰن خیرآبادی) ۲۱/-

★ تجلیات حرمین (ام ہانی صاحبہ) ۳/-

★ حل مہمات مولانا ڈاکٹر عبدالحئی ۱/-

★ حکیم الامت مولوی سید غیاث الدین مظاہری ۳/-

★ حرمین شریفین کے بیرونی مقیمین کی ذمہ داریاں (مولانا ابوالحسن علی ندوی) ۲/۵۰

★ دوا اور دعا سے علاج (مرتبہ محمد شعیب) ۵/-

★ رہنمائے نماز مولانا محمد آفاق صاحب ۳/-

★ روح البیان اول و دوم (مولانا محمد احمد پرتاپگڈھی) ۳۶/-

★ رؤف الرحیم (مقبول انور داودی) ۶/-

★ رسول اکرم ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد (مولانا محمد کاظم ندوی) ۲/۵۰

★ سیرت زبیر ابن العوامؓ (ابن عبدالشکور) ۹/-

★ سیرت حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ 〃 ۵/-

★ صداقت و عزیمت کے تابندہ نقوش (مولانا شمس الحق ندوی) ۱۶/-

★ فتاویٰ عبدالحئی (حضرت مولانا عبدالحئی لکھنویؒ) ۴۲/۰۰

★ فاروق اعظم (مجیب الرحمٰن شاہ صاحب) ۲۵/-

★ فیضان محبت (مرتبہ مولانا قمر الزماں صاحب) ۲۳/-

★ فضیلت گشت (مولانا حکیم انیس الحق قاسمی) ۱/-

★ کشف الظلام فی تحقیق الالف واللام (مفتی محمد شاذ قاسمی) ۱/۲۵

★ گنجینۂ اقوال (سید اے شیخ) ۸/-

★ منہاج العابدین اردو (حضرت امام غزالیؒ) ۲۵/-

★ مشاہیر کے آخری کلمات جناب زاہد حسین صاحب ۲۰/-

★ نبی خاتم اور دین کامل (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) ۵/-

★ نالۂ نیم شبی نعتیہ کلام و نظموں کا مجموعہ (ام ہانی صاحبہ) ۱۲/-

★ وہابی کون ہے؟ مولانا مطیع الحق صاحب ۳/۵۰

★ ہادی اعظم (مولانا محمد کاظم ندوی) ۵/-

★ یاد رفتگاں علامہ سید سلیمان ندویؒ ۳۰/-

★ سیرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ابن عبدالشکور ۵/-

★ سیرت زینبؓ رقیہ ام کلثومؓ ابن عبدالشکور ۵/-

★ روشنی حصہ دوم ۴/- ★ نوائے مشرق سعید احمد صاحب ۲۰/-

★ اسلامی انسائیکلو پیڈیا اردو جناب محمد یامین قریشی ۴۰/-

★ اسلامی ثقافت (ڈاکٹر نصیر احمد ناصر) ۶۵/- ★ ذخائر اسلام ۱۲/-

★ سلسلۂ کوثر (آب کوثر، رود کوثر، موج کوثر) مکمل ۳ جلدیں ۱۵۰/-

الفرقان بکڈپو ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ

ALFURQAN MONTHLY
31, NAYA GAON WEST
LUCKNOW-226 018 (INDIA)
Phone : 45547

Regd. No. LW/NP-62
Vol. 55 No. 9
September 1987

OLYMPIA PRESS, Nazirabad, Lucknow.